تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی

# فتاویٰ عالمگیری میں میراث اور وصیت سے متعلقہ قوانین کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ




مقالہ نگار: خیر البشر

نگران مقالہ: ڈاکٹر نیاز محمد

ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز

عبد الولی خان یونیورسٹی مردان، خیبر پختونخوا


اکیڈمک سیکشن: 2017–2020

بسم الله الرحمن الرحيم

# فہرس عنوانات

# انتساب

اپنے والدین کریمین اور چچا مرحوم اور اپنے اساتذۂ کرام کے نام، جن کی کوششوں اور محنتوں کی وجہ سے بندہ اس قابل بنا۔

# Author's Declaration

I, **Khair Ul Bashar S/O Malik Habib** hereby state that my Ph. D. thesis titled:

فتاوی عالمگیری میں میراث اور وصیّت سے متعلقہ قوانین کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ

is my own work and has not been submitted previously by me for taking any degree from **Abdul Wali Khan University Mardan**, **KP, Pakistan** or anywhere else in the country/world.

At any time if my statement is found to be incorrect even after my Graduation, the university has the right to withdraw my Ph. D. degree.

________________________________

**Khair Ul Bashar S/O Malik Habib**
Ph.D. Research Scholar (Islamic Studies)
Date: January 31, 2020

# Plagiarism Undertaking

I solemnly declare that research work presented in the thesis titled:

فتاوی عالمگیری میں میراث اور وصیّت سے متعلقہ قوانین کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ

is solely my research work with no significant contribution from any other person. Small contribution/help wherever taken has been duly acknowledged and that complete thesis has been written by me.

I understand the zero tolerance policy of the HEC and Abdul Wali Khan University Mardan KP, Pakistan towards plagiarism. Therefore I as an author of the above titled thesis declare that no portion of my thesis has been plagiarized and any material used as reference is properly referred/cited.

I undertake that if I am found guilty of any formal plagiarism in the above titled thesis even after award of Ph.D. degree, the University reserves the rights to withdraw/revoke my Ph.D. degree and that HEC and the University has the right to publish my name on the HEC/University Website on which names of students are placed who submitted plagiarized thesis.

______________________________

**Khair Ul Bashar S/O Malik Habib**
Ph.D. Research Scholar (Islamic Studies)
Date: January 31, 2020

# Forwarding Letter by the Supervisor

The thesis entitled:

فتاوی عالمگیری میں میراث اور وصیّت سے متعلقہ قوانین کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ

Submitted by **Mr. Khair Ul Bashar** in partial fulfillment for the requirements for the degree of **Ph.D.** in Islamic Studies has been completed under my guidance and supervision. I am satisfied with the research work of the scholar and recommend for further necessary action.

**Dr. Niaz Muhammad**

(Research Supervisor)

Department of Islamic Studies,

Adbdul Wali Khan University Mardan.

Date: January 31, 2020

## List of Publications from the Thesis:

| S.No. | Authors | Title | Volume (Issue year) | Category |
|---|---|---|---|---|
| 1 | 1. Khair ul Bashar<br>2.Dr. Niaz Muhammad | حقوق اللہ اور حقوق العباد میں وصیّت کا شرعی حکم: ایک علمی اور تحقیقی جائزہ | Fahm-i-Islam WU Mardan Dec 2020 | HEC Approved "Y" Category |

**Abstract:**

Judiciary laws of a nation serves as back bone for the society. If the law of a country is perfectly framed, its execution would be easy for the courts that is why now a days codification are made all kinds of the existing laws. The purpose of the research work is to bring forth the laws related to will and inheritance in Islamic Jurisprudence, in a perceptible way, and to explain those articles and sections which is in practices in Pakistani courts in will and inheritance law, to show the similarity and contrasts between both Islamic and existing Pakistani Laws.

**Key words**: will, inheritance, Pakistani Law, codification.

# اظہار تشکر

میں سب سے پہلے اپنے رحیم و کریم رب کا شکر ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنے خاص فضل سے مجھے یہ مقالہ مکمل کرنے کی سعادت بخشی اس کے بعد میں اپنا دینی و اخلاقی فریضہ سمجھتا ہوں کہ شعبہ اسلامیات عبد الولی خان یونیورسٹی کے جملہ اساتذہ کرام کا شکریہ ادا کروں ، جنہوں نے پی ایچ۔ڈی کے اس کٹھن تحقیقی مرحلہ میں قدم بہ قدم میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ بالخصوص اپنے استاذ محترم اور نگران مقالہ ڈاکٹر نیاز محمد صاحب ڈین فیکلٹی آف آرٹس جامعہ عبد الولی خان مردان، جنہوں نے اس تحقیقی مقالے کے ابتدائی مرحلے سے انتہائی مرحلے تک بہت شفقت، محبت اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بہترین علمی اور فنی مہارت کے ساتھ بندہ کی رہنمائی فرمائی۔

اس کے ساتھ ساتھ ڈیپارٹمنٹ کے تمام اساتذہ کرام خصوصاً استاذ محترم وچیئر مین شعبہ اسلامک سٹڈیز جناب ڈاکٹر حافظ صالح الدین حقانی، ڈاکٹر ابظاہر خان صاحب، ڈاکٹر کریم داد صاحب، ڈاکٹر محمد طاہر صاحب، ڈاکٹر محمد نعیم صاحب، ڈاکٹر محمد زبیر صاحب، ڈاکٹر گلزار علی صاحب اور ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب کا صمیم قلب سے مشکور ہوں جن کی مشفقانہ رہنمائی کی بدولت راقم اپنی علمی بے ضاعتی اور کم مائیگی کے باوجود اس تحقیقی سفر میں کامیابی سے ہم کنار ہوا۔

اس کے ساتھ ساتھ میں ان وکلا اور جج صاحبان کا بھی تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے اس مشکل گھڑی میں میرا قدم قدم ساتھ دیا جن میں قابل قدر حافظ محمد طیب صاحب اور یاسر بادشاہ صاحب نے وضعی قوانین سے متعلق میری راہنمائی کی۔

ان حضرات کے ساتھ ساتھ میں ان تمام دوست واحباب کا بھی تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے کسی نہ کسی درجے میں اس کٹھن گھڑی میں راقم کی راہنمائی فرمائی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اپنی بارگاہ عالیہ میں قبول فرما کر ہم سب کے لیے فلاح دارین کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

خیر البشر

پی ایچ۔ڈی ریسرچ سکالر

عبد الولی خان یونیورسٹی مردان

## مقدمہ:

قانون ہماری معاشرتی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے نہ صرف رہنمائی کرتا ہے بلکہ حل بھی تجویز کرتا ہے۔ یہ اس صورت میں زیادہ بہتر اور عمل درآمد کے لیے آسان ہوتا ہے جب اس کا ہر جز واضح ہو۔یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر میں ہر قسم کی وضعی قوانین کی باقاعدہ دفعہ بندی(Codification)کی جاتی ہے۔دفعہ بند قانون میں ہر جز متعین اور واضح ہونے کی وجہ سے عدالتوں کے لیے اس کا اجرا سہل ہوتا ہے۔

عربی میں قانون سازی کو تقنین کہا جاتا ہے۔[1]ڈاکٹر یوسف القرضاوی[2] کے مطابق احکام شرعیہ کو جدید دیوانی، فوجداری اور انتظامی قوانین کی طرز پر نمبروار انداز سے مرتب صورت میں ڈھالنا تقنین(Codification)ہے۔[3]

وضعی قوانین کی طرح فقہ اسلامی کی دفعہ بندی نہیں کی گئی۔اگرچہ فقہا کے نزدیک فقہ اسلامی کی تقنین کا مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے[4] لیکن عصر حاضر میں یہ خیال فروغ پا رہا ہے کہ اسلامی شریعت کے نفاذ کے لیے اس کی تقنین یا دفعہ بندی(Codification)ضروری ہے اور جب تک شریعت اسلام کے احکام کو وضعی قوانین کی طرح ضابطہ بند نہیں کیا جاتا اس وقت تک شریعت کا نفاذ اور احکام شریعت کے مطابق عدالتی نظام کے تحت فیصلوں کا عمل بطریق احسن تکمیل پذیر نہیں ہو سکے گا۔

واضح رہے کہ اسلامی قوانین کی دفعہ بندی کی ابتداء سلطنت عثمانیہ کے دور میں ہوئی۔اس دور میں عدالتی حلقوں نے جب دفعہ بندی کی ضرورت کو محسوس کیا تو ان کے مطالبے اور خواہش پر مجلس شوریٰ نے فقہا،ماہرین قانون اور ارکان شوریٰ پر مشتمل ایک کمیشن تشکیل دیا جس نے انتھک محنت کے بعد تاریخ اسلامی کا پہلا مدون مجموعہ "مجلة الاحكام العدلية" کے نام سے پیش کیا[5] لیکن یہ مجموعہ صرف قوانین بیع وشراء تک محدود تھا اور میراث اور وصیت سے متعلقہ قوانین اس میں شامل نہ تھے۔اس لیے یہ ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ میراث اور وصیت سے متعلقہ اسلامی قوانین کو بھی دفعہ بند کیا جائے۔

---

1 المعجم الوسيط،ابراهيمأمينواخرون،٢: ٧٦٣،دار الدعوة، مصر،١٩٨٠ء

2 ڈاکٹر یوسف قرضاوی 9 ستمبر 1926ء کو مصر میں پیدا ہوئے۔وہ دو برس کے تھے کہ ان کے والد انتقال کر گئے۔انہوں نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔آپ جامعۃ الازہر میں بھی زیر تعلیم رہے۔پھر قطر چلے گئے۔یوسف القرضاوی یورپین کونسل فار فتاویٰ اینڈ ریسرچ کے سربراہ ہیں۔انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔(https://en.wikipedia.org/wiki/Yusuf_al-Qaradawi)

3 مدخل لدراسةالشريعةالاسلامية،الدكتورمحمديوسف القرضاوى،٢٥٩،،مؤسسةالرسالة،بيروت،١٩٩٣ء

4 الاسلام وتقنين الاحكام،الدكتور عبد الرحمٰن عبد العزيز القاسم،ص٨٧،مطبعہ المدنى،مصر،طبعہ الاولى،١٩٩٦ء

5 حكم تقنين الشريعةالاسلامية،عبد الرحمٰن بن سعدالشثرى، ص: ٢٠،دار الصميعى للنشر والتوزيع،الرياض،٢٠٠٧ء

اسلامی فقہ پر نظر ڈالی جائے تو اس میں ہر قسم کے قوانین کو موضوع بحث بنایا گیا ہے جو مختلف کتابوں کی شکل میں موجود ہیں۔ ان کتب و مجموعات میں بعض کتب کو ان کے جدت وندرت کی وجہ سے انتہائی شہرت حاصل ہوئی جن میں سے ایک اورنگزیب عالمگیر[6] کے زیر نگرانی مرتب کی جانے والی "فتاویٰ عالمگیری" بھی ہے جو علمی دنیا میں "فتاویٰ ہندیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کے لئے ملک بھر سے علماء وفقہاء پر مشتمل ایک کمیشن تشکیل دیا گیا جنہوں نے دو سال کی محنت شاقہ کے بعد ایک ایسا مجموعہ تیار کیا جو آج تک قاضی صاحبان، مفتیان کرام اور عدالتوں کے لیے رہنما کتاب کا کام انجام دیتی ہے[7] لیکن اٹھارہویں صدی میں مرتب ہونے کی وجہ سے اس کا طرز قدیم ہے اور اس کی باقاعدہ دفعہ بندی بھی نہیں ہوئی جس کی وجہ سے عدالتی اعتبار سے اس سے استفادہ کرنا مشکل ہے لہٰذا عرصہ دراز سے یہ ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ فتاویٰ عالمگیری جیسے مستند دستاویز کی ابواب بندی اور ضابطہ بندی کرکے اس کو موجودہ دور میں عدالتی استعمال کے قابل بنایا جائے اور اس کا پاکستان کے وضعی قوانین کے ساتھ تقابل بھی کیا جائے تو یہ علمی ذخیرہ میں ایک مفید اضافہ ہوگا۔

اسی ضرورت کو مد نظر رکھ کر زیرِ بحث موضوع "فتاویٰ عالمگیری میں وصیت اور میراث سے متعلقہ قوانین کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ" کو پی ایچ ڈی سطح کی تحقیق کے لیے منتخب کیا گیا، جو کہ اس موضوع پر نئے اسلوب سے ایک منفرد علمی کام ہوگا۔

## وضعی قوانین:

آئین پاکستان 1973ء کے دفعہ 227 میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ کوئی بھی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہوگا۔ اس دستور کی وجہ سے پہلے سے موجود کونسل کو مزید فعال بنایا گیا جو اسلامی نظریاتی کونسل (CII) کے نام سے مشہور ہے اور اسے یہ کام سونپا گیا کہ مروجہ قوانین کی جانچ پڑتال کی جائے اور دیکھا جائے کہ اگر کہیں کوئی قانون شرعی قوانین کے منافی ہو تو اس کے لیے سفارشات لکھ کر کابینہ کو بھیج دی جائے اور اسے اسلامیانے کی کوشش کی جائے۔ ان کوششوں سے ابھی تک تقریباً سارے قوانین اسلامی قوانین کے ڈھانچے میں ڈھل چکے ہیں۔ وصیت اور میراث سے متعلقہ قوانین کا پاکستانی قوانین کے ساتھ تقابل پیش کرنے اور اسلامی قوانین کی دفعہ بندی کے لیے یہ موضوع منتخب کیا گیا ہے تاکہ اندازہ ہو جائے کہ وصیت اور میراث سے متعلقہ کون کون سے قوانین اسلامی قوانین کے مطابق ہیں۔

تقسیم ہند سے پہلے برصغیر پاک وہند میں زرعی اراضی کی وراثت سے متعلق پرانے رسم ورواج کی تقلید کی جاتی تھی۔ خیبر پختونخوا کے مسلمانوں کی خواہش اور مطالبے پر 1935ء میں مسلم پرسنل لاء شریعت اپلیکیشن ایکٹ 1935ء برائے خیبر پختونخوا نافذ کیا گیا جس کے سیکشن ٹو کے تحت یہ فیصلہ کیا گیا کہ میراث اور جانشینی، منگنی، شادی، طلاق، مہر، نسب، وصیت، ہدایا اور وقف سے متعلقہ مسائل میں فیصلہ، مسلم پرسنل لاء شریعت ایکٹ کے مطابق ہوگا جب کہ جانبین دونوں مسلمان ہوں چنانچہ مذکورہ ایکٹ کے سیکشن ٹو میں ہے:

---

6 محی الدین اورنگزیب عالمگیر(۱۶۱۸ء۔۱۷۰۷ء) ایک نیک سیرت حکمران تھے۔ آپ قرآن کریم کے حافظ تھے۔ آپ چھٹے مغل حکمران، اعلیٰ درجے کے منتظم، مدبر اور متقی انسان تھے۔ آپ کو علم دوستی اور انصاف میں لازوال شہرت حاصل ہوئی۔ فتاوی عالمگیری کی تدوین آپ کا عظیم کارنامہ ہے جس کو آپ کی تشکیل کردہ علماء وفقہاء کے ایک کمیشن نے مرتب کیا۔ (ادارہ دائرۃ المعارف، ۲۰: ۶۳، دانش گاہ، پنجاب، لاہور)

7 قاموس الفقہ، رحمانی، خالد سیف اللہ، ۱: ۳۸۳، زمزم پبلشر، کراچی، ۲۰۰۷ء

2. Decision in certain cases to be according to Muslim personal Law. __In questions regarding succession, special property of females, betrothal, marriage, divorce, dower guardianship, minority, bastardy, family relations, wills, legacies, gifts or any religious usage or institution including waqf (trust and trust property), the rule of decision shall be the Muslim Personal Law (Shariat), in cases where the parties are Muslim.[8]

ترجمہ: ۲۔ کئی مسائل میں فیصلہ مسلم پرسنل کے مطابق ہونا۔ --- جانشینی، خواتین کی خاص املاک، شادی بیاہ، شادی، طلاق، مہر، سرپرستی، اقلیت، ولد الزنا، خاندانی تعلقات، وصیت، وراثت، تحفہ یا وقف (اعتماد اور امانت کی جائیداد) سمیت کوئی مذہبی استعمال یا ادارہ، سے متعلق سوالات میں۔ فیصلے کی حکمرانی مسلم پرسنل لاء (شریعت) ہو گی، ایسے معاملات میں جب فریقین مسلمان ہوں۔

اس کے بعد 1962ء میں اسی قانون کو پورے پاکستان[9] کے لیے "مسلم شخصی قانون شریعت ایکٹ برائے مغربی پاکستان ۱۹۶۲ء" (The West Pakistan Muslim Personal Law Shariat act 1962) کے نام سے نافذ کیا گیا، جس کے سیکشن ٹو میں ہے:

(Application of the Muslim Personal Law) 2. Notwithstanding any custom or usage, In all questions regarding succession (whether testate or intestate), special property of females, betrothal, marriage, divorce, dower guardianship, minority, bastardy, family relations, wills, legacies, gifts or any religious usage or institution including waqf (trust and trust property), the rule of decision, subject to the provisions of any enactment for the time being in force, shall be the Muslim Personal Law (Shariat), in cases where the parties are Muslim.[10]

ترجمہ: (مسلم پرسنل لاء کا اطلاق). کسی بھی رسم و رواج کے استعمال کے باوجود، جانشینی کے بارے میں تمام سوالات میں (خواہ آزمائشی ہو یا اندرونی)، عورتوں کی خاص ملکیت، شادی، طلاق، دادرسی، اقلیت، حرامی پن، خاندانی تعلقات، وصیت، وراثت، تحائف یا کوئی مذہبی استعمال یا ادارہ جس میں وقف (ٹرسٹ اور ٹرسٹ پراپرٹی) شامل ہے، فیصلے کے اصول، اس وقت تک ان معاملات میں، مسلم پرسنل لاء (شریعت) ہو گا۔ جہاں فریقین مسلمان ہوں۔

---

8 The Khyber Pakhtunkhwa Muslim Personal Law (Shariat) Application Act, 1935, Section 2

9 (It axtend to the whole of Pakistan.)The West Pakistan Muslim Personal Law (Shariat) Act, 1962, Section 1 (2)

10 The West Pakistan Muslim Personal Law (Shariat) Act, 1962, Section 2

1962ء کے اس ایکٹ کے مطابق پاکستان میں میراث اور وصیت کے مسائل کے فیصلے اسلامی اصولوں کے مطابق کیے جاتے ہیں جن میں سے چند فیصلوں کی مثالیں مقالہ ہذا میں پیش کیے جائے گے۔ پاکستان میں میراث اور وصیت سے متعلق کوئی مستقل قانون موجود نہیں ہے اور نہ اسلامی مسائل دفعہ بند حالت میں موجود ہیں تاہم جج صاحبان عدالتوں میں میراث اور وصیتوں کے مسائل کا فیصلہ کرنے کے لیے ایف۔ ڈی ملا کی کتاب (محمڈن لا) سے استفادہ کرتے ہیں جس میں میراث اور وصیت کے مسائل کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بھی دفعہ بند حالت میں نہیں ہے۔ عرصہ دراز سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ میراث اور وصیت سے متعلقہ اسلامی مسائل کی دفعہ بندی کی جائے تاکہ عدالتوں میں ان کا اجرا سہل ہو جائے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے فتاوی عالمگیری کے میراث اور وصیت سے متعلقہ مسائل کی دفعہ بندی کی گئی اور ملکی قوانین اور عدالتی فیصلوں کے ساتھ ان کا تقابل کیا گیا تاکہ اندازہ ہو سکے کہ 1962ء کے مسلم پرسنل لاء شریعت ایکٹ کے مطابق کتنے فیصلے اسلامی اصولوں کے مطابق ہو رہے ہیں۔

پاکستان کے عائلی قانون 1961ء کے سیکشن فور میں علمِ میراث کے صرف ایک مسئلے یتیم پوتے پوتی، نواسے نواسی کے میراث میں اسلامی نقطۂ نظر سے اختلاف کیا گیا ہے۔ مقالہ ہٰذا کے بابِ پنجم فصلِ سوم میں اس پر تفصیلی گفت گو کی گئی ہے۔

### اہداف(Objectives)

زیرِ نظر تحقیق کے اہداف درج ذیل ہیں:

- اسلامی فقہی سرمائے کو معاصر انداز میں موئثر طور پر پیش کرنا
- میراث اور وصیت سے متعلقہ قوانین میں عدالتوں کی بہتر رہنمائی کے لئے مواد فراہم کرنا
- پاکستان میں میراث اور وصیت کے متعلق رائج وضعی قوانین کا اسلامی قوانین کے ساتھ تقابل پیش کرنا اور دلائل کے ذریعہ راجح فکر کو بیان کرنا
- وضعی قوانین کو اسلامیانے میں آسانی پیدا کرنا
- فتاویٰ عالمگیری میں میراث اور وصیت سے متعلقہ قوانین کی تخریج و تحقیق کرنا

### منہج تحقیق(Research Methodology)

بنیادی طور پر مذکورہ تحقیق خالصتاً علمی و فقہی ہے جو لائبریری کی وساطت سے انجام دی جائے گی لہٰذا منہج استنباطی (Deductive method) کے تحت ملکی سطح پر بڑے بڑے کتب خانوں سے استفادے اور فنی ماہرین کی معاونت سے موضوع سے متعلق ٹھوس مواد حاصل کرنے کے علاوہ دستیاب سافٹ ویئر کی مدد سے انٹرنیٹ کے ذریعے بھی متعلقہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔

فتاویٰ عالمگیری کے حوالے سے کسی بھی قسم کی تحقیق، تبصرہ، جرائد و رسائل میں مضامین اور اسی طرح اسلامی قوانین کی دفعہ بندی کے متعلق آرا کو تحقیق میں استعمال کیا گیا۔ وضعی قوانین کے لیے ماہرین قانون اور قانون سے متعلقہ کتب سے استفادہ کیا گیا۔

علاوہ ازیں یہ تحقیقی مقالہ پانچ ابواب اور ذیلی فصول پر مشتمل ہے۔ ہر باب کے آخر میں خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔ خاتمۃ البحث کے عنوان سے پیشِ نظر تحقیقی کاوش سے اخذ شدہ نتائج اور ان کی روشنی میں سامنے آنے والی تجاویز کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ فنی فہارس کے عنوان کے تحت فہرس آیاتِ قرآنیہ، فہرس احادیث، فہرس اعلام، فہرس بلدان اور فہرس مصادر و مراجع (عربی، اردو، انگریزی) کو ان کے متعلقہ حروفِ

تہجی (الف بائی) ترتیب سے درج کیا گیا ہے۔ حواشی اور حوالہ جات ہر باب کے آخر میں دیئے گئے ہیں۔ اظہارِ تشکر، بسم اللہ، فہرس مضامین، انتساب، تصدیق نامہ، اقرار نامہ پر مشتمل صفحات کو ترتیب ابجدی سے مرتب کیا گیا ہے۔

# فتاویٰ عالمگیری میں میراث اوروصیت سے متعلقہ قوانین کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ

By

Khair ul Bashar

**Registration No:** AWKUM-16003242

**Approved by: Supervisory Committee**
**(Date of meeting): February 01, 2018**

______________________________
**Prof. Dr. Niaz Muhammad** — Supervisor
Department of Islamic Studies (AWKUM)

______________________________
**Dr. Muhammad Tahir,** Associate Professor, — Member
Department of Islamic Studies (AWKUM)

______________________________
**Dr. Muhammad Naeem,** Assistant Professor, — Member
Department of Islamic Studies (AWKUM)

**Department of Islamic Studies**
**Faculty of Arts and Humanities**
**Abdul Wali Khan University Mardan**
**Academic Session:** 2017 – 2020

QUALITY ENHANCEMENT CELL (QEC)
ABDUL WALI KHAN UNIVERSITY, MARDAN
Ph#: 0937-843359, Email: qec@awkum.edu.pk
URL: www.awkum.edu.pk

No. D/ QEC/AWKUM/2020 3900 Dated: 11/02/2020

## Similarity Index Certificate

| | |
|---|---|
| Software Used | Turnitin (HEC recommended) |
| Name of student | Mr. Khair ul Bashar |
| Father Name | Malik Habib |
| Level of Project/ thesis | PhD |
| Teaching Department | Islamic Studies |
| Title of thesis | فتاوی عالمگیری میں میراث اور وصیت سے متعلقہ قوانین کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ |
| Matching (similarity index found) | 17% (Recommended threshold by HEC: 19%) |
| Similarity Index Report ID: | 1255354843 |
| Name of supervisor | Prof. Dr. Niaz Muhammad |
| Head of teaching department | Dr. Hafiz Salihuddin |

Note: This certificate is issued on basis of file/thesis received from Coordinator of PhD Program Department of Islamic Studies, Dr. [illegible] Khan, through email dated: 01-02-2020.

Prepared by: 11-01-2020
Saddam Hussain

Deputy Director QEC

Director QEC

Turnitin Originality Report

فتاوی عالمگیری میں میراث اور وصیت سے متعلقہ فرائض کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ by turnitin

Khair Ul Bashar

From 2020 (PhD Repository )

- [illegible]
- ID: 1255354843
- Word Count: 86035

Similarity Index
17%
Similarity by Source

Internet Sources:
4%
Publications:
3%
Student Papers:
16%

sources:

1 3% match (student papers from 23-Jan-2020)
Class: PhD Repository
Assignment: 2020
Paper ID: 12453[illegible]6196

2 2% match (student papers from 07-Jan-2019)
Class: PhD Repository
Assignment: 2018-19
Paper ID: 1061875234

3 1% match (student papers from 10-Feb-2020)
Class: MPHIL/MS Repository
Assignment: 2020
Paper ID: 1254690985

4 1% match (student papers from 08-Feb-2019)
Class: MPHIL/MS Repository
Assignment: 2018-19
Paper ID: 1074936604

5 1% match (student papers from 18-Dec-2018)
Class: PhD Repository
Assignment: 2018-19
Paper ID: 1058702308

6 1% match (student papers from 29-Mar-2019)
Submitted to Higher Education Commission Pakistan on 2019-03-29

7 < 1% match (student papers from 20-Sep-2016)
Submitted to Higher Education Commission Pakistan on 2016-09-20

8 < 1% match (student papers from 20-Sep-2016)
Submitted to Higher Education Commission Pakistan on 20[illegible]

9 < 1% match (student papers from 16-Oct-2018)
Submitted to Higher Education Commission Pakistan on 2018-10-16

10 < 1% match (Internet from 22-Jul-2015)
[illegible]

11 < 1% match (student papers from 17-Dec-2018)
Class: PhD Repository
Assignment: 2018-19
Paper ID: 1058079423

12 < 1% match (student papers from 27-Feb-2019)
Submitted to Higher Education Commission Pakistan on 2019-02-27

13 < 1% match (student papers from 19-Mar-2019)
[illegible]

## Certificate of Approval

This is to certify that the research work presented in this thesis, entitled

فتاویٰ عالمگیری میں میراث اور وصیت سے متعلقہ قوانین کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ

was conducted by Mr.Khairul bashar , under the supervision of **Dr. Niaz Muhammad** with positive review reports from two reviewers Dr. Muhammad Farid Ali Al-Fijawi, Head of Responsible Research and Innovation Kulliyah of Islamic Revealed Knowledge and Hum Sciences, International Islamic University, Malaysia . (IIUM) and Prof Dr. Muhammad Rasheed Farooqi, Director Islamic Center, Islamic Association, Virginia USA. Further, no part of this thesis has been submitted anywhere else for any other degree. This thesis is submitted to the Department of Islamic Studies in partial fulfillment of the requirements for the degree of Doctor of Philosophy in Field of Islamic Studies, Department of Islamic Studies, Abdul Wali Khan University Mardan, Pakistan.

Student Name: Mr.Khairul bashar Signature:

**Examination Committee:**

External Examiner (Local-I): Prof Dr. Miraj- Ul- Islam,
Department of Islamic Studies, University of Peshawar.

External Examiner (Local-II): Prof Dr. Abdul Hameed Abbasi
Dean Faculty of Arabic & Islamic Studies,
Allama Iqbal Open University, Islamabad.

Supervisor Name: Dr. Niaz Muhammad
(Professor) Department of Islamic Studies, AWKUM

Name of Chairman: Dr. Hafiz Salihuddin.
Chairperson, Department of Islamic Studies, AWKUM

Dean, Faculty of Arts & Humanities, AWKUM

Dy. /Add/ Director Academics and Research

# Report of the PhD Public Defense by the External Examiner

It is my pleasure to state that I personally examined the whole process of Open Public Defense of Mr.Khairul bashar, PhD Scholar in Islamic Studies under the supervision of Dr. **Niaz Muhammad**, Registration No: **AWKUM-16003242**, held on **August 16, 2021** at 11:00 AM at Department of Islamic Studies, AWK University Mardan. The Public Defense was attended by the concerned supervisory committee, PhD public defense committee, faculty members and students especially M.Phil and PhD Scholars.

The Scholar presented a comprehensive summary of his PhD dissertation entitled as:

فتاوی عالمگیری میں میراث اور وصیت سے متعلقہ قوانین کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ"

Afterwards, the participants asked various questions regarding the different aspects of his research topic which he answered in a scholarly way. I as external examiner also put forth some questions and the scholar responded me positively. As a whole Mr. Khairul Bashar, successfully defended his PhD thesis publicly

In view of the above process, I hereby recommend the scholar for the award of Ph.D Degree in Islamic Studies.

Prof Dr. Miraj- Ul- Islam,
Department of Islamic Studies,
University of Peshawar.

# Report of the PhD Public Defense by the External Examiner

It is my pleasure to state that I personally examined the whole process of Open Public Defense of Mr.Khairul bashar, PhD Scholar in Islamic Studies under the supervision of Dr. **Niaz Muhammad,** Registration No: **AWKUM-16003242** held on **August 16, 2021** at 11:00 AM at Department of Islamic Studies, AWK University Mardan. The Public Defense was attended by the concerned supervisory committee, PhD public defense committee, faculty members and students especially M.Phil and PhD Scholars.

The Scholar presented a comprehensive summary of his PhD dissertation entitled as

"قرآن و سنت میں میراث اور وصیت سے متعلق قوانین کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ"

Afterwards, the participants asked various questions regarding the different aspects of his research topic which he answered in a scholarly way. I as external examiner also put forth some questions and the scholar responded me positively. As a whole Mr. Khairul Bashar, successfully defended his PhD thesis publicly.

In view of the above process, I hereby recommend the scholar for the award of Ph.D Degree in Islamic Studies.

Prof Dr. Abdul Hameed Abbasi
Dean Faculty of Arabic & Islamic Studies,
Allama Iqbal Open University, Islamabad

## List of Publications from the Thesis:

| S.No. | Authors | Title | Volume (Issue year) | Category |
|---|---|---|---|---|
| 1 | 1. Khair ul Bashar<br>2.Dr. Niaz Muhammad | حقوق اللہ اور حقوق العباد میں وصیّت کا شرعی حکم: ایک علمی اور تحقیقی جائزہ | Fahm-i-Islam WU Mardan Dec 2020 | HEC Approved "Y" Category |

## Abstract:

Judiciary laws of a nation serves as back bone for the society. If the law of a country is perfectly framed, its execution would be easy for the courts that is why now a days codification are made all kinds of the existing laws. The purpose of the research work is to bring forth the laws related to will and inheritance in Islamic Jurisprudence, in a perceptible way, and to explain those articles and sections which is in practices in Pakistani courts in will and inheritance law, to show the similarity and contrasts between both Islamic and existing Pakistani Laws.



**Key words**: will, inheritance, Pakistani Law, codification.

# اظہار تشکر

میں سب سے پہلے اپنے رحیم و کریم رب کا شکر ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنے خاص فضل سے مجھے یہ مقالہ مکمل کرنے کی سعادت بخشی اس کے بعد میں اپنا دینی واخلاقی فریضہ سمجھتا ہوں کہ شعبہ اسلامیات عبد الولی خان یونیورسٹی کے جملہ اساتذہ کرام کا شکریہ ادا کروں ، جنہوں نے پی ایچ۔ڈی کے اس کٹھن تحقیقی مرحلہ میں قدم بہ قدم میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ بالخصوص اپنے استاذ محترم اور نگران مقالہ ڈاکٹر نیاز محمد صاحب ڈین فیکلٹی آف آرٹس جامعہ عبد الولی خان مردان، جنہوں نے اس تحقیقی مقالے کے ابتدائی مرحلے سے انتہائی مرحلے تک بہت شفقت، محبت اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بہترین علمی اور فنی مہارت کے ساتھ بندہ کی رہنمائی فرمائی۔

اس کے ساتھ ساتھ ڈیپارٹمنٹ کے تمام اساتذہ کرام خصوصاً استاذ محترم وچیئرمین شعبہ اسلامک سٹڈیز جناب ڈاکٹر حافظ صالح الدین حقانی، ڈاکٹر ابظاہر خان صاحب، ڈاکٹر کریم داد صاحب ، ڈاکٹر محمد طاہر صاحب ، ڈاکٹر محمد نعیم صاحب، ڈاکٹر محمد زبیر صاحب، ڈاکٹر گلزار علی صاحب اورڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب کا صمیم قلب سے مشکور ہوں جن کی مشفقانہ رہنمائی کی بدولت راقم اپنی علمی بے ضاعتی اور کم مائیگی کے باوجود اس تحقیقی سفر میں کامیابی سے ہم کنار ہوا۔

اس کے ساتھ ساتھ میں ان وکلا اور جج صاحبان کا بھی تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے اس مشکل گھڑی میں میرا قدم قدم ساتھ دیا جن میں قابل قدر حافظ محمد طیب صاحب اور یاسر بادشاہ صاحب نے وضعی قوانین سے متعلق میری راہنمائی کی۔

ان حضرات کے ساتھ ساتھ میں ان تمام دوست واحباب کا بھی تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے کسی نہ کسی درجے میں اس کٹھن گھڑی میں راقم کی راہنمائی فرمائی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اپنی بارگاہ عالیہ میں قبول فرما کر ہم سب کے لیے فلاح دارین کا ذریعہ بنائے۔(آمین)

خیر البشر

پی ایچ۔ڈی ریسرچ سکالر

عبد الولی خان یونیورسٹی مردان

## مقدمہ:

قانون ہماری معاشرتی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے نہ صرف رہنمائی کرتا ہے بلکہ حل بھی تجویز کرتا ہے۔ یہ اس صورت میں زیادہ بہتر اور عمل درآمد کے لیے آسان ہوتا ہے جب اس کا ہر جز واضح ہو۔یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر میں ہر قسم کی وضعی قوانین کی باقاعدہ دفعہ بندی(Codification) کی جاتی ہے۔دفعہ بند قانون میں ہر جز متعین اور واضح ہونے کی وجہ سے عدالتوں کے لیے اس کا اجرا سہل ہوتا ہے۔

عربی میں قانون سازی کو تقنین کہا جاتا ہے۔[1] ڈاکٹر یوسف القرضاوی[2] کے مطابق احکام شرعیہ کو جدید دیوانی، فوجداری اور انتظامی قوانین کی طرز پر نمبر وار انداز سے مرتب صورت میں ڈھالنا تقنین(Codification) ہے۔[3]

وضعی قوانین کی طرح فقۂ اسلامی کی دفعہ بندی نہیں کی گئی۔اگرچہ فقہا کے نزدیک فقۂ اسلامی کی تقنین کا مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے[4] لیکن عصر حاضر میں یہ خیال فروغ پا رہا ہے کہ اسلامی شریعت کے نفاذ کے لیے اس کی تقنین یا دفعہ بندی(Codification)ضروری ہے اور جب تک شریعت اسلام کے احکام کو وضعی قوانین کی طرح ضابطہ بند نہیں کیا جاتا اس وقت تک شریعت کا نفاذ اور احکام شریعت کے مطابق عدالتی نظام کے تحت فیصلوں کا عمل بطریق احسن تکمیل پذیر نہیں ہو سکے گا۔

واضح رہے کہ اسلامی قوانین کی دفعہ بندی کی ابتداء سلطنت عثمانیہ کے دور میں ہوئی۔اس دور میں عدالتی حلقوں نے جب دفعہ بندی کی ضرورت کو محسوس کیا تو ان کے مطالبے اور خواہش پر مجلس شوریٰ نے فقہا، ماہرین قانون اور ارکان شوریٰ پر مشتمل ایک کمیشن تشکیل دیا جس نے انتھک محنت کے بعد تاریخِ اسلامی کا پہلا مدون مجموعہ "مجلة الاحكام العدلية" کے نام سے پیش کیا[5] لیکن یہ مجموعہ صرف قوانین بیع وشراء تک محدود تھا اور میراث اور وصیت سے متعلقہ قوانین اس میں شامل نہ تھے۔اس لیے یہ ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ میراث اور وصیت سے متعلقہ اسلامی قوانین کو بھی دفعہ بند کیا جائے۔

---

1 المعجم الوسيط،ابراهيمأمينواخرون،۲: ۷۶۳،دار الدعوة، مصر، ۱۹۸۰ء

2 ڈاکٹر یوسف قرضاوی 9 ستمبر 1926ء کو مصر میں پیدا ہوئے۔وہ دو برس کے تھے کہ ان کے والد انتقال کر گئے۔انہوں نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔آپ جامعۃ الازہر میں بھی زیر تعلیم رہے۔پھر قطر چلے گئے۔یوسف القرضاوی یورپین کونسل فار فتاویٰ اینڈ ریسرچ کے سربراہ ہیں۔انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔(https://en.wikipedia.org/wiki/Yusuf_al-Qaradawi)

3 مدخل لدراسةالشريعةالاسلامية،الدكتورمحمديوسف القرضاوى،۲۵۹،،مؤسسةالرسالة،بيروت،۱۹۹۳ء

4 الاسلام وتقنين الاحكام،الدكتور عبد الرحمٰن عبد العزيز القاسم، ص۸۷،مطبعہ المدنى، مصر،طبعہ الاولى،۱۹۹۶ء

5 حكم تقنين الشريعةالاسلامية،عبد الرحمٰن بن سعدالشثرى، ص: ۲۰،دار الصميعى للنشر والتوزيع،الرياض،۲۰۰۷ء

اسلامی فقہ پر نظر ڈالی جائے تو اس میں ہر قسم کے قوانین کو موضوع بحث بنایا گیا ہے جو مختلف کتابوں کی شکل میں موجود ہیں۔ ان کتب و مجموعات میں بعض کتب کو ان کے جدت وندرت کی وجہ سے انتہائی شہرت حاصل ہوئی جن میں سے ایک اورنگزیب عالمگیر[6] کے زیر نگرانی مرتب کی جانے والی "فتاویٰ عالمگیری" بھی ہے جو علمی دنیا میں "فتاویٰ ہندیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کے لئے ملک بھر سے علماء وفقہاء پر مشتمل ایک کمیشن تشکیل دیا گیا جنہوں نے دو سال کی محنت شاقہ کے بعد ایک ایسا مجموعہ تیار کیا جو آج تک قاضی صاحبان، مفتیان کرام اور عدالتوں کے لیے رہنما کتاب کا کام انجام دیتی ہے[7] لیکن اٹھارہویں صدی میں مرتب ہونے کی وجہ سے اس کا طرز قدیم ہے اور اس کی باقاعدہ دفعہ بندی بھی نہیں ہوئی جس کی وجہ سے عدالتی اعتبار سے اس سے استفادہ کرنا مشکل ہے لہٰذا عرصہ دراز سے یہ ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ فتاویٰ عالمگیری جیسے مستند دستاویز کی ابواب بندی اور ضابطہ بندی کر کے اس کو موجودہ دور میں عدالتی استعمال کے قابل بنایا جائے اور اس کا پاکستان کے وضعی قوانین کے ساتھ تقابل بھی کیا جائے تو یہ علمی ذخیرہ میں ایک مفید اضافہ ہوگا۔

اسی ضرورت کو مد نظر رکھ کر زیرِ بحث موضوع "فتاویٰ عالمگیری میں وصیت اور میراث سے متعلقہ قوانین کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ" کو پی ایچ ڈی سطح کی تحقیق کے لیے منتخب کیا گیا، جو کہ اس موضوع پر نئے اسلوب سے ایک منفرد علمی کام ہوگا۔

## وضعی قوانین:

آئین پاکستان 1973ء کے دفعہ 227 میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ کوئی بھی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہوگا۔ اس دستور کی وجہ سے پہلے سے موجود کونسل کو مزید فعال بنایا گیا جو اسلامی نظریاتی کونسل (CII) کے نام سے مشہور ہے اور اسے یہ کام سونپا گیا کہ مروجہ قوانین کی جانچ پڑتال کی جائے اور دیکھا جائے کہ اگر کہیں کوئی قانون شرعی قوانین کے منافی ہو تو اس کے لیے سفارشات لکھ کر کابینہ کو بھیج دی جائے اور اسے اسلامیانے کی کوشش کی جائے۔ ان کوششوں سے ابھی تک تقریباً سارے قوانین اسلامی قوانین کے ڈھانچے میں ڈھل چکے ہیں۔ وصیت اور میراث سے متعلقہ قوانین کا پاکستانی قوانین کے ساتھ تقابل پیش کرنے اور اسلامی قوانین کی دفعہ بندی کے لیے یہ موضوع منتخب کیا گیا ہے تاکہ اندازہ ہو جائے کہ وصیت اور میراث سے متعلقہ کون کون سے قوانین اسلامی قوانین کے مطابق ہیں۔

تقسیمِ ہند سے پہلے برصغیر پاک وہند میں زرعی اراضی کی وراثت سے متعلق پرانے رسم ورواج کی تقلید کی جاتی تھی۔ خیبر پختونوا کے مسلمانوں کی خواہش اور مطالبے پر 1935ء میں مسلم پرسنل لاء شریعت اپیلیکیشن ایکٹ 1935ء برائے خیبر پختونخوا نافذ کیا گیا جس کے سیکشن ٹو کے تحت یہ فیصلہ کیا گیا کہ میراث اور جانشینی، منگنی، شادی، طلاق، مہر، نسب، وصیت، ہدایا اور وقف سے متعلقہ مسائل میں فیصلہ، مسلم پرسنل لاء شریعت ایکٹ کے مطابق ہوگا جب کہ جانبین دونوں مسلمان ہوں چنانچہ مذکورہ ایکٹ کے سیکشن ٹو میں ہے:

---

6 محی الدین اورنگزیب عالمگیر (۱۶۱۸ء۔۱۷۰۷ء) ایک نیک سیرت حکمران تھے۔ آپ قرآن کریم کے حافظ تھے۔ آپ چھٹے مغل حکمران، اعلیٰ درجے کے منتظم، مدبر اور متقی انسان تھے۔ آپ کو علم دوستی اور انصاف میں لازوال شہرت حاصل ہوئی۔ فتاوی عالمگیری کی تدوین آپ کا عظیم کارنامہ ہے جس کو آپ کی تشکیل کردہ علماء وفقہاء کے ایک کمیشن نے مرتب کیا۔ (ادارہ دائرۃ المعارف، ۲۰: ۶۳، دانش گاہ، پنجاب، لاہور)

7 قاموس الفقہ، رحمانی، خالد سیف اللہ، ۱: ۳۸۳، زمزم پبلشر، کراچی، ۲۰۰۷ء

2. Decision in certain cases to be according to Muslim personal Law. __In questions regarding succession, special property of females, betrothal, marriage, divorce, dower guardianship, minority, bastardy, family relations, wills, legacies, gifts or any religious usage or institution including waqf (trust and trust property), the rule of decision shall be the Muslim Personal Law (Shariat), in cases where the parties are Muslim.[8]

ترجمہ: ۲۔ کئی مسائل میں فیصلہ مسلم پرسنل کے مطابق ہونا۔ --- جانشینی، خواتین کی خاص املاک، شادی بیاہ، شادی، طلاق، مہر، سرپرستی، اقلیت، ولد الزنا، خاندانی تعلقات، وصیت، وراثت، تحفہ یا وقف (اعتماد اور امانت کی جائیداد) سمیت کوئی مذہبی استعمال یا ادارہ، سے متعلق سوالات میں۔ فیصلے کی حکمرانی مسلم پرسنل لاء (شریعت) ہوگی، ایسے معاملات میں جب فریقین مسلمان ہوں۔

اس کے بعد 1962ء میں اسی قانون کو پورے پاکستان[9] کے لیے "مسلم شخصی قانون شریعت ایکٹ برائے مغربی پاکستان ۱۹۶۲ء" (The West Pakistan Muslim Personal Law Shariat act 1962) کے نام سے نافذ کیا گیا، جس کے سیکشن ٹو میں ہے:

(Application of the Muslim Personal Law) 2. Notwithstanding any custom or usage, In all questions regarding succession (whether testate or intestate), special property of females, betrothal, marriage, divorce, dower guardianship, minority, bastardy, family relations, wills, legacies, gifts or any religious usage or institution including waqf (trust and trust property), the rule of decision, subject to the provisions of any enactment for the time being in force, shall be the Muslim Personal Law (Shariat), in cases where the parties are Muslim.[10]

ترجمہ: (مسلم پرسنل لاء کا اطلاق). کسی بھی رسم و رواج کے استعمال کے باوجود، جانشینی کے بارے میں تمام سوالات میں (خواہ آزمائشی ہو یا اندرونی)، عورتوں کی خاص ملکیت، شادی، طلاق، دادرسی، اقلیت، حرامی پن، خاندانی تعلقات، وصیت، وراثت، تحائف یا کوئی مذہبی استعمال یا ادارہ جس میں وقف (ٹرسٹ اور ٹرسٹ پراپرٹی) شامل ہے، فیصلے کے اصول، اس وقت تک ان معاملات میں، مسلم پرسنل لاء (شریعت) ہو گا۔ جہاں فریقین مسلمان ہوں۔

---

8. The Khyber Pakhtunkhwa Muslim Personal Law (Shariat) Application Act, 1935, Section 2

9. (It axtend to the whole of Pakistan.)The West Pakistan Muslim Personal Law (Shariat) Act, 1962, Section 1 (2)

10. The West Pakistan Muslim Personal Law (Shariat) Act, 1962, Section 2

1962ء کے اس ایکٹ کے مطابق پاکستان میں میراث اور وصیت کے مسائل کے فیصلے اسلامی اصولوں کے مطابق کیے جاتے ہیں جن میں سے چند فیصلوں کی مثالیں مقالہ ہذا میں پیش کیے جائے گے۔ پاکستان میں میراث اور وصیت سے متعلق کوئی مستقل قانون موجود نہیں ہے اور نہ اسلامی مسائل دفعہ بند حالت میں موجود ہیں تاہم جج صاحبان عدالتوں میں میراث اور وصیتوں کے مسائل کا فیصلہ کرنے کے لیے ایف۔ڈی ملا کی کتاب (محمڈن لا) سے استفادہ کرتے ہیں جس میں میراث اور وصیت کے مسائل کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بھی دفعہ بند حالت میں نہیں ہے۔ عرصہ دراز سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ میراث اور وصیت سے متعلقہ اسلامی مسائل کی دفعہ بندی کی جائے تاکہ عدالتوں میں ان کا اجرا سہل ہو جائے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے فتاوی عالمگیری کے میراث اور وصیت سے متعلقہ مسائل کی دفعہ بندی کی گئی اور ملکی قوانین اور عدالتی فیصلوں کے ساتھ ان کا تقابل کیا گیا تاکہ اندازہ ہو سکے کہ 1962ء کے مسلم پرسنل لاء شریعت ایکٹ کے مطابق کتنے فیصلے اسلامی اصولوں کے مطابق ہو رہے ہیں۔

پاکستان کے عائلی قانون 1961ء کے سیکشن فور میں علمِ میراث کے صرف ایک مسئلے یتیم پوتے پوتی، نواسے نواسی کے میراث میں اسلامی نقطۂ نظر سے اختلاف کیا گیا ہے۔ مقالہ ہٰذا کے بابِ پنجم فصلِ سوم میں اس پر تفصیلی گفت گو کی گئی ہے۔

## اہداف (Objectives)

زیرِ نظر تحقیق کے اہداف درج ذیل ہیں:

- اسلامی فقہی سرمائے کو معاصر انداز میں موثر طور پر پیش کرنا
- میراث اور وصیت سے متعلقہ قوانین میں عدالتوں کی بہتر رہنمائی کے لئے مواد فراہم کرنا
- پاکستان میں میراث اور وصیت کے متعلق رائج وضعی قوانین کا اسلامی قوانین کے ساتھ تقابل پیش کرنا اور دلائل کے ذریعہ راجح فکر کو بیان کرنا
- وضعی قوانین کو اسلامیانے میں آسانی پیدا کرنا
- فتاویٰ عالمگیری میں میراث اور وصیت سے متعلقہ قوانین کی تخریج و تحقیق کرنا

## منہج تحقیق (Research Methodology)

بنیادی طور پر مذکورہ تحقیق خالصتاً علمی و فقہی ہے جو لائبریری کی وساطت سے انجام دی جائے گی لہٰذا منہج استنباطی (Deductive method) کے تحت ملکی سطح پر بڑے بڑے کتب خانوں سے استفادے اور فنی ماہرین کی معاونت سے موضوع سے متعلق ٹھوس مواد حاصل کرنے کے علاوہ دستیاب سافٹ وئیر کی مدد سے انٹرنیٹ کے ذریعے بھی متعلقہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔

فتاویٰ عالمگیری کے حوالے سے کسی بھی قسم کی تحقیق، تبصرہ، جرائد و رسائل میں مضامین اور اسی طرح اسلامی قوانین کی دفعہ بندی کے متعلق آرا کو تحقیق میں استعمال کیا گیا۔ وضعی قوانین کے لیے ماہرین قانون اور قانون سے متعلقہ کتب سے استفادہ کیا گیا۔

علاوہ ازیں یہ تحقیقی مقالہ پانچ ابواب اور ذیلی فصول پر مشتمل ہے۔ ہر باب کے آخر میں خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔ خاتمۃ البحث کے عنوان سے پیشِ نظر تحقیقی کاوش سے اخذ شدہ نتائج اور ان کی روشنی میں سامنے آنے والی تجاویز کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ فنی فہارس کے عنوان کے تحت فہرس آیاتِ قرآنیہ، فہرس احادیث، فہرس اعلام، فہرس بلدان اور فہرس مصادر و مراجع (عربی، اردو، انگریزی) کو ان کے متعلقہ حروفِ

تہجی (الف بائی) ترتیب سے درج کیا گیا ہے۔ حواشی اور حوالہ جات ہر باب کے آخر میں دیئے گئے ہیں۔ اظہارِ تشکر، بسم اللہ، فہرس مضامین، انتساب، تصدیق نامہ، اقرار نامہ پر مشتمل صفحات کو ترتیب ابجدی سے مرتب کیا گیا ہے۔

# باب اول: بنیادی مباحث

- فصل اول: تعارف موضوع اور معاصر اہمیت
- فصل ثانی: قضیہ تحقیق کا تفصیلی جائزہ
- فصل ثالث: تحقیق کے لئے اختیار کردہ منہج کا علمی جائزہ

خلاصہ باب

## فصل اول: تعارف موضوع اور معاصر اہمیت

قانون کسی بھی مہذب معاشرے کا اساس ہوتا ہے۔ یہ اس صورت میں زیادہ بہتر اور عمل درآمد کے لئے آسان ہوتا ہے جب اس کا ہر جز واضح ہو۔ یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر میں ہر قسم کی وضعی قوانین کی باقاعدہ دفعہ بندی (Codification) کی جاتی ہے۔ کسی ملک یا ریاست کے وہ قانونی قواعد وضوابط اور قانونی جزئیات جو ایک ہی نوع سے متعلق ہو ان کو مرتب و مدون کر کے نمبر وار لکھنے کا نام دفعہ بندی ہے۔[1] دفعہ بند قانون میں ہر جز متعین اور واضح ہونے کی وجہ سے عدالتوں کے لیے اس کا اجرا سہل ہوتا ہے۔

"دفعہ بندی" اردو زبان کا لفظ ہے۔ یہ دو لفظوں "دفعہ" اور "بندی" سے مرکب ہے۔

لفظ دفعہ بنیادی طور پر عربی زبان کا لفظ ہے جب کہ اردو زبان میں بھی مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

عربی زبان میں دَفَعَ يَدْفَعُ دِفَاعاً باب فتح سے اس کا معنٰی آتا ہے رد کرنا، دور کرنا اور ہٹانا۔[2]

الدفعة (دال کے زبر اور فا کے سکون کے ساتھ) کے وزن پر یہ دفعہ کا اسم مرۃ ہوگا یعنی ایک مرتبہ ہٹانا جیسے دفعته دفعتا (میں نے اس کو ایک مرتبہ ہٹایا) اور دفعته دفعتین (میں نے اس کو دو مرتبہ ہٹایا)۔[3]

تاہم جب یہ لفظ اردو میں استعمال ہو تو دفعہ کا لفظ مندرجہ ذیل معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے باری یا نوبت، قانونی شق یعنی قانون کا فقرہ یا نمبر، مجموعہ، جماعت[4]۔

نیز اردو میں قانونی زبان کے استعمال کے وقت عدالتوں میں لفظ دفع کو اس طرح استعمال کیا جاتا ہے دفعہ لگانا یا دفعہ عائد کرنا یعنی کسی پر کوئی جرم قائم کرنا[5]۔

دفعہ بندی کی ترکیب میں لفظ بندی کو بطور لاحقہ استعمال کیا گیا ہے، اور یہ لفظ جب اردو میں بطور لاحقہ استعمال ہو تو اس میں "بنانے اور باندھنے" کے معنی کا مفہوم موجود ہوتا ہے جیسے منصوبہ بندی کا معنی ہے منصوبہ بنانا، دستار بندی کا معنی ہے دستار باندھنا[6]۔

مذکورہ معانی کو مد نظر رکھتے ہوئے مجموعی ترکیب "دفعہ بندی" کے معانی دفعات کو مناسب ترتیب کے ساتھ لکھنے کے ہوئے یا کسی مضمون میں جو باتیں منتشر طور پر بیان ہوئی ہیں ان کو دفعات کی شکل میں نمبر وار بیان کرنا اس مضمون کا دفعہ بندی کہلائے گا۔

---

1 Codification is the process of collecting and restating the law of a jurisdiction in certain areas, usually by subject, forming a legal code, i.e. a codex (book) of law.(ماخوذ ۲۵ جولائی ۲۰۱۹ء، www.wikipedia.org/wiki/codification)

2 مصباح اللغات (مکمل عربی اردو ڈکشنری) مولانا ابوالفضل عبد الحفیظ، عبد اللہ اکیڈمی ص ۲۴۸ مادہ دفعہ سن طباعت ۲۰۱۲

3 فعلة کا وزن کسی فعل ایک مرتبہ کرنے پر دلالت کرتا ہے جیسے غدوة ایک مرتبہ صبح کے وقت نکلنا اور روحة ایک مرتبہ رات کے وقت نکلنا (تفسیر غریب مافی الصحیحین البخاری والمسلم، محمد بن فتوح بن عبداللہ الازدی (المتوفی ۴۸۸ھ)، مسند ابی ہریرۃ، ۱-۳۴۶، مکتبة السنة، قاہرہ طبعہ اولی ۱۴۱۵ھ)

4 فیروز اللغات اردو، الحاج مولوی فیروزالدین کیرانوی، ص ۶۳۱، فیروز سنز لاہور، طبع ۲۰۰۵ء

5 نفس مصدر

6 نفس مصدر، ص ۶۲۷

عربی میں قانون سازی کو تقنین کہا جاتا ہے۔[1] ڈاکٹر یوسف القرضاوی کے مطابق احکام شرعیہ کو جدید دیوانی، فوجداری اور انتظامی قوانین کی طرز پر نمبروار انداز سے مرتب صورت میں ڈھالنا تقنین (Codification) ہے۔[2]

وضعی قوانین کی طرح فقہ اسلامی کی دفعہ بندی نہیں کی گئی۔ اگرچہ فقہا کے نزدیک فقہ اسلامی کی تقنین کا مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے[3] لیکن عصر حاضر میں یہ خیال فروغ پا رہا ہے کہ اسلامی شریعت کے نفاذ کے لیے اس کی تقنین یا دفعہ بندی (Codification) ضروری ہے اور جب تک شریعت اسلام کے احکام کو وضعی قوانین کی طرح ضابطہ بند نہیں کیا جاتا اس وقت تک شریعت کا نفاذ اور احکام شریعت کے مطابق عدالتی نظام کے تحت فیصلوں کا عمل بطریق احسن تکمیل پذیر نہیں ہو سکے گا۔

واضح رہے کہ اسلامی قوانین کی دفعہ بندی کی ابتداء سلطنت عثمانیہ کے دور میں ہوئی۔ اس دور میں عدالتی حلقوں نے جب دفعہ بندی کی ضرورت کو محسوس کیا تو ان کے مطالبے اور خواہش پر مجلس شوریٰ نے فقہا، ماہرین قانون اور ارکان شوریٰ پر مشتمل ایک کمیشن تشکیل دیا جس نے انتھک محنت کے بعد تاریخ اسلامی کا پہلا مدون مجموعہ "مجلة الاحکام العدلية" کے نام سے پیش کیا[4] لیکن یہ مجموعہ صرف قوانین بیع وشراء تک محدود تھا اور فقہ اسلامی کے دیگر قوانین سے بحث نہیں کی گئی تھی۔

دوسری طرف اسلامی فقہ پر نظر ڈالی جائے تو اس میں ہر قسم کے قوانین کو موضوع بحث بنایا گیا ہے جو مختلف کتابوں کی شکل میں موجود ہیں۔ ان کتب و مجموعات میں بعض کتب کو ان کے جدت وندرت کی وجہ سے انتہائی شہرت حاصل ہوئی جن میں سے ایک اورنگزیب عالمگیر کے زیر نگرانی مرتب کی جانے والی "فتاویٰ عالمگیری" بھی ہے جو علمی دنیا میں "فتاویٰ ہندیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کے لئے ملک بھر سے علماء وفقہاء پر مشتمل ایک کمیشن تشکیل دیا گیا جنھوں نے دو سال کی محنت شاقہ کے بعد ایک ایسا مجموعہ تیار کیا جو آج تک قاضی صاحبان، مفتیان کرام اور عدالتوں کے لیے رہنما کتاب کا کام انجام دیتی ہے[5] لیکن اٹھارہویں صدی میں مرتب ہونے کی وجہ سے اس کا طرز قدیم ہے اور اس کی باقاعدہ دفعہ بندی نہیں ہوئی تھی جس کی وجہ سے عدالتی اعتبار سے اس سے استفادہ کرنا مشکل ہے لہٰذا قرین مصلحت سمجھا گیا کہ فتاویٰ عالمگیری جیسے مستند دستاویز کی ابواب بندی اور ضابطہ بندی کر کے اس کو موجودہ دور میں عدالتی استعمال کے قابل بنایا جائے اور اس کا پاکستان کے وضعی قوانین کے ساتھ تقابل بھی کیا جائے تو یہ بھی علمی ذخیرہ میں ایک مفید اضافہ ہوگا۔ اس پس منظر میں صوبہ خیبر پختونخوا کی دو جامعات کوہاٹ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی اور عبدالولی خان یونیورسٹی مردان مین فتاوی عالمگیری کے مجموعے کی دفعہ بندی کی کاوش جاری ہے۔ زیر نظر مقالہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

---

1 المعجم الوسيط، ابراهيم أمين واخرون، ٢: ٧٦٣، دار الدعوة، مصر، ١٩٨٠ء

2 مدخل لدراسة الشريعة الاسلامية، الدكتور محمد يوسف القرضاوى، ٢٥٩، ، مؤسسة الرسالة، بيروت، ١٩٩٣ء

3 الاسلام وتقنين الاحكام، ڈاکٹر عبد الرحمٰن عبد العزیز القاسم، ص٨٧، مطبعہ مدنی، مصر، طبعہ اولی، ۱۹۹۶ء

4 حكم تقنين الشريعة الاسلامية، عبد الرحمٰن بن سعد الشثرى، ٢٠، دار الصميعى للنشر والتوزيع، الرياض، ٢٠٠٧ء

5 قاموس الفقہ، خالد سیف اللہ رحمانی، ۱: ۳۸۳، زمزم پبلشر، کراچی، ۲۰۰۷ء

زیرِ نظر موضوع ریاست کے بنیادی ستونوں میں سے ایک یعنی عدالتی نظام سے متعلق اسلامی احکامات کے موثر نفاذ سے ہے۔ عدالتی نظام مقاصد شریعت (حفظ جان، حفظ نسب، حفظ دین، حفظ مال اور حفظ عقل)[1] کے حصول کا ضامن ہے اور اس زاویہ سے دیکھا جائے تو یہ موضوع ریاست کے ہر فرد سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق رکھتا ہے۔

موضوع زیر تحقیق شریعت سے متعلق مقدمات میں قاضی صاحبان (Judges) کو بھرپور رہنمائی فراہم کرے گا۔ اسی طرح یہ موضوع وضعی اور شرعی قوانین میں مطابقت کو منظر عام پر لانے کا باعث بنے گا جس سے اہل علم کو اسلامی سرمائے سے براہ راست استفادہ کرنے کا موقع میسر آئے گا، جب کہ جدید وضعی قوانین کو قدیم علوم پڑھنے والوں کی دسترس میں لائے گا۔

## اہداف تحقیق (Objectives)

زیرِ نظر تحقیق کے اہداف درج ذیل ہیں:

- اسلامی فقہی سرمائے کو معاصر انداز میں موئثر طور میں پیش کرنا تا کہ پاکستانی عدالتوں میں موجود جدید تعلیم یافتہ جج صاحبان اور وکلا حضرات کے لیے اسلامی فقہی سرمائے سے فائدہ حاصل کرنا آسان ہو جائے۔
- میراث اور وصیت سے متعلقہ قوانین میں عدالتوں کی بہتر رہنمائی کے لیے فتاویٰ عالمگیری کے تناظر میں مواد فراہم کرنا کیونکہ تقسیم ہندوستان سے پہلے ہندوستان میں عدالتوں میں مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کے لیے مغل دورِ حکومت میں فتاویٰ عالمگیری ہی سے استفادہ کیا جاتا تھا۔
- پاکستان میں میراث اور وصیت کے متعلق رائج وضعی قوانین کا فتاویٰ عالمگیری میں درج اسلامی قوانین کے ساتھ تقابل پیش کرنا اور دلائل کے ذریعہ راجح فکر کو بیان کرنا تا کہ اندازہ ہو سکے کہ پاکستان میں وصیت اور میراث سے متعلقہ فیصلے اسلامی قوانین کے مطابق ہیں یا نہیں؟
- وضعی قوانین کے اسلامیانے میں آسانی پیدا کرنا کیونکہ آئینِ پاکستان ۱۹۷۳ء کے رو پاکستان میں کوئی بھی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔
- فتاویٰ عالمگیری میں میراث اور وصیت سے متعلقہ قوانین کی تخریج و تحقیق کرنا تا کہ ان کا اصل ماخذ اور منبع معلوم ہو جائے۔

## سابقہ تحقیقات کا جائزہ (Review of Literature)

1 المستصفى، الغزالی، محمد بن محمد، ۱ : ۱۷۴، دار الکتب العلمیة، بیروت، ۱۴۱۳ھ

اسلامی احکام کی دفعہ بندی کے سلسلے میں سلطنت عثمانیہ[1] کے "مجلة الاحكام العدلية"[2] کو اس باب میں اولین کوشش شمار کی جاتی ہے، لیکن یہ مجموعہ صرف بیع وشراء اور عائلی قوانین تک محدود ہے۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ دنیائے اسلام میں ایک مدون قانون کے حوالے سے مشہور ہے بلکہ اب اس کو ایک درسی کتاب کی حیثیت مل چکی ہے اور بہت سارے حضرات نے اس کی شروحات بھی لکھی ہیں۔ مسلمان فقہا کے ساتھ ساتھ غیر مسلم ماہرینِ قانون نے بھی اس کتاب کی شروحات لکھی ہیں۔ غیر مسلم ماہرینِ قانون کے شروحات میں سے لبنان کے عیسائی وکیل سلیم بن رستم باز[3] کی شرح مشہور ہے۔ جب کہ مسلم فقہا کے شروحات میں سے شام کے مفتی اور فقیہ علامہ خالد اتاسی[4] کی شرح "شرح المجلۃ الاحکام العدلیۃ" مشہور ہے۔[5]

مجلۃ الاحکام العدلیۃ ترکی میں سلطنتِ عثمانیہ کے قیام تک نافذ العمل رہا۔ سلطنتِ عثمانی کے زوال کے بعد مصطفی کمال اتاترک[6] نے مجلۃ الاحکام العدلیۃ کے قوانین کو منسوخ کر دیا اور فرانس کے سول کوڈ کو ترکی زبان میں ترجمہ کرکے نافذ کر دیا لیکن دو ممالک فلسطین اور اردن میں ۱۹۳۷ء تک مجلۃ الاحکام العدلیۃ نافذ العمل رہا کیونکہ یہ علاقے پہلی جنگِ عظیم کے دوران ترکوں کے ہاتھوں سے نکل گئے تھے تاہم تجارتی یا دیوانی اور بین الاقوامی معاملات کے روز بروز ترقی کی وجہ سے مجلۃ کے احکام ناکافی ثابت ہونے

---

1 سلطنت عثمانیہ یا خلافت عثمانیہ سن1299 ء سے1922 ء تک قائم رہنے والی ایک مسلم سلطنت تھی جس کے حکمران ترک تھے۔ اپنے عروج کے زمانے میں (16 ویں – 17 ویں صدی) یہ سلطنت تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی اور جنوب مشرقی یورپ، مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کا بیشتر حصہ اس کے زیر نگیں تھا۔ اس عظیم سلطنت کی سرحدیں مغرب میں ابنائے جبر الٹر، مشرق میں بحیرۂ قزوین اور خلیج فارس اور شمال میں اسٹریا کیسر حدوں، سلوواکیہ اور کریمیاموجودہ یوکرینے جنوب میں سوڈان، صومالیہ اور یمن تک پھیلی ہوئی تھی۔ (سلطنت-عثمانیہwww.wikipedia.org/wiki، ماخوذ،19.07.2019)

2 مجلة الاحكام العدليه : یہ سترہ ابواب پر مشتمل تجارتی قوانین کا ایک مجموعہ ہے جن کی بنیاد فقہ حنفی ہے۔ اس کے اغاز میں ۹۹ قواعد فقہیہ شامل کئے گئے ہیں۔ سلطنت عثمانیہ میں ماہرین قانون، علماء اور فقہاء کی ایک کمیشن کے زیر نگرانی اس کی ترتیب اور تدوین ہوئی اور ۱۸۵۶ء میں ان قوانین کو نافذ بھی کیا گیا ۔ یہ فقہ اسلامی کی تاریخ کا پہلا مدون (Codified) قانون ہے۔ (www.legal-dictionary . the free dictionary. com/majaltulahkamashria, by renowned authorities Gerald and Kathleen Hill, ماخوذ8.07.2019)

3 پورانام سلیم بن رستم بن الیاس بن طنوس باز(1275 – 1338 ھ = 1859 – 1920ء) ہے۔ بیروت میں پیدا ہوئے لبنان کے مدارس میں تعلیم حاصل کی اور وکالت کے پیشے سے منسلک رہے۔ ۳۹ کتابیں تصنیف کیں جن میں مشہور شرح المجلۃ الاحکام العدلیۃ ہے۔(الأعلام، خير الدين بن محمود بن محمد بن علي بن فارس، الزركلي الدمشقي (المتوفى: 1396هـ)، ۳: ۱۱۸، دار العلم للملايين، بیروت، پندرھویں طباعت:2002)

4 خالد بن محمد بن عبد الستار الاتاسی حمس میں پیدا ہوئے۔ وہاں افتا کے منصب پر فائز رہے۔ فقہ اور ادب کی خدمت میں زندگی بسر کی۔ مجلۃ الاحکام العدلیۃ کی شرح کی تکمیل سے پہلے وفات پائی۔ بعد میں اس کے بیٹے محمد طاہر نے اس کی تکمیل کی۔(الأعلام، ۲: ۲۹۸)

5 تاریخ الفقہ الاسلامی، ڈاکٹر عمر سلیمان الاشقر، ص ۱۹۴، مکتبۃ الفلاح، کویت، س۔ن

6 مصطفی کمال پاشا: (19 مئی 1881ء-10نومبر 1938ء)جنگ عظیم اول میں عثمانی دور کا فوجی سالار تھے آپ جدید ترکی کا بانی اور پہلے صدر تھے۔(مصطفی-کمال-اتاترکwww.wikipedia.org/wiki، ماخوذ،26.07.2019)

لگے۔ مجلۃ کے از سر نو ترمیم اور نئے احکام کے اضافے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے اردن کے ارکانِ پارلیمنٹ، ارکانِ عدلیہ اور فقہائے کرام پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی۔ مصر کے دونامور فقہا شیخ مصطفیٰ زرقا[1] اور شیخ محمد ابوزہرہ[2] نے بھی اس کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ کافی محنت کے بعد القانون المدنی کے نام سے ایک قانون تیار کیا گیا اور اس کو اردن میں نافذ کیا گیا۔ اردن وہ واحد اسلامی ملک ہے جہاں اسلامی شریعت کے مطابق ایک مدون قانون نافذ العمل ہے۔[3]

سعودی عرب کے اکثر علما چونکہ تقنین کے مخالف ہیں اس لیے مملکتِ سعودیہ کے قیام سے لے کر آج تک وہاں پر قوانین دفعہ بند کرنے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی گئی تاہم انفرادی طور پر شیخ قاضی احمد بن عبداللہ مکی[4] نے مجلۃ الاحکام الشرعیۃ علی مذہب الامام احمد کے نام ایک مجلۃ تیار کیا ہے جو کہ بالکل مجلۃ الاحکام العدلیۃ کے طرز پر ہے۔ اس میں جدید قوانین کے طرز پر دوہزار آٹھ سو بتیس (۲۸۳۲) جزئیات اور مسائل موجود ہیں۔[5]

بعد میں سعودی حکومت نے بین الاقوامی تجارتی معاملات کے لیے قوانین بنانے کی ضرورت محسوس کی۔ اس مقصد کے لیے "نظام" کے نام سے قواعد اور ضوابط کو مدون کیا گیا۔ نظام کی ترتیب وتدوین میں علمائے کرام وفقہا کا کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں اس کے مناسب اور غیر مناسب ہونے کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اب سعودی عرب میں دو عدالتی نظام چل رہے ہیں۔ ایک نظام علمائے کرام کے ہاتھ میں ہے جو فقہ حنبلی کے مطابق عدالتوں میں معاملات کا فیصلہ کرتی ہیں اور دوسرا مذکورہ بالا نظام جو کہ فقہ اسلامی سے آزاد ہے۔[6]

---

1 احمد مصطفی الزرقا: ۱۹۰۴ء کو سوریا کے شہر حلب میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے کے نامور علماء میں سے ایک تھے۔ اصلاح معاشرہ کے لئے بہت کام کیا۔ شرح القانون المدنی السوری کے نام سے قانون کے بارے میں کتاب لکھی جب کہ اس کے علاوہ بھی کئی کتابیں لکھی ہیں۔ فتاوٰی مصطفی الزرقا کے نام سے ایک فتاوی بھی موجود ہے۔ ۳جون ۱۹۹۹ء کو وفات پا چکے۔ (مصطفی-الزرقا/www.wikipedia.org/wiki ،ماخوذ 19.07.2013)

2 ابوزہرہ: (۱۸۹۸ء-۱۹۷۴ء) پورا نام محمد بن احمد ابوزہرہ ہے اپنے زمانے کے شریعت اسلامی کے بڑے علماء میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ ۱۹۱۵ء سے ۱۹۲۵ء تک مدرسہ القضاء الشرعی میں پڑھا اور پھر تین سال تک وہاں درس وتدریس میں مشغول رہے۔ مختلف فنون میں ۴۰ سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ قاہرہ میں وفات پا چکے۔ (الاعلام، ۶:۲۶)

3 علم اصول الفقہ ایک تعارف، ۳:۱۴۶ تا ۱۵۰

4 احمد بن عبداللہ: احمد بن عبداللہ اصلا ہند کے تھے۔ ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ صولتیہ میں تعلیم حاصل کی وہاں استاد بھی رہے۔ جدہ کے قاضی تھے۔ محکمہ قضا کے عہدوں پر بھی رہے۔ ۱۹۴۰ء میں طائف میں وفات پائی۔ (الاعلام، ۱:۱۶۳)

5 تاریخ الفقہ الاسلامی، ص ۱۹۸

6 علمِ اصولِ فقہ ایک تعارف، ۳:۱۵۵

مصر کے ایک فقیہ اور جید عالم محمد قدری پاشا[1] نے احکام مجلۃ الاحکام العدلیۃ کے طرز پر باقاعدہ نمبروار دفعات کی شکل میں، شرعی احکام پر مشتمل درج ذیل کتب لکھیں:

- مرشد الحیران: یہ کتاب معاملات سے متعلق ۹۴۱ دفعات پر مشتمل ہے۔
- قانون العمل والانصاف فی مشکلات الاوقاف: یہ کتاب وقف کے متعلق مسائل کے سلسلے میں ۶۴۶ دفعات پر مشتمل ہے۔
- الأحکام الشرعیۃ فی أحوال الشخصیۃ: اس میں عائلی قوانین سے متعلق کل ۶۴۷ دفعات ہیں۔[2]

پاکستان میں ماضی میں تقنین کے سلسلے میں سرکاری سطح پر دو قسم کی کوششیں ہوئی:

1: اس سلسلے میں پہلا قدم فیلڈ مارشل محمد ایوب خان مرحوم[3] نے اٹھایا۔ اس کے دورِ حکومت میں مسلم فیملی لاز آرڈیننس جاری کیا گیا اور اس کے ذریعے شخصی قوانین میں سے چند جزوی مسائل کی تدوین کی گئی اور اسی موضوع سے متعلق بعض مسائل کو غیر مدون چھوڑ دیا گیا۔ یہ اگرچہ ناقص اور جزوی کوشش تھی تاہم شریعتِ اسلامیہ کی دفعہ بندی کی طرف ایک ابتدائی قدم ہے۔[4]

2: احوالِ شخصیہ کے بعد تقنین کے سلسلے میں دوسری کوشش قوانینِ حدود وجنایات کی تدوین اور ضابطہ بندی ہے جن میں سے قانون حدِ زنا ۲۲ دفعات، قانون سرقہ (چور) ۲۶ دفعات، قانون حدِ قذف ۲۰ دفعات اور قانون امتناعِ شربِ خمر ۳۳ دفعات پر مشتمل ہے۔

اس کے علاوہ ماضیٔ قریب میں وضعی اور شرعی قوانین کے تقابل پر مبنی کئی تحقیقات سامنے آئی ہیں۔ ان تحقیقات میں بعض خصوصاً جنایات اور حدود سے متعلق ہیں جن میں مشہور محقق وفقیہ عبد القادر عودہ[5] کی تصنیف "التشریع الاسلامی الجنائی مقارنا بالقانون الوضعی"، احمد فتحی کی "القصاص فی الفقہ الاسلامی" اور امیر عبد العزیز کی "الفقہ الجنائی فی الاسلام" شامل ہے لیکن یہ تمام تحقیقات عربی زبان میں ہے اور ان میں دوسری ممالک (مصر اور اردن وغیرہ) کے قوانین کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔

---

1 محمد قدری پاشا: ۱۸۲۱ء تا ۱۸۸۸ء) کا تعلق مصر کے محکمہ قضا کے ساتھ تھا۔ عربی زبان میں بھی ان کو مہارت حاصل تھی۔ مصر میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ وزیر بھی رہے۔ قاہرہ میں وفات پائی۔ متن میں مذکور کتابوں کے علاوہ کئی کتابیں ان کی تالیفات میں شامل ہیں۔ (الاعلام، ۷: ۱۰)

2 تاریخ الفقہ الاسلامی، ص ۱۹۸

3 فیلڈ مارشل ایوب خان: ۱۴ مئی ۱۹۰۷ء کو پیدا ہوئے اور ۱۹ اپریل ۱۹۷۴ء کو وفات پاگئے۔ دوسرا صدر پاکستان اور پہلا فیلڈ مارشل تھے۔ سکندر مرزا نے اسے ۱۹۵۸ء میں چیف میٹیریل لاء ایڈمنسٹیٹر مقرر کیا۔ ۱۹۲۸ء میں برٹش انڈیا فوج میں بھرتی ہوئے تھے۔ (www.wiki.com/ayubkhan، ماخوذ 19-07-2019)

4 تاریخ الفقہ الاسلامی، ص ۱۶۷

5 عبد القادر عودۃ مصر میں قانون وشریعت کے ماہر عالم اور وکیل تھے۔ آپ کے کئی تصانیف ہیں جن میں سے مشہور الإسلام وأوضاعنا القانونية، الاسهام وأوضاعنا السياسية، التشريع الجنائي الإسلامي مقارنا بالقانون الوضعي، المال والحكم في الإسلام اور الإسلام بين جهل أبنائه وعجز علمائه تاریخ پیدائش معلوم نہیں تاہم ۱۳۷۴ھ بمطابق ۱۹۵۴ء کو وفات پائی۔ (اعلام، ۴: ۴۲)

قدیم فقہی سرمایہ کی تقنین اور وضعی قوانین کے ساتھ ان کے تقابل پر مبنی ملکی سطحی پر کچھ تحقیقات ماضی قریب میں منظر عام پر آئی ہیں جن میں مرکز مطالعات مذہبیہ کوہاٹ یونیورسٹی کے ڈاکٹر محمد شعیب نے سال ۲۰۱۵ء میں فتاویٰ عالمگیری کے عائلی قوانین کی دفعہ بندی اور پاکستان کے عائلی قوانین کے ساتھ اس کے تقابل کو موضوع بحث بنا کر پی ایچ ڈی ڈگری حاصل کی ہے۔

اسی طرح عبد الولی خان یونیورسٹی مردان سے فتاویٰ عالمگیری کے اراضی سے متعلقہ قوانین کی دفعہ بندی اور پاکستانی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ پر سال ۲۰۱۹ء میں ڈاکٹر خالد شاہ صاحب زیر نگرانی ڈاکٹر اظاہر خان صاحب، فتاویٰ عالمگیری کے خرید وفروخت سے متعلقہ قوانین کی دفعہ بندی اور پاکستانی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ پر سال ۲۰۱۸ء میں ڈاکٹر مسعود الرحمٰن صاحب زیر نگرانی ڈاکٹر حافظ صالح الدین حقانی صاحب، فتاویٰ عالمگیری کے فوجداری قوانین کی دفعہ بندی اور پاکستان کے وضعی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ پر سال ۲۰۱۸ء میں ڈاکٹر محمد عادل صاحب زیر نگرانی ڈاکٹر اظاہر خان صاحب، فتاویٰ عالمگیری کے کتاب القضاء و الشہادات کی دفعہ بندی اور پاکستان کے وضعی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ پر سال ۲۰۱۸ء میں ڈاکٹر عرفان علی صاحب زیر نگرانی ڈاکٹر حافظ صالح الدین صاحب، فتاویٰ عالمگیری کے دعویٰ واقرار سے متعلقہ قوانین کی دفعہ بندی اور پاکستان کے ووضعی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ پر سال ۲۰۱۹ء میں ڈاکٹر محمد ظہور علی زیر نگرانی ڈاکٹر کریم داد صاحب پی ایچ ڈی سطح پر تحقیقی مقالات پیش کیے ہیں۔

مزید یہ کہ فتاویٰ عالمگیری کے کتاب الصید اور کتاب الرہن کی دفعہ بندی اور پاکستانی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ پر جناب عبد الرشید صاحب زیر نگرانی ڈاکٹر اظاہر خان صاحب کے تحقیقی کام کر رہا ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قانون میں میراث کے احکام اس طرح دفعہ بند شکل میں موجود نہیں ہیں کہ اس میں فقہی سرمایہ میں موجود تمام قوانین کا احاطہ کیا گیا ہو۔ عدالتوں میں میراث سے متعلق اگر کوئی مسئلہ پیش آتا ہے تو ایف ڈی ملا کے کتاب محمڈن لا کے ذریعے اسے حل کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں اسلامی نظریاتی کونسل میں یہ کوشش جاری ہے کہ میراث سے متعلقہ مسائل کو قوانین کی شکل میں مرتب کیا جائے چنانچہ ان مسائل کو اردو زبان میں ماہر قانون جناب انوار اللہ صاحب نے قانونی شکل دیا ہے۔ میراث کے ان قوانین کا اب انگریزی زبان میں ترجمہ کیا جا رہا ہے تا کہ عدالتوں میں جج صاحبان کے لیے ان قوانین کا اجرا سہل ہو۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے ان قوانین کو نافذ کرنے کے لیے سفارشات کی ہیں۔

## فصلِ ثانی: قضیہ تحقیق کا تفصیلی جائزہ

### قضیہ تحقیق کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

لغوی اعتبار سے قضیہ، قضیٰ یقضی قضاءاسے ہے جس کا معنی ہے فیصلہ کرنا۔[1]

تحقیق کے عمل میں بھی یہ مفہوم شامل ہے کیوں کہ محقق بھی اپنی تحقیق میں کسی مسئلہ اور موضوع کو لے کر دلائل کے ذریعے فیصلہ کرتا ہے اس وجہ سے اسے قضیہ کہا جاتا ہے۔

مناطقہ کے نزدیک قضیہ اس قول اور کلام کو کہتے ہیں جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جاسکے۔[2]

تحقیق کے عمل میں بھی یہ مفہوم شامل ہے کیوں کہ محقق اپنی تحقیق میں دلائل کے ذریعے کسی موضوع کو حق اور سچ ثابت کرتا ہے یا کسی موضوع اور مسئلے کو باطل اور جھوٹا ثابت کرتا ہے۔

قضیہ تحقیق سے مراد وہ مسئلہ اور موضوع ہے جس کے بارے میں محقق تحقیق کرتا ہے۔ گویا کہ تحقیق میں زیرِ بحث موضوع قضیہ تحقیق کہلاتا ہے۔ اس کو عربی میں اشکالیۃ البحث کہتے ہیں جس میں یہ قضیہ نمٹانا ہوتا ہے کہ اس موضوع کو کیوں خاص کیا گیا اور کیا مشکل ہے کہ جس کو حل کرنے کے لیے تحقیق کی جارہی ہے نیز اس میں موضوع کی اہمیت پر بھی نظر ڈالی جاتی ہے۔[3]

تحقیق کا سب سے پہلا قدم مسئلے کا انتخاب ہے۔ تحقیق شروع کرنے سے پہلے مسئلے کا تعین ضروری ہوتا ہے۔ اس کے بغیر تحقیق کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ تحقیق کی افادیت و مقبولیت کا دارو مدار منتخب مسئلہ پر ہوتا ہے۔ مسئلہ اور قضیہ جس قدر اہم ہوگا تحقیق اسی قدر مفید ہوگی۔ مسئلے کے انتخاب میں محقق کو انتہائی سوچ وبچار سے کام لینا ہوتا ہے تاکہ بعد میں تحقیق کے دوران پیدا ہونے والی پیچیدگیوں اور پریشانیوں سے بچا جاسکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے محقق کو چاہیے کہ مسئلہ کا مطالعہ اچھی طرح سے کرے کیونکہ مطالعہ ہی کسی مسئلے کے انتخاب میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ مطالعہ ہی سے کسی مسئلہ کے متعلق پتہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس پر کام کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں۔ محقق کو مسئلہ کے انتخاب اور تعین میں درج ذیل امور کی تصدیق کی ہدایات ملتی ہیں:

1. مجوزہ مسئلہ کے بارے میں وہ کتنا اور کیا جانتا ہے؟
2. زیرِ غور مسئلہ پر اس سے بیشتر کتنا اور کیا کیا کام ہوا ہے؟
3. کیا موجودہ مسئلہ کی نوعیت دوامی ہے یا عارضی؟
4. موضوع ایسا کہ اشاعت کے بعد خاص وعام دونوں قسم کے قارئین کی اس میں دلچسپی ہو۔
5. موضوع پر نہ پہلے کام ہوچکا ہو اور نہ ہو رہا ہو۔
6. موضوع زیادہ عمومی نہ ہو جیسے کسی بڑے مصنف کی پوری اور جملہ تصانیف کو موضوع بنانا مثلاً علامہ اقبالؒ کی پوری زندگی لی جائے تو اس پر سرسری کام ہوگا گہرائی نہ ہوگی۔

---

1 مصباح اللغات، ص ٦٧٦ مادہ ق ض ی

2 القطبی، امام قطب الدین محمد بن محمد الرازی، ص ١٣٨، مکتبہ حقانیہ نوشہرہ، س ن

3 اصول بحث و تحقیق علوم شرعیہ، ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف، ص ٩٣، اشاعتِ چہارم ٢٠١٧ء

7. موضوع ایسا ہو کہ محقق کو خود اس میں دلچسپی ہو اور اس کے متعلق بنیادی معلومات رکھتا ہو۔ بعض اوقات طالب علم موضوع کا انتخاب خود نہیں کرتے بلکہ اپنے راہنما یا کسی فاضل شخص سے کراتے ہیں چونکہ موضوع کے انتخاب میں ان کے ذاتی دلچسپی کو دخل نہیں ہوتا اس لیے وہ کچھ دور چل کر بھٹک جاتے ہیں اور منزلِ مقصود تک پہنچ نہیں پاتے یا گرتے پڑتے پہنچتے ہیں البتہ وہ اپنے موضوع کی اہمیت، افادیت، جدت اور مواد کی فراہمی کے امکانات وغیرہ سے متعلق اپنے راہنما سے مشورہ ضرور کر سکتا ہے اور کرنا چاہیے۔[1]

## زیرِ بحث موضوع کا قضیہ تحقیق:

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں آئین کے تحت عدالتیں کوئی ایسا فیصلہ صادر نہیں کر سکتی جو قرآن و سنت کے منافی ہو چنانچہ دستورِ پاکستان ۱۹۷۳ء کے دفعہ ۲۲۷ میں ہے کہ پاکستان میں کوئی قانون ایسا نہیں ہو گا جو قرآن و سنت کے خلاف ہو۔

قائداعظم محمد علی جناح نے بھی اپنی اقوال میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ پاکستان میں کوئی بھی قانون قرآن و سنت کے منافی نہیں ہو گا اور تمام قوانین کے لیے بنیاد اور ان کا انحصار قرآن و سنت پر ہو گا چنانچہ قائداعظم فرماتے ہیں:

> 'Our bedrock and sheet anchor is Islam'[2]

ترجمہ: اسلام ہمارے لیے بنیاد اور اصل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسی طرح فرماتے ہیں کہ

> Islam is our guide and the complete code of our life.[3]

ترجمہ: اسلام ہمارے لیے راہنما ہے اور زندگی گزارنے کا مکمل قانون ہے۔

مذکورہ اصول کی وجہ سے جب بھی عدالتوں میں نکاح، طلاق، میراث، وصیت اور زمینوں وغیرہ سے متعلق کوئی مقدمہ آتا ہے تو عموماً علماء و مفتیانِ کرام کی طرف رجوع کیا جاتا ہے کیونکہ یہاں موجود فقہ کی کتابیں قدیم طرز پر ہیں اور دفعہ بندی نہ ہونے کی وجہ سے عام تعلیم یافتہ لوگوں، وکلا اور جج صاحبان کے لیے ان سے براہِ راست استفادہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ صرف علمائے کرام ہی ان کتابوں سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر الہدایۃ فقہ حنفی کی مشہور اور مقبولِ عام کتاب ہے لیکن اس میں مسائل اور احکام، اختلافات اور دلائل سمیت بکھرے ہوئے موجود ہیں جیسا کہ الہدایۃ کی عبارت ہے:

> "ولو أوصى بجزء من ماله قيل للورثة: أعطوه ما شئتم" لأنه مجهول يتناول القليل والكثير، غير أن الجهالة لا تمنع صحة الوصية، والورثة قائمون مقام الموصي فإليهم البيان.قال: "ومن قال: سدس مالي لفلان، ثم قال: في ذلك المجلس أو

---

1 اصولِ تحقیق کوڈ ۱۱۷۱، ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش، ص ۱۲۰، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد؛ اصولِ تحقیق، ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی، ص ۱۲۱، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، طبع دوم ۲۰۱۲ء

2 Jinnah, Pakistan and Islamic Identity, Akbar S. Ahmed, Page No. 245 , the Taylor & Francis e-Library, 2005

3 As above

في مجلس آخر: له ثلث مالي وأجازت الورثة فله ثلث المال ويدخل السدس فيه، ومن قال: سدس مالي لفلان، ثم قال في ذلك المجلس أو في غيره: سدس مالي لفلان، فله سدس واحد" لأن السدس ذكر معرفا بالإضافة إلى المال، والمعرفة إذا أعيدت يراد بالثاني عين الأول هو المعهود في اللغة.[1]

ترجمہ: اگر کسی نے اپنے مال میں سے ایک جز کی وصیت کی تو ورثا سے کہا جائے گا کہ موصی لہ کو جو تم چاہو دے دو۔ اس لیے کہ جز مجہول ہے جو قلیل و کثیر کو شامل ہے۔ علاوہ اس بات کے کہ جہالت وصیت کی صحت کو مانع نہیں ہے اور ورثا موصی کے قائم مقام ہوں گے تو بیان ورثا کی جانب ہے اور جس نے کہا کہ میرا سدس مال فلاں کے لیے ہے پھر اسی مجلس میں یا دوسری مجلس میں کہا کہ فلاں کے لیے میرا ثلث مال ہے اور ورثا نے اجازت دے دی تو اس کے لیے ثلث مال ہے اور سدس اس ثلث میں داخل ہو جائے گا اور جس نے کہا کہ میرا سدسِ مال فلاں کے لیے ہے پھر اسی مجلس میں یا اس کے غیر میں کہا کہ میرا سدس فلاں کے لیے ہے تو اس کے لیے ایک سدس ہے۔ اس لیے کہ سدس معرفہ ذکر کیا گیا ہے۔ مال کی جانب اضافت کرنے کی وجہ سے اور معرفہ کا جب اعادہ کیا جاتا ہے تو ثانی سے عین اول مراد لیا جاتا ہے۔ لغت میں یہی معہود ہے۔

ان جیسے عبارات سے عام آدمی کے لیے مسئلہ اخذ کرنا ناممکن ہے۔ اس لیے یہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ فقہ اسلامی کی ان کتابوں سے ٹھوس مسائل جدید وضعی قوانین کے طرز پر دفعہ بند کیا جائے تا کہ عام آدمی بھی اس سے استفادہ کر سکے اور پھر وضعی اور ملکی قوانین کے ساتھ ان مسائل کا تقابل بھی کیا جائے تا کہ اسلامی اور غیر اسلامی دفعات کا پتہ چل سکے۔ اور غیر اسلامی دفعات کو اسلامیانے کی فکر کی جا سکے۔ اسی مقصد کے لیے زیرِ بحث موضوع "فتاویٰ عالمگیری میں میراث اور وصیت سے متعلقہ قوانین کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ" کو پی ایچ ڈی سطح کی تحقیق کے لیے منتخب کیا گیا۔

فقہ اسلامی میں سے فتاویٰ عالمگیری کو تحقیق کے لیے اس لیے منتخب کیا گیا کہ یہ کتاب اورنگزیب عالمگیر (متوفی: ۱۷۰۷ء) کے زمانے میں ان کے زیر نگرانی ملک بھر کے علما و فقہا پر مشتمل کمیشن کے ذریعے دو سال کی محنتِ شاقہ کے بعد تدوین کیا گیا اور اس وقت کے قاضی صاحبان، مفتیانِ کرام اور فقہا کا اس پر اعتماد رہا اور عدالتوں میں باقاعدہ اس سے استفادہ کیا جاتا رہا۔ آج کل کے علما و فقہا اور قاضی صاحبان کا بھی اس کتاب پر اعتماد ہے لیکن اٹھارویں صدی میں مرتب ہونے کی وجہ سے اس کا طرز قدیم ہے جس کی وجہ سے عدالتی اعتبار سے اس سے استفادہ کرنا مشکل ہے۔ اس وجہ سے یہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ فتاویٰ عالمگیری جیسے مستند دستاویز کی ابواب بندی اور دفعہ بندی کر کے اس کو موجودہ دور کے عدالتی استعمال کے قابل بنایا جائے۔

فتاویٰ عالمگیری میں تحقیق اور دفعہ بندی کے لیے میراث اور وصیت کے ابواب کو اس لیے چن لیا گیا کہ ہمارے ملک پاکستان میں عموماً اور صوبہ خیبر پختونخوا میں خصوصاً لوگوں کا ان مسائل میں اکثر اختلاف آتا رہتا ہے۔ دار الافتا اور عدالتوں میں اکثر یہی مسائل پیش آتے رہتے ہیں لیکن عدالتوں میں میراث اور وصیت کے اسلامی احکام آسان فہم اور دفعہ بند صورت میں موجود نہیں ہے، اس لیے قرینِ مصلحت سمجھا گیا کہ میراث اور وصیت کے اسلامی احکام، عدالتوں کو دفعہ بندی کی صورت میں مہیا کیے جائیں تا کہ

1 الهداية في شرح بداية المبتدي، علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (المتوفى: 593هـ)، ۴: ۵۱۹، دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان

ایک طرف جج صاحبان کے لیے ان سے استفادہ کرنا آسان ہو جائے اور دوسری طرف موضوع سے متعلق شائقین و اہلِ علم کے سامنے معاصر رواج کے مطابق علمی سرمایہ پیش کیا جائے۔

## فصل سوم: تحقیق کے لیے اختیار کردہ منہج کا تفصیلی جائزہ

### منہج کی لغوی تحقیق:

لفظِ منہج نکلا ہے نہج مصدر سے اور النہج والمنہاج کا معنٰی ہے "واضح راستہ" چنانچہ تاج العروس میں ہے:

النَّهْج – بِفَتْح فَسُكُون الطَّرِيقُ الواضِحُ البَيِّنُ. وَهُوَ النَّهَج محرَّكةً أَيضاً[1]

ترجمہ: نَهْجٌ نون کے فتحہ اور ہاء کے سکون کے ساتھ واضح راستہ کو کہا جاتا ہے اور ہائے متحرکہ کے ساتھ نَهَجٌ بھی اسی معنٰی میں ہے۔

عربی میں کہتے ہیں: انہج الطریق والأمر (راستہ اور معاملہ واضح ہو گیا)۔ نہج الأمر کا معنٰی ہے: معاملہ واضح ہو گیا۔ فلان استنہج طریق فلان کے معنٰی ہیں: فلاں شخص فلاں کے طریقے پر چلا۔[2]

قرآن مجید میں لفظ مِنْہَاج اسی معنٰی میں استعمال ہوا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ''[3]

(تم ان کے درمیان فیصلہ کرو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کتاب کے مطابق اور حق کو چھوڑ کر ان کے خواہشات کی تابعداری نہ کرو۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک راستہ اور طریقہ مقرر کیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تمہیں ایک ہی جماعت بناتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے انعامات میں تمہیں آزمانا چاہتے ہیں۔)

صحیح البخاری میں سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ نے منہاج کا معنٰی راستہ اور طریقہ کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"قال ابن عباس: شرعة ومنهاجا: سبيلا وسنة۔"[4]

(سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ شرعۃ ومنہاجا کا معنٰی دستور اور طریقہ ہے۔)

### اصطلاحی تعریف:

دورانِ تحقیق کسی علمی بحث کے لیے اختیار کیا گیا طریقہ منہج کہلاتا ہے۔ اس طریقہ پر چل کر محقق اپنے ہدف تک پہنچتا ہے۔ کسی علمی مسئلہ پر بحث تحقیق کے لیے کئی طرق موجود ہیں جنہیں مناہج البحث کہا جاتا ہے[5] اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر

---

1 تاج العروس من جواهر القاموس، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني، أبو الفيض، الملقّب بمرتضى، الزَّبيدي (المتوفى: 1205هـ)، ۶: ۲۵۱، دار الهداية، س ن

2 المفردات في غريب القرآن، أبو القاسم الحسين بن محمد المعروف بالراغب الأصفهانى (المتوفى: 502هـ)، ص ۸۲۵، دار القلم، الدار الشامية، دمشق بيروت، الطبعة الأولى: 1412 هـ

3 المائدة، ۵: ۴۸

4 صحیح البخاری، محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب الایمان، باب قول النبی بنی الاسلام علی خمس، ۱:۱۰، دار طوق النجاۃ، بیروت، ۱۴۲۲ھ

5 اصول بحث و تحقیق علوم شرعیہ، باب دوم، ص ۷۷

انسان کو منفرد خصوصیات سے نوازا ہے۔ ہر ایک کا عقل و فکر اور اپنے مافی الضمیر کا اظہار دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کسی علمی مسئلے کی وضاحت میں ایک انسان کا انداز اور طریقہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔

اس فصل کی مناسبت سے ذیل میں اسلامی علوم و موضوعات پر تحقیق کرنے کے چند روایتی اور جدید مناہج کو ذکر کیا جاتا ہے:[1]

**ا: منہج استقرائی (Inductive Method):**

اس طریقۂ تحقیق میں کسی مخصوص علم یا موضوع کے تمام تر امکانی جزئیات کا احاطہ کیا جاتا ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ مذکورہ موضوع کا کوئی جز باقی نہ رہے اور ان جزئیات کے ذریعے نتائج اور مطلوب تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس منہج میں ترتیب جز سے کل کی طرف ہوتی ہے یعنی جزئیات پر بحث کر کے کل کا علم حاصل کیا جاتا ہے۔[2]

منہجِ استقرائی کی پھر دو قسمیں ہیں:

**الف) استقرائے کامل:**

اگر موضوع کے تمام اجزا کا احاطہ کیا گیا ہو تو یہ استقرائے کامل کہلاتا ہے۔ استقرا کامل ہو تو نتائج بھی کامل حاصل ہوتے ہیں۔

**ب) استقرائے ناقص:**

اگر موضوع کے بعض جزئیات کو لیا گیا اور بعض کو چھوڑا گیا ہو تو یہ استقرائے ناقص کہلاتا ہے۔ استقرا ناقص ہو تو نتائج بھی ناقص حاصل ہوتے ہیں۔

یہ طریقۂ تحقیق تقریباً ہر علم میں اختیار کیا جاتا ہے۔[3]

مثلاً اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں انسانوں کو غور و فکر کرنے کی دعوت دیتے ہیں کہ کائنات کی تخلیق اور انسانی وجود پر گہری نظر ڈالو تو تمہیں اللہ تعالیٰ کے وجود پر بے شمار نشانیاں اور دلائل مل جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ"[4]

(ہم عنقریب ان کو اطرافِ عالم میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ قرآن حق ہے۔)

---

1 اصولِ بحث و تحقیق علوم شرعیہ، باب دوم، ص ۷۸

2 موسوعة كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، محمد بن علي ابن القاضي محمد حامد بن محمّد صابر الفاروقي الحنفي التهانوي (المتوفى: بعد 1158هـ)، ۱:۲۷ا، مكتبة لبنان ناشرون، بيروت، الطبعة الأولى: 1996ء

3 كتاب التعريفات، علي بن محمد بن علي الزين الشريف الجرجاني (المتوفى: 816هـ)، ص ۱۸، دار الكتب العلمية بيروت، لبنان، الطبعة الأولى: 1403هـ؛ موسوعة كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، ۱:۲۷ا

4 حم السجدة، ۴۱: ۵۳

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے: "فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ"[1]

(انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے۔)

ایک اور جگہ ارشاد ہے: "فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ"[2]

(انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا ہوا۔)

وجود باری تعالیٰ کا اثبات ایک مطلوب ہے اور کائنات کے اندر موجود نشانیاں جزئیات ہیں جن کے استقرا اور استحضار سے مطلوب حاصل ہو سکتا ہے۔

### ۲: منہجِ استنباطی (Deductive Method):

اس طریقۂ تحقیق میں معلوم اصول و قواعدِ کلیہ کو بنیاد بنا کر ان کی ممکنہ مثالوں اور جزئیات کی تلاش کی جاتی ہے۔ یہ طریقہ استقرائی طریقہ کے بالکل برعکس ہے۔ اس میں ترتیب کل سے جز کی طرف ہوتی ہے۔ اس طریقہ میں ایک آیت اور حدیث سے بہت سارے مسائل اور جزئیات مستنبط کیے جاتے ہیں۔

منہجِ استنباطی فقہ اور اصول فقہ کے موضوعات کے لیے اختیار کیا جا سکتا ہے۔

مثال:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ"[3]

(اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ لیا کرو۔)

اس آیتِ کریمہ سے کئی احکام اور مسائل مستنبط کیے گئے ہیں مثلاً[4]

۱: لغت سے یہ بات معلوم ہے کہ الامر سے تمام امور مراد نہیں ہیں کہ تمام امور میں مشورہ کیا جائے بلکہ الامر میں الف لام عہدی ہے جس سے چند معہود اور متعین امور مراد ہیں اور یہ وہ امور ہیں جن میں نص وارد نہ ہو چنانچہ رسول اللہ ﷺ بھی صحابہ کرام سے ان کاموں میں مشورہ لیتے تھے جن میں نص نہیں ہوتا تھا۔ اس بنا پر مجلس شوری کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوتا کہ وہ اسلام کے اساسی اور اصول احکام جو نص سے ثابت ہو میں ردوبدل کر سکے۔

۲: اس آیت سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جس مسئلہ میں نص وارد ہو اس کے مقابلہ میں اجتہاد نہیں چلتا۔

۳: آیت کے اشارۃ النص سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ مجلسِ شوریٰ کا قیام ضروری ہے کیونکہ مشورہ تب ہوگا جب مجلسِ شوریٰ موجود ہو۔

---

1 عبس، ۸۰: ۲۴

2 الطارق، ۸۶:۵

3 آل‌عمران، ۳:۱۵۹

4 أصول السرخسي، المؤلف: محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (المتوفى: 483هـ)، ۲:۱۳۱، دار المعرفة، بيروت ؛ الإحكام في أصول الأحكام، أبو الحسن سيد الدين علي بن أبي علي بن محمد بن سالم الثعلبي الآمدي (المتوفى: 631هـ)، ، ۴:۱۷۲، المكتب الإسلامي، بيروت، دمشق، لبنان

### ۳: منہج توثیقی یا تاریخی (Historical Method):

اس منہج میں کسی انسانی خبر یا مقولہ کی صحت اور عدمِ صحت کی تحقیق کی جاتی ہے۔ یہ مقولہ صاحبِ شریعت یعنی پیغمبر ﷺ کا بھی ہو سکتا ہے اور کسی دوسرے انسان کا بھی ہو سکتا ہے۔ گویا کہ یہ منہج اقوال کو پرکھنے کا ایک آلہ ہے اور اس کے ذریعے اقوال کی تصدیق یا تردید کی جاتی ہے۔

اسلامی علوم میں احادیث اور اقوالِ صحابہ و تابعین کی تخریج اسی منہج توثیقی کے ذریعے کی جاتی ہے۔

### ۴: منہج استدلالی (Reasonable Method):

اس قسم کے منہج میں کسی دعوے پر دلائل طلب کیے جاتے ہیں۔ کسی موضوع پر کھلم کھلا بحث مباحثے کا موقع ملتا ہے ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو سن کر اختلافات کو مثبت انداز میں نمٹایا جاتا ہے۔

**مثال:**

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو کہا ہے کہ اگر تمہیں قرآن کے بارے میں شک ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے بنایا ہے تو تم بھی تو اس رسول کی طرح بشر ہو۔ وہ امی ہے اور تم میں بڑے فصحا اور بلغا موجود ہیں لہٰذا تم بھی اس کلام کی طرح کلام بنا کر لے آؤ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ"[1]

(اور اگر تم شک میں ہو اس کلام کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو تم بھی اس کی طرح ایک سورۃ بنا کر لے آؤ۔)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ"[2]

(اگر وہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر نے اس قرآن کو بنایا ہے تو آپ کہہ دیجئے کہ تم بھی دس سورتیں اپنی طرف سے بنے ہوئے لے آؤ۔)

قرونِ اولیٰ میں امام ابو حنیفہؒ[3] اور اس کے شاگردوں نے اس منہج کو فروغ دیا۔ امام صاحب کے ہاں مجلس میں مسائل پر ہر شریک کو کھل کر اپنا موقف اور دلیل بیان کرنے کی اجازت ہوتی تھی۔ بحث کے آخر میں اگر کسی رائے پر اتفاق ہو جاتا تو اسے لکھ لیا جاتا اور اتفاق نہ ہونے کی صورت میں اختلافی اقوال بھی تحریر کیے جاتے۔ اسی طرح دیگر فقہائے کرام اور اصولیین کا بھی یہی طرز رہا۔ اسلامی علوم میں علمِ فقہ میں اسی منہج کو استعمال کیا جاتا ہے۔

### ۵: منہج وصفی (Descriptive Method)

---

1 البقرۃ ۲:۲۳

2 ہود ۱۱:۱۸

3 امام ابو حنیفہؒ کا نام نعمان بن ثابت تھا۔ کوفہ میں ۸۰ھ بمطابق ۶۹۹ء پیدا ہوئے۔ وہی پرورش ہوئی۔ صغار صحابہ کے زمانہ میں پیدا ہوئے سیدنا انس بن مالکؓ جب کوفہ تشریف لائے تو ان کی ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی سے بھی آپ کی روایت ثابت نہیں ہے۔ ۱۵۰ھ بمطابق ۷۶۷ء کو وفات پائی۔ (سير أعلام النبلاء، شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي (المتوفى: 748هـ)، ۳۹۰:۴، دار الحديث، القاهرة، الطبعة: 1427هـ؛ الاعلام ۳۶:۸)

اس منہج میں کسی علمی شخصیت کے ظاہر اوصاف کو منظم انداز میں پیش کیا جاتا ہے اور حقائق کا تجزیہ کرنے کے لیے سوال نامہ، انٹرویو یا مشاہدہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس منہج کو جائزاتی منہج (Survey Mothed) بھی کہتے ہیں۔

مثلاً کسی خاص علاقے کے علما جو کسی مخصوص فن میں مہارت رکھتے ہوں کے بارے میں معلومات جمع کر کے ان کے منہج اور تفردات پر تبصرہ کرنا منہجِ وصفی کے ذریعے ہوتا ہے۔ مواد جمع کرنے کے لیے سوال نامہ مرتب کیا جاتا ہے یا بالمشافہ ملاقات کی جاتی ہے۔

منہجِ وصفی کے دو اقسام ہیں:

**الف: معیاری (Qualitative):**

بعض حقائق ایسی ہوتی ہیں جس کا پس منظر نظریاتی ہوتا ہے۔ اس کے لیے معیاری اسلوب اختیار کیا جاتا ہے۔

**ب: مقداری (Quantitive):**

بعض حقائق ایسی ہوتی ہیں جنہیں با قاعدہ اعداد و شمار اور حساب کے اصول سے گزارنا لازمی ہوتا ہے اور اس کے لیے مقداری اسلوب اختیار کیا جاتا ہے۔

منہجِ وصفی میں ضروری ہے کہ مواد کو جمع کرنے میں صداقت وامانت سے کام لیا جائے۔ تعصب یا عقیدت میں حد درجہ مبالغہ مواد کی درستگی میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔

پاکستان میں مختلف علوم وفنون کے ماں علما گزرے ہیں ان کے علمی خدمات کو منظرِ عام پر لانے کے لیے منہجِ وصفی کے ذریعے تحقیق کی جا سکتی ہے۔ مواد جمع کرنے کے لیے ان کی اولاد شاگردوں اور ان کے کتب کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

**٦: منہجِ منصوبی (Project Method):**

اس طریقہ میں ایک بڑا تحقیقی کام کئی طلبہ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ طلبہ مل کر اپنے اپنے حصے کا کام پورا کر کے اس تحقیقی کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ ہائیر ایجوکیشن آف پاکستان کی اجازت سے ان کے زیرِ نگرانی مختلف تحقیقی منصوبے مکمل کیے جاتے ہیں جیسا کہ زمانۂ قریب میں امام ابو منصور ماتریدیؒ[1] کے تفسیر پر تحقیقی کام اسی منہج کے تحت ہوا ہے۔ اسی طرح تفسیر کبیر پر بھی تحقیقی کام مکمل ہو چکا ہے۔

**٧: منہجِ وحدتی (Unit Method):**

---

1 امام ابو منصور اہل السنۃ والجماعۃ کے ماتریدی مکتب فکر کے پیشوا ہیں۔ علوم عقلیہ واصول الدین میں مہارت کے ساتھ ساتھ ایک متبحر فقیہ تھے اور اپنے دور میں اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کی درست تشریحات کے لئے مشہور تھے۔ ۲۳۸ھ کو سمرقند کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے اور ۳۳۳ہجری = ۹۴۴ء کو وفات پائی۔ تفسیر، علم الکلام اور فقہ میں کتابیں لکھی ہیں اُن کی مشہور کتابوں میں: کتاب التوحید، أوهام المعتزلة، رد الامامة، مآخذ الشرائع فی أصول الفقه، تأویلات القرآن، رد أصول الخمسة لأبی محمد الباهلی شامل ہیں۔ (الأعلام، ۷: ۱۹، تاریخ اربل، ابن المستوفی، المبارک بن احمد الأربلی، ۲: ۶۱۲، وزارۃ الثقافۃ و الاعلام، ؛ تاج التراجم، ابن قطلوبغا، زین الدین قاسم بن قطلوبغا السودونی، ۱: ۲۵۰، دار القلم، بیروت، ۱۴۱۳ھ = ۱۹۹۴ء)

دینِ اسلام کا تعلق زندگی کے ہر شعبے کے ساتھ ہے۔ اس کا تعلق قانون، سیاست، عمرانیات، اقتصادیات، اخلاقیات، سائنس اور جسمانی صحت جیسے سب علوم وفنون سے ہے چنانچہ ان علوم کو اسلامیات کے ساتھ مربوط بنا کر ان پر تحقیقی کام کرنا منہجِ وحدتی کہلاتا ہے۔ جیسے مختلف سائنسی حقائق کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر، کھیل کود، دین اسلام کی روشنی میں، جمہوری نظامِ حکومت اسلامی تعلیمات کے تناظر میں وغیرہ۔

**مقالہ ہذا کا منہج تحقیق:**

بنیادی طور پر یہ تحقیق خالصتاً علمی اور فقہی ہے جو لائبریری کی وساطت سے انجام دی جائے گی چونکہ اس مقالے میں بھی پہلے قاعدہ کلیہ اور دفعہ کو ذکر کیا جائے گا اور پھر اس کے ذیل میں اس کے جزئیات اور مثالیں ذکر کی جائے گی۔ اس لیے اس مقالہ میں منہجِ استنباطی (Deductive Mothed) کو استعمال کیا جائے گا اور صوبائی سطح پر بڑے بڑے کتب خانوں سے استفادہ کرنے کے علاوہ دستیاب سافٹ وئیر کی مدد سے اور انٹرنیٹ کے ذریعے بھی متعلقہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی، نیز منہج توثیقی کے تحت تمام احادیث واقوال کی تخریج کی جائے گی اور منہجِ وصفی کے تحت علمی شخصیات کا تعارف پیش کیا جائے گا۔ منہجِ وحدتی کے تحت پاکستانی قوانین کے ساتھ شرعی قوانین کا تقابل پیش کیا جائے گا۔

علاوہ ازیں یہ تحقیقی مقالہ پانچ ابواب اور ذیلی فصول پر مشتمل ہوگا۔ ہر باب کے آخر میں خلاصہ پیش کیا جائے گا۔ خاتمۃ البحث کے عنوان سے پیشِ نظر تحقیقی کاوش سے اخذ شدہ نتائج اور ان کی روشنی میں سامنے آنے والی تجاویز کا تذکرہ کیا جائے گا۔ فنی فہارس کے عنوان کے تحت فہرستِ آیاتِ قرآنیہ، فہرستِ احادیث، فہرستِ اعلام، فہرستِ بلدان اور فہرست مصادر ومراجع (عربی، اردو اور انگریزی) کو ان کے متعلقہ حروفِ تہجی (الف بائی) ترتیب سے درج کیا جائے گا۔ حواشی اور حوالہ جات ہر صفحہ کے آخر میں دیئے جائیں گے۔

**خلاصہ باب**

بابِ اول تین فصول پر مشتمل ہے۔ فصلِ اوّل مقالہ کے موضوع، دفعہ بندی کے تعارف اور موجودہ زمانے میں اس موضوع کی اہمیت پر مشتمل ہے۔ موضوع کے اہداف اور سابقہ تحقیقات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

فصلِ دوم میں قضیۂ تحقیق کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ قضیہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کر کے زیرِ بحث موضوع کے قضیۂ تحقیق کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

فصلِ سوم میں منہج کی لغوی اور اصطلاحی تعریف، منہج کے اقسام اور مقالۂ ہٰذا کے مناہج کا علمی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

## باب دوم: فتاویٰ عالمگیری کے کتاب الوصایا الباب الاول تا الباب الخامس کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ

- فصل اول: کتاب الوصایا الباب الاول اور الباب الثانی کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ
- فصل دوم: کتاب الوصایا الباب الثالث اور الباب الرابع کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ
- فصل سوم: کتاب الوصایا الباب الخامس کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ

خلاصۂ باب

## فصل اول: کتاب الوصایا الباب الاول اور الباب الثانی کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ

### کتاب الوصایا: باب ۱: وصیّت کی شرعی تفسیر، شرط اور حکم

### وصیّت کی تعریف:

**دفعہ 1: مرنے کے بعد کسی کو بطورِ احسان اپنی کسی چیز کا مالک بنانا وصیّت کہلاتا ہے۔[1]**

**وضاحت:**

وصیّت کا لغوی معنی ہے کسی غیر سے فعل طلب کرنا کہ وہ اس کی غیر موجودگی میں وہ کام کرے چاہے اس کی زندگی میں ہو یا اس کے وفات کے بعد ہو۔ فتح القدیر میں ہے:

" الإيصاء في اللغة: طلب فعل من غيره ليفعله في غيبته حال حياته أو بعد وفاته"[2]

ترجمہ: وصیّت لغت میں: غیر سے کام طلب کرنا کہ اس کی غیر موجودگی میں وہ اسے کرے، چاہے اس کی زندگی میں ہو یا موت کے بعد۔

وصیّت لغت میں اسم ہے اور مصدر کے معنی میں ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ''[3]

ترجمہ: تم پر وصیّت کرنا فرض کیا گیا ہے جب تم میں سے کسی کو موت آئے، اگر وہ مال چھوڑے۔

پھر موصی بہ کو وصیّت کہا جانے لگا۔ قرآن میں لفظ وصیّت، موصی بہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

''مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ''[4]

ترجمہ: وصیّت جو تم کر چکے ہو اور قرض ادا کرنے کے بعد۔

فقہاً کرام کے نزدیک وصیّت اس قول کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کوئی آدمی اپنی زندگی ہی میں کسی کو اپنے مرنے کے بعد اپنے مال کا یا ان کے منافع کا مالک بناتا ہے یعنی وصیّت کا قول اپنی زندگی میں استعمال کرتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس قول کا اثر اور حکم ثابت ہو جاتا ہے کہ دوسرا شخص اس کے مال کا یا ان کے منافع کا مالک ہو جاتا ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

''وفي الشريعة: تمليك مضاف إلى ما بعد الموت بطريق التبرع، سواء كان ذلك في الأعيان أو في المنافع''[5]

ترجمہ: شرعی اصطلاح میں وصیّت کہا جاتا ہے ایسی ملکیت کو جو موت کے بعد کی طرف منسوب ہو بطورِ احسان کے، چاہے اعیان میں ہو یا منافع میں۔

---

1 الفتاوی الهندية، لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي، ٦: ٩٠، دار الفكر، بيروت، لبنان، الطبعة الثانية، 1310ه

2 فتح القدير، كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (المتوفى: 861هـ)، ١٠: ٢١١، دار الفكر، بيروت، س-ن

3 البقرة، ٢: ١٨٠

4 النساء، ٤: ١٢

5 فتح القدير، ١٠: ٢١١

"التعریفات" میں وصیّت کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

''الوصية: تمليك مضاف إلى ما بعد الموت.''[1]

ترجمہ: وصیّت مرنے کے بعد کسی کو مالک بنانے کو کہا جاتا ہے۔

وصیّت کے باب میں چار عربی الفاظ بار بار استعمال ہوتے ہیں ان کا جاننا ضروری ہے:

۱: مُوصِی یعنی وصیّت کرنے والا

۲: مُوصٰی لہ یعنی وہ شخص جس کے واسطے وصیّت کی جائے۔

۳: مُوصٰی بہ یعنی وہ چیز جس کی وصیّت کی جائے۔

۴: وَصِی یعنی وہ شخص جس کو مُوصِی نے اپنی وصیّت نافذ کرنے کا اختیار دیا ہو۔

شریعت مطہرہ میں وصیّت کا جواز نقلی اور عقلی دونوں قسم کے دلائل سے ثابت ہے۔

## نقلی دلائل:

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ''[2]

ترجمہ: پس اگر میت کے بھائی ہو تو وصیّت نافذ کرنے اور قرض ادا کرنے کے بعد ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

''كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ''[3]

ترجمہ: جب تم میں سے کسی کو موت آئے اور مال چھوڑ رہا ہو تو تم پر والدین اور رشتہ داروں کے لیے وصیّت کرنا فرض کیا گیا ہے۔

ذخیرۂ احادیث سے بھی وصیّت کی مشروعیت ثابت ہے چنانچہ بخاری میں روایت ہے:

''عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: مَرِضْتُ، فَعَادَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ادْعُ اللَّهَ أَنْ لاَ يَرُدَّنِي عَلَى عَقِبِي، قَالَ: «لَعَلَّ اللَّهَ يَرْفَعُكَ وَيَنْفَعُ بِكَ نَاسًا» ، قُلْتُ: أُرِيدُ أَنْ أُوصِيَ، وَإِنَّمَا لِي ابْنَةٌ، قُلْتُ: أُوصِي بِالنِّصْفِ؟ قَالَ: «النِّصْفُ كَثِيرٌ» ، قُلْتُ: فَالثُّلُثِ؟ قَالَ: «الثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ أَوْ كَبِيرٌ» ، قَالَ: فَأَوْصَى النَّاسُ بِالثُّلُثِ، وَجَازَ ذَلِكَ لَهُمْ۔''[4]

---

1 كتاب التعريفات، علي بن محمد بن علي الزين الشريف الجرجاني (المتوفى: 816ھ)، ص ۲۵۲، دار الكتب العلمية بيروت، لبنان، الطبعة: الأولى 1403ھ-1983م

2 النساء، ۴: ۱۱

3 البقرة، ۲: ۱۸۰

4 صحيح البخاري، محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي، ۴: ۳، حديث: ۲۷۴۴، دار طوق النجاة، بيروت، الطبعة: الأولى، 1422ھ

ترجمہ: عامر بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں مکہ میں بیمار پڑ گیا تو رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ میری عیادت کے لیے تشریف لائے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ میرے لیے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے الٹے پاؤں واپس نہ کر دیں یعنی مکہ میں میری موت نہ ہو۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں صحت دیں اور تم سے بہت سے لوگ نفع اٹھائیں۔ میں نے عرض کیا میرا ارادہ وصیّت کرنے کا ہے۔ ایک لڑکی کے سوا اور میرا کوئی اولاد نہیں۔ میں نے پوچھا کیا آدھے مال کی وصیّت کر دوں۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ آدھا تو بہت ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ تہائی کی کر دوں۔ فرمایا کہ تہائی کر سکتے ہو۔ اگر چہ یہ بھی بہت ہے۔ یا یہ فرمایا کہ بڑی رقم ہے۔ چنانچہ لوگ بھی تہائی کی وصیّت کرنے لگے اور یہ ان کے لیے جائز ہو گئی۔

دوسری روایت میں ہے:

''عَنْ مَكْحُولٍ، أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قَالَ: «إِنَّ اللَّهَ تَصَدَّقَ عَلَيْكُمْ بِثُلُثِ أَمْوَالِكُمْ زِيَادَةً فِي حَيَاتِكُمْ» يَعْنِي الْوَصِيَّةَ۔''[1]

ترجمہ: مکحولؒ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبلؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہارے تہائی اموال کے ذریعے صدقہ کیا تاکہ تمہارے زندگی کے اعمال میں اضافہ ہو یعنی وصیّت جائز قرار دی۔

ایک اور روایت میں ہے:

''عن ابن عمر؛ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ما حق امرىء مسلم له شيء يوصي فيه , يبيت ليلتين , إلا ووصيته عنده مكتوبة عنده.''[2]

ترجمہ: ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اس کے پاس وصیّت کے لیے کوئی چیز موجود ہو اور اس پر دو راتیں گزریں مگر یہ کہ اس کی وصیّت اس کے پاس لکھی ہوئی موجود ہو۔

## اجماع سے ثبوت:

وصیّت کا جواز اجماع سے بھی ثابت ہے چنانچہ العنایۃ شرح الہدایۃ میں ہے:

''(وَعَلَيْهِ) أَيْ عَلَى جَوَازِ الْوَصِيَّةِ (إِجْمَاعُ الْأُمَّةِ)۔''[3]

ترجمہ: وصیّت کے جواز پر امت کا اجماع ہے۔

## عقلی دلیل:

انسان کو امیدوں نے گھیر رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ زندگی میں مالی عبادات میں بہت سی کوتاہیاں کر دیتا ہے لیکن جب مرض میں پھنس جاتا ہے تو اب اس کو ندامت ہوتی ہے تو شریعت نے اس کو اجازت دی کہ امیدوں کے چکر میں مالی عبادات کے متعلق جو کوتاہیاں صادر ہوئی ہیں وصیّت کے ذریعے ان کی تلافی کر دے۔ اگر وہ اس مرض میں مر جائے تو کار خیر میں اس کے وصیّت کو نافذ

---

1 الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار، أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (المتوفى: 235هـ)، ٦:٢٢٦، حديث: 30917، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة: الأولى، 1409

2 مسند البزار المنشور باسم البحر الزخار، أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق بن خلاد بن عبيد الله العتكي المعروف بالبزار (المتوفى: 292هـ)، ١٢:٣٥، حديث: ٥٤١٦، مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة، الطبعة الأولى، 2009ء

3 العناية شرح الهداية، محمد بن محمد بن محمود، أكمل الدين أبو عبد الله ابن الشيخ شمس الدين ابن الشيخ جمال الدين الرومي البابرتي (المتوفى: 786هـ)، ١٠:٤١٥، دار الفكر، بيروت، لبنان، بدون طبعة وبدون تاريخ

کرتے ہوئے اخروی مقصد پورا ہو جائے گا اور اگر نہ مرے تو دنیوی مقاصد میں ابھی اس مال کو استعمال کر کے فائدہ اٹھائے چونکہ لوگوں کو وصیّت کی حاجت ہے جس طرح ان کو اجارہ کی حاجت ہے اس لیے بطور استحسان اجارہ کی طرح وصیّت کو بھی جائز قرار دیا گیا۔ اگرچہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ وصیّت جائز نہ ہو کیونکہ وصیّت میں موصی، موصی لہ کو مرنے کے بعد ایسے وقت میں مالک بناتا ہے کہ موصی خود بھی اس چیز کا مالک نہیں رہتا اور اگر کسی شخص کی ملکیت برقرار ہو مگر وہ تملیک کی اضافت آئندہ زمانہ کی طرف کر دے اور یوں کہے کہ میں نے تجھے اس چیز کا کل آئندہ مالک بنادیا تو یہ تملیک باطل ہوتی ہے حالانکہ مُملِّك کی ملکیت آج بھی موجود ہے اور کل بھی موجود رہے گا لیکن اس کے باوجود آئندہ کے تملیک کو باطل قرار دیا گیا ہے تو وصیّت میں جہاں مرنے کے بعد موصی کی ملکیت ہی باقی نہیں رہتی وہاں تو بدرجہ اولیٰ تملیک باطل ہونی چاہئے لیکن وصیّت کے باب میں لوگوں کے حاجت کو دیکھ کر قیاس کو چھوڑ کر استحسان پر عمل کر کے وصیّت کو جائز قرار دیا گیا۔[1]

**تقابل:**

مروجہ وضعی قوانین میں بھی وصیت کی تعریف، شرائط اور حکم وغیرہ اور اس سے متعلقہ سارے فیصلے اسلامی قوانین کے مطابق ہیں چنانچہ پاکستانی قانون میں کئی ایسے فیصلے موجود ہیں جن میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب کبھی کسی مسلمان میّت کی وصیت کے بابت تنازعہ عدالت کے رو برو پیش ہو تو ایسی صورت میں وصیت کا فیصلہ KHYBER PAKHTUNKHWA MUSLIAM PERSONAL LAW (SHARIAT) APPLICATION ACT, 1935 کے تحت ہو گا جس کی رو سے اسلامی قانون کے مطابق وصیت نافذ ہو گی چنانچہ مذکورہ ایکٹ کے سیکشن ٹو میں ہے:

> 2. Decision in certain cases to be according to Muslim personal Law. __In questions regarding succession, special property of females, betrothal, marriage, divorce, dower guardianship, minority, bastardy, family relations, wills, legacies, gifts or any religious usage or institution including waqf (trust and trust property), the rule of decision shall be the Muslim Personal Law (Shariat), in cases where the parties are Muslim.[2]

ترجمہ: ۲۔ کئی مسائل میں فیصلہ مسلم پرسنل کے مطابق ہونا۔--- جانشینی، خواتین کی خاص املاک، شادی بیاہ، شادی، طلاق، مہر، سرپرستی، اقلیت، ولد الزنا، خاندانی تعلقات، وصیت، وراثت، تحفہ یا وقف (اعتماد اور امانت کی جائیداد) سمیت کوئی مذہبی استعمال یا ادارہ، سے متعلق سوالات میں۔ فیصلے کی حکمرانی مسلم پرسنل لاء (شریعت) ہو گی، ایسے معاملات میں جب فریقین مسلمان ہوں۔

---

1 الهداية في شرح بداية المبتدي، علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (المتوفى: 593هـ)، ۴: ۵۱۳، دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان

2 The Khyber Pakhtunkhwa Muslim Personal Law (Shariat) Application Act, 1935, Section 2

اس کے بعد 1962ء میں اسی قانون کو پورے پاکستان[1] کے لیے "مسلم شخصی قانون شریعت ایکٹ برائے مغربی پاکستان ۱۹۶۲ء" (The West Pakistan Muslim Personal Law Shariat act 1962) کے نام سے نافذ کیا گیا، جس کے سیکشن ٹو میں ہے:

> (Application of the Muslim Personal Law) 2. Notwithstanding any custom or usage, In all questions regarding succession (whether testate or intestate), special property of females, betrothal, marriage, divorce, dower guardianship, minority, bastardy, family relations, wills, legacies, gifts or any religious usage or institution including waqf (trust and trust property), the rule of decision, subject to the provisions of any enactment for the time being in force, shall be the Muslim Personal Law (Shariat), in cases where the parties are Muslim.[2]

ترجمہ: (مسلم پرسنل لاء کا اطلاق)۔ کسی بھی رسم ورواج کے استعمال کے باوجود، جانشینی کے بارے میں تمام سوالات میں (خواہ آزمائشی ہو یا اندرونی)، عورتوں کی خاص ملکیت، شادی، طلاق، دادرسی، اقلیت، حرامی پن، خاندانی تعلقات، وصیت، وراثت، تحائف یا کوئی مذہبی استعمال یا ادارہ جس میں وقف (ٹرسٹ اور ٹرسٹ پراپرٹی) شامل ہے، فیصلے کے اصول، اس وقت تک ان معاملات میں، مسلم پرسنل لاء (شریعت) ہوگا۔ جہاں فریقین مسلمان ہوں۔

**1962**ء کے اس ایکٹ کے مطابق پاکستان میں میراث اور وصیت کے مسائل کے فیصلے اسلامی اصولوں کے مطابق کیے جاتے ہیں۔

**دفعہ 2: وصیّت کا رکن وصیّت کے وقت الفاظِ وصیّت یا ایسے الفاظ جو وصیّت کے قائم مقام ہوں، کو استعمال کرنا ہے۔**[3]

**وضاحت:**

جن الفاظ سے وصیّت منعقد ہوتا ہے وہ وصیّت کا رکن کہلاتا ہے۔ یہ یا تو صراحتاً وصیّت کے الفاظ ہوتے ہیں جیسے اوصیّت بکذا الفلان[4] اور یا ایسا کلام ہوتا ہے جو وصیّت کے قائم مقام ہوتا ہے یعنی اس کلام سے مرنے کے بعد کسی کے لیے ملکیت ثابت کرنا ہوتا ہے جیسے مرض الوفات میں کسی کے لیے اپنے اوپر قرض کا اقرار کرنا اس اقرار کے ذریعے یہ شخص اپنے مرنے کے بعد مقرلہ کو قرض کی مقدار کے برابر اپنے مال کا مالک بنانا چاہتا ہے۔[5] اسی طرح مرض الوفات میں اگر کوئی مریض ہبہ کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے ہبہ کرتا ہے تو اس کا یہ ہبہ بھی وصیّت کے درجہ میں ہے۔ اگرچہ الفاظ ہبہ کے استعمال کیے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح وصیّت تہائی کے اندر نافذ ہوتی ہے، اسی طرح مرض الوفات کا ہبہ بھی تہائی میں نافذ ہوتا ہے۔[6]

---

1 (It axtend to the whole of Pakistan.)The West Pakistan Muslim Personal Law (Shariat) Act, 1962, Section 1 (2)

2 The West Pakistan Muslim Personal Law (Shariat) Act, 1962, Section 2

3 الفتاوى الهندية، ٦: ٩٠

4 نفس مصدر

5 الهداية في شرح بداية المبتدي، ٤: ٥٢١

6 ایضا، ٤: ٥١٥

**دفعہ 3: حقوق اللہ لازم ہونے کی صورت میں ان کا وصیّت کرنا واجب ہے جب کہ حقوق اللہ نہ ہونے کی صورت میں وصیّت مستحب ہے۔**[1]

**وضاحت:**

وصیّت کی چار قسمیں ہیں جن میں سے ہر ایک کا حکم مختلف ہے۔ ذیل میں چاروں قسمیں مع احکام کے ذکر کیے جاتے ہیں:

۱: حقوق اللہ (زکوۃ، کفارات، حج وغیرہ) لازم ہونے کی صورت میں ان کا وصیّت کرنا واجب ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرے مال سے یہ حقوق ادا کیے جائیں۔

۲: فسّاق و فجار لوگوں کے لیے اپنے مال کی وصیّت کرنا مکروہ ہے۔

۳: امیر لوگوں کے لیے اپنے مال کی وصیّت کرنا مباح ہے۔

۴: مذکورہ تینوں صورتوں کے علاوہ اگر کوئی شرطِ فاسد موجود نہ ہو تو وصیّت کرنا مستحب ہے۔[2]

**دفعہ 4: وصیّت میں، موصی لہ کا وصیّت کو صراحتاً یا دلالۃً قبول کرنا وصیّت کی صحت کے لیے شرط ہے۔**[3]

**وضاحت:**

وصیّت کی صحت کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ موصی لہ وصیّت کو قبول کرے کیونکہ وصیّت میں ملکِ جدید کا اثبات ہے اور کوئی شخص کسی کے لیے ملکیت اس وقت تک ثابت نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ خود قبول نہ کرے اور قبول کرنا دو قسم پر ہے یا تو صراحتاً قبول کرے کہ مجھے یہ وصیّت قبول ہے اور یا دلالۃً قبول کرے۔ دلالۃً قبول کرنا یہ ہے کہ موصی لہ وصیّت کے صراحتاً قبول کرنے یا رد کرنے سے پہلے پہلے مر جائے تو اس کا مرنا وصیّت کا قبول کرنا ہے۔ اس لیے وصیّت والی چیز موصی کے مرنے کے بعد اس کی ملکیت میں منتقل ہو جائے گی اور اس کے دیگر ترکہ کی طرح اس کے ورثہ میں تقسیم کی جائے گی۔[4]

**دفعہ 5: موصٰی لہ کو وصیّت کے قبول کرنے یا رد کرنے کا اختیار موصی کے موت کے بعد ہوگا۔**[5]

**وضاحت:**

وصیّت کا تعلق چونکہ موصی کے موت کے بعد کے ساتھ ہے یعنی موصی کے موت کے بعد وصیّت کے ذریعے موصیٰ لہ کے لیے ملکیت ثابت ہوتی ہے اس لیے وصیّت کے قبول کرنے یا رد کرنے کا وقت بھی موصی کے موت کے بعد کا وقت ہے کیونکہ موصی کے مرنے سے پہلے وصیّت کے احکام جاری ہی نہیں ہوتے لہٰذا موصی کے مرنے سے پہلے اس کی زندگی ہی میں موصیٰ لہ وصیّت کو قبول یا رد کرے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ موصی کے مرنے کے بعد اس کو دوبارہ اختیار حاصل ہوگا کہ وصیّت کو رد کرے یا قبول کرے۔[6]

---

1 الفتاوى الهندية، ٦: ٩٠

2 تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (المتوفى: 743 هـ)، ٦: ١٨٢، المطبعة الكبرى الأميرية-بولاق، القاهرة، الطبعة الأولى، 1313ه

3 الفتاوى الهندية، ٦: ٩٠

4 الهداية، ٤: ٥١٥

5 الفتاوى الهندية، ٦: ٩٠

6 البحر الرائق شرح كنز الدقائق، زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (المتوفى: 970هـ)، ٨: ٥٢١، دار الكتاب الإسلامي، بيروت، الطبعة الثانية، بدون تاريخ

**دفعہ 6: موصیٰ لہ کا موصیٰ بہ میں عملاً تصرف کرنا، قبول کرنے کے قائم مقام ہے۔**[1]

**وضاحت:**

موصی لہ نے اگر وصیّت والی چیز قولاً اور صراحتاً تو قبول نہیں کی لیکن اس میں کوئی تصرف کر کے اسے استعمال کیا تو یہ بھی قبول کرنا شمار ہوگا جیسا کہ موصی لہ نے وصیّت والے مال سے کوئی چیز خریدی یا اس کے ذریعے قرض ادا کیا تو یہ تصرفات بھی قولاً قبول کرنے کی طرح ہوں گے۔[2]

**دفعہ 7: وصیّت کے شرائط میں سے ہے کہ:**

**۱: موصی، مالک بنانے کا اہل ہو۔**

**۲: موصیٰ لہ، مالک بننے کی اہلیت رکھتا ہو۔**

**۳: موصیٰ بہ، ایسی چیز ہو جو ملکیت میں آسکتی ہو۔**[3]

**وضاحت:**

پہلی شرط کی وضاحت یہ ہے کہ وصیّت کے باب میں موصی کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ دوسرے کو مالک بنانے کی اہلیت رکھتا ہو لہذا چھوٹے بچے، مجنون اور مکاتب غلام کا وصیّت کرنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ یہ افراد کسی کو مالک بنانے کی اہلیت نہیں رکھتے۔[4]

اگر بچے نے اپنی وصیّت کو بلوغ پر معلق کیا کہ جب میں بالغ ہو جاؤں تو میرا تہائی مال فلاں کے لیے وصیّت ہے تو اس کی یہ وصیّت باطل ہوگی کیونکہ وصیّت کرنے کے وقت وہ وصیّت کا اہل نہیں تھا۔

دوسری شرط کی وضاحت یہ ہے کہ وصیّت کے باب میں موصیٰ لہ کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ موصی بہ کے مالک بننے کی اہلیت رکھتا ہو یعنی موصی کے موت کے وقت وہ موصی بہ کی ملکیت کا اہل ہو لہذا اگر کسی نے اپنے وارث کے لیے وصیّت کی تو یہ وصیّت جائز نہیں ہوگی کیونکہ وارث میں وصیّت کے مالک بننے کی اہلیت نہیں ہے۔[5] ابن ماجہ میں ہے:

''إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، أَلَا لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ''[6]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا۔ خبردار وارث کے لیے کوئی وصیّت جائز نہیں۔

اسی طرح اگر کسی نے اپنے کافر بیٹے کے لیے وصیّت کی لیکن وہ بیٹا باپ کی وفات سے پہلے مسلمان ہو گیا تو یہ وصیّت جائز نہیں ہوگی کیونکہ وصیّت کرتے وقت اگرچہ وہ بیٹا کافر تھا اور کفر کی وجہ سے باپ کا وارث نہیں بن سکتا تھا تو باپ کی وصیت اس کے لیے جائز تھی لیکن باپ کے موت کے وقت وہ مسلمان ہو چکا ہے اب وہ اپنے باپ کا شرعی وارث ہے اس لیے وصیّت جائز نہیں۔[7]

---

1 الفتاوى الهندية، ٦: ٩٠

2 البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ٨: ٥٢٢

3 الفتاوى الهندية، ٦: ٩٠

4 الدر المختار، ٦: ٦٤٩

5 الهداية، ٤: ٥١٥

6 سنن ابن ماجه، ابن ماجة أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني (المتوفى: 273هـ)، ٤: ١٨، حديث: ٢٧١٤، دار الرسالة العالمية، بيروت، الطبعة: الأولى، 1430ھ/2009ء۔(ارنؤوط نے اس حدیث کو صحیح لغیرہ کہا ہے۔ نفس مصدر)

7 العناية شرح الهداية، ١٠: ٤٦٢

تیسری شرط کی وضاحت یہ ہے کہ موصی بہ ایسی چیز ہو جو موصی کے موت کے بعد ملکیت میں آسکتی ہو چاہے وصیّت کے وقت موصی کی زندگی میں موجود ہو یا نہ ہو جیسا کہ اگر کسی نے وصیّت کی کہ میرے بکریوں کے جو بچے پیدا ہوں گے ان کا میں فلاں کے لیے وصیّت کرتا ہوں اور موصی کے موت کے وقت بکریاں بچوں کو جنم نہ دیں تو یہ وصیّت جائز نہیں ہے کیونکہ موصی کے موت کے وقت یہ چیز معدوم ہے۔[1]

**دفعہ 8: وصیّت کا حکم یہ ہے کہ موصی لہ ملکِ جدید کے ساتھ موصی بہ کا مالک ہو جاتا ہے۔**[2]

**وضاحت:**

وصیّت کے تمام شرائط پورے ہونے کے بعد موصی کے موت کے بعد موصی بہ، موصی لہ کی ملکیت میں آجاتا ہے اور موصی لہ کے لیے یہ ملکیت، ملکیتِ جدید ہوتی ہے۔ موصی کا خلیفہ یا قائم مقام بن کر نہیں ہوتی چنانچہ اگر موصی نے کوئی چیز خرید کر زید کے لیے اس کی وصیّت کر دی پھر زید کے قبضے میں آکر اس نے اس چیز کو عیب دار پایا تو زید کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اس عیب کی وجہ سے اس چیز کو موصی کے بائع کو واپس کر دے کیونکہ خرید کی وجہ سے موصی کی ملکیت الگ تھی اور وصیّت کی وجہ سے زید کی ملکیت الگ ہے۔ اسی طرح اگر موصی نے اپنے تمام مال کا زید کے لیے وصیّت کیا اور پھر اپنے ترکہ میں سے کسی چیز کو فروخت کیا اور مشتری نے اس چیز میں عیب پایا تو مشتری کو یہ حق نہ ہو گا کہ اس عیب کی وجہ سے اس چیز کو موصی لہ پر واپس کر دے کیونکہ موصی کی ملکیت الگ تھی اور موصی لہ کی ملکیت الگ ہے۔[3]

**دفعہ 9: وصیّت تہائی مال سے کم کرنا مستحب ہے چاہے ورثہ امیر ہو یا غریب۔**[4]

**وضاحت:**

شریعت نے انسان کو اس کے آخری لمحات میں اپنے تہائی مال میں تصرف کا اختیار دیا ہے لیکن اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ ورثہ خواہ مالدار ہو یا غریب، پورے تہائی کی وصیّت نہ کرے بلکہ کم کی وصیّت کرے کیونکہ کم وصیّت کرنے کی صورت میں اس نے اپنا مال ورثہ کے لیے چھوڑ دیا اور ان پر احسان کر کے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جس کا اس کو اجر ملے گا۔[5]

**دفعہ 10: موصی کے پاس اگر مال قلیل ہو اور ورثہ غریب ہو تو وصیّت نہ کرنا افضل ہے۔**[6]

**وضاحت:**

---

1 قره عين الأخيار لتكملة رد المحتار علي «الدر المختار شرح تنوير الأبصار»، علاء الدين محمد بن (محمد أمين المعروف بابن عابدين) بن عمر بن عبد العزيز عابدين الحسيني الدمشقي (المتوفى: 1306هـ)، ۷: ۲۳۳، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان

2 الفتاوى الهندية، ۶: ۹۰

3 نفس مصدر

4 الفتاوى الهندية، ۶: ۹۰

5 قره عين الأخيار لتكملة رد المحتار علي «الدر المختار شرح تنوير الأبصار، ۷: ۲۱۳

6 الفتاوى الهندية، ۶: ۹۰

موصی کے ساتھ اگر مال قلیل ہو یا ورثہ غریب ہوں اور میراث کی جو مقدار انہیں ملے گی اس سے وہ تونگر اور غنی نہیں ہوں گے تو ایسی صورت میں وصیّت نہ کرنا افضل ہے کیوں کہ اس صورت میں یہ قریبی رشتہ دار کے ساتھ صلہ رحمی اور حسن سلوک ہو گا اس میں فقر اور قرابت دونوں حقوق کی رعایت ہے لہٰذا دہرے اجر کا مستحق ہو جائے گا چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

''أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ أَوْ خَيْرُ الصَّدَقَةِ عَنْ ظَهْرِ غِنًى، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ''[1]

''بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد آدمی امیر رہے اور دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور اپنے خاندان سے شروع کرو۔''

**دفعہ 11: موصی کے پاس اگر مال کثیر ہو تو جائز کاموں میں وصیّت کرنا افضل ہے۔**[2]

**وضاحت:**

موصی کے پاس اگر مال کثیر ہو اور ورثہ کو میراث میں سے جو حصہ ملے گا اس سے وہ مالدار ہو جائیں گے یا ورثہ پہلے سے مالدار ہوں تو اس صورت میں موصی کے لیے جائز کاموں میں یا اجنبی غربا کے لیے وصیّت کرنا افضل ہے کیونکہ وصیّت کرنے کی صورت میں یہ اجنبی پر صدقہ ہو گا اور ترکِ وصیّت کی صورت میں یہ اپنے قریبی رشتہ دار پر ہبہ ہو گا اور اجنبی پر صدقہ کرنا اپنے قریبی رشتہ دار کو ہدیہ دینے سے افضل ہے۔[3]

**دفعہ 12: اجنبی شخص کے لیے اپنے مال کے تہائی حصہ تک وصیّت کرنا ورثہ کی اجازت کے بغیر جائز ہے اور تہائی سے زیادہ وصیّت موصی کے موت کے بعد ورثہ کی اجازت پر موقوف ہو گی۔**[4]

**وضاحت:**

موصی اپنے مال کے تہائی حصہ تک اجنبی شخص یعنی غیر وارث کے لیے وصیّت کر سکتا ہے اس میں دیگر ورثہ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر موصی کسی کے لیے اپنے مال کے تہائی حصے سے زیادہ کی وصیّت کرتا ہے تو اس کی یہ زائد وصیّت اس کے موت کے بعد دیگر ورثہ کی اجازت پر موقوف ہو گی۔ اگر وہ رضامندی کا اظہار کر کے اجازت دیں تو یہ زائد وصیّت بھی نافذ ہو جائے گی ورنہ صرف تہائی حصے کی وصیّت نافذ ہو گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مالک مرض الموت کے مرحلہ پر پہنچ گیا تو اب وہ اپنے مال سے مستغنی ہو گیا کیونکہ مال کا تعلق تو زندگی کے ضروریات کے ساتھ ہے اور اس کا اپنے مال سے مستغنی ہونا اس بات کو واجب کرتا ہے کہ اس مال کے ساتھ اب اس کے ورثہ کا حق متعلق ہو جائے گا اور ورثہ کے حق کا اس کے مال کے ساتھ متعلق ہو جانا اس بات کو مقتضی ہے کہ تہائی کے اندر بھی اس کی وصیّت جائز نہ ہو لیکن اس ضرورت کی وجہ سے کہ اگر موصی سے مالی عبادات میں کچھ کوتاہیاں ہوئی ہوں اور اب وہ اس کا تلافی کرنا چاہے تو تہائی مال میں اس کو تصرف اور وصیّت کی اجازت دی گئی ہے اور تہائی سے زیادہ وصیّت سے روکا گیا ہے تاکہ ورثہ کا حق ضائع نہ ہو لیکن اگر تہائی سے زیادہ وصیّت کی صورت میں موصی کے موت کے بعد ورثہ اپنا حق ساقط کرنے پر راضی

1 صحيح لمسلم، مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري (المتوفى: 261ھ)، ۲: ۷۱۷، حديث: ۱۰۳۴، دار إحياء التراث العربي، بيروت

2 الفتاوی الهندية، ٦: ٩٠

3 الهداية، ۴: ۵۱۵

4 الفتاوی الهندية، ٦: ٩٠

ہوں اور وصیّت کی اجازت دے دی اور ورثہ سب بالغ ہوں تو یہ وصیّت جائز ہو جائے گی کیوں کہ اس زائد وصیّت کا ممتنع ہونا ورثہ کے حق کی وجہ سے تھا اور جب وہ اپنا حق معاف کرنے پر راضی ہیں تو جائز ہے۔[1]

ورثہ کی اجازت کا موصی کے موت کے بعد اعتبار ہے کیوں کہ موصی کے موت سے پہلے ورثہ کا حق ثابت ہی نہیں ہو گا تو اس وقت اجازت بھی معتبر نہ ہو گی لہذا اگر ورثہ کی اجازت موصی کے زندگی میں ہو تو ابھی اس اجازت کا کوئی اعتبار نہ ہو گا بلکہ ورثہ کو موصی کے موت کے بعد اس اجازت سے پھرنے کا اختیار ہو گا۔[2]

اگر موصی کے موت کے بعد اجازت دے دی تو اب اس اجازت سے پھرنے اور رجوع کرنے کا حق نہ ہو گا کیونکہ اجازت دینے سے انہوں نے اپنا حق ساقط کر دیا اور ساقط، نہ ہونے کے درجے میں ہوتا ہے تو گویا کہ اب ان کا حق ہی نہ رہا۔[3]

**تقابل:**

فقہ ٔاسلامی کے اس حکم کی طرح فیصلہ پاکستانی قانون میں بھی موجود ہے کہ اجنبی غیر وارث شخص کے لیے دیگر ورثا کی اجازت کے بغیر مال کی تہائی حصے تک کی وصیت کرنا جائز ہے البتہ تہائی سے زیادہ کی وصیت دیگر ورثا کی اجازت پر موقوف ہو گی چنانچہ سپریم کورٹ آف پاکستان نے ۱۹۸۷ء میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ غیر وارث کے لیے کی گئی وصیت، ورثا کی مرضی کے بغیر بھی موثر ہو گی۔[4]

**دفعہ 13: شرعی وارث موجود نہ ہونے کی صورت میں تمام مال کی وصیت کرنا بھی جائز ہے۔**[5]

**وضاحت:**

اگر کسی شخص نے اپنے کل مال کی کسی کے لیے وصیّت کی ہو اور موت کے بعد اس کا کوئی شرعی وارث موجود نہ ہو تو اس صورت میں کل مال کی وصیّت کرنا جائز ہو گی اور تہائی کی شرط نہ ہو گی کیوں کہ تہائی کی شرط تو ورثہ کے حق کی وجہ سے تھا تا کہ ورثہ کا حق ضائع نہ ہو اور جب ورثہ موجود نہیں ہے تو تہائی سے زیادہ وصیّت کرنے کی ممانعت کی علت موجود نہیں ہے لہذا کل مال کی وصیّت کرنا جائز ہو گا۔[6]

**تقابل:**

شریعتِ مطہرہ کی طرح سندھ ہائی کورٹ کراچی نے ۲۰۱۱ء میں تقسیمِ وراثت سے متعلق یہ فیصلہ دیا ہے کہ اگر کوئی وارث موجود نہ ہو تو تمام مال کی وصیت جس شخص کے لیے کی گئی ہے اسے دیا جائے گا۔[7]

---

1 الهداية، ۴:۵۱۳

2 بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (المتوفى: 587هـ)، ۷: ۳۷۰، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية، 1406ه/1986ء

3 الجوهرة النيرة، أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبِيدِيّ اليمني الحنفي (المتوفى: 800هـ)، ۲: ۲۸۸، المطبعة الخيرية، الطبعة الأولى، 1322ه

4 1987 CLC, P# 747, 2002 SCMR, P# 1330

5 الفتاوى الهندية، ۶: ۹۰

6 الجوهرة النيرة، ۲: ۲۹۳

7 PLD 2011, Karachi, P#232

## دفعہ 14: وارث کے لیے دیگر ورثہ کی اجازت کے بغیر وصیت جائز نہیں ہے۔[1]

**وضاحت:**

شریعتِ مطہرہ نے ورثہ کو وراثت کے ذریعے ان کا حق دے دیا ہے اس لیے وصیّت کے ذریعے کسی وارث کو مزید مال دینے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

''إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، أَلَا لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ''[2] [3]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے (میراث کے ذریعے) ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے۔ خبر دار وارث کے لیے کوئی وصیّت نہیں ہوگی۔

وارث کو وصیّت سے محروم کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وصیّت کے جواز میں بعض ورثہ کو دوسرے بعض ورثہ پر ترجیح دینا ہے اور یہ اقارب سے قطع تعلق کا ذریعہ بنے گا اس لیے سدِّباب کے طور پر وارث کے لیے وصیّت ہی ناجائز قرار دیا ہے لہذا اگر کسی موصی نے وصیّت میں اپنے وارث اور اجنبی کو ملا کر ان کے لیے وصیّت کر لی تو اجنبی کے حق میں اس کے حصے کے بقدر وصیّت صحیح ہو گی اور وارث کی وصیّت دیگر ورثہ کے اجازت پر موقوف ہو گی اگر دیگر ورثہ اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی ہوں اور اس وارث کے لیے اس وصیّت کی اجازت دے تو وارث کے حق میں بھی وصیّت جائز ہو جائے گی ورنہ یہ وصیّت وارث کے حق میں باطل ہو گی۔[4]

حدیث میں بھی آیا ہے:

"لَا تَجُوزُ الْوَصِيَّةُ لِوَارِثٍ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْوَرَثَةُ"[5]

ترجمہ: وارث کے لیے وصیّت جائز نہیں ہے مگر یہ کہ دیگر ورثہ اجازت دے۔

اگر بعض ورثہ نے اجازت دے دی اور بعض نے اجازت نہیں دی بلکہ اس وصیّت کو رد کر دیا تو رد کرنے والے کے حق میں وصیّت باطل ہو گی اور اجازت دینے والے کے حق میں اپنے حصے کے بقدر درست ہو گی کیوں کہ اجازت دینے والے کو اپنے اوپر اور اپنے حصے میں ولایت اور اختیار حاصل ہے۔[6] اور ورثہ کی اجازت اور رد کا اعتبار موصی کے وفات کے بعد ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ موتِ موصی سے پہلے ورثہ کا حق ثابت ہی نہیں ہوتا لہذا موتِ موصی سے پہلے ان کی اجازت اور رد کا اعتبار بھی نہیں ہو گا۔

**تقابل:**

۲۰۰۵ء میں لاہور ہائی کورٹ میں اسی قسم کا ایک مقدمہ سامنے آیا کہ ایک وارث کے لیے وصیت کی گئی تھی۔ عدالت نے فیصلہ دیا کہ اگر دیگر ورثہ کی اجازت نہ ہو تو وارث کے لیے یہ وصیت درست نہیں ہو گی۔[7]

---

1 الفتاوى الهندية، ۶:۹۰

2 سنن ابن ماجه، ابن ماجة أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني، وماجة اسم أبيه يزيد (المتوفى: 273هـ)، ۲:۹۰۶، حديث: ۲۷۱۴، دار إحياء الكتب العربية، بيروت

3 البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ (إرواء الغليل في تخريج أحاديث منار السبيل، محمد ناصر الدين الألباني (المتوفى: 1420هـ)، المكتب الإسلامي، ۶:۸۷، حديث: ۱۶۵۴، بيروت، الطبعة الثانية 1405ه/1985ء)

4 الهداية، ۴:۵۱۵

5 سنن الدارقطني، أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود بن النعمان بن دينار البغدادي الدارقطني (المتوفى: 385هـ)، ۵:۲۶۷، حديث: ۴۲۹۵، مؤسسة الرسالة، بيروت – لبنان، الطبعة: الأولى، 1424هـ - 2004ء

6 بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ۷:۳۷۰

7 2005 CLC, Page # 368, Lahore High Court

درج بالا فیصلے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پاکستانی عدالتوں میں وصیت سے متعلق ہونے والے فیصلے شریعت کے مطابق کیے جاتے ہیں۔

**دفعہ 15: موصِی کے وارث ہونے اور نہ ہونے کا اعتبار موصی کی موت کے بعد ہو گا۔**[1]

**وضاحت:**

وارث کے لیے وصیّت کو ناجائز قرار دیا گیا ہے اور وارث ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار وصیّت کے وقت نہیں ہے بلکہ وقتِ موت اس کا اعتبار ہو گا کیوں کہ وصیّت کے معنیٰ ہی وہ تملیک ہے جو مابعد الموت کی جانب مضاف ہو اور وصیّت کا حکم بھی موت کا بعد ثابت ہوتا ہے لہذا وارث ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار بھی بوقتِ موت ہو گا نہ کہ بوقتِ وصیّت۔[2]

اگر کسی مریض نے مرض الوفات میں اپنے بھائی کے لیے وصیّت کی اور اس وصیّت کے وقت وہ موصی کا وارث بھی تھا کیونکہ موصی کا کوئی بیٹا نہیں تھا لیکن وصیّت کرنے کے بعد موصی مریض کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اور اب بھائی وارث نہیں رہا تو یہ وصیّت اس کے لیے جائز ہو جائے گی اگرچہ بوقتِ وصیّت یہ بھائی وارث تھا اور اس کے لیے وصیّت جائز نہیں تھی کیونکہ اعتبار موت کے بعد کا ہے اور اگر بھائی کے لیے وصیّت کی اس حال میں کہ موصی کا فقط ایک لڑکا موجود ہے پھر موصی کے موت سے پہلے وہ لڑکا مر گیا اور اولاد نہ ہونے کی وجہ سے یہ بھائی اپنی موصی بھائی کا وارث بن گیا تو بھائی کے حق میں جو وصیّت کی ہے وہ باطل ہو جائے گی کیونکہ وقتِ وصیّت اولاد موجود ہونے کی وجہ سے بھائی اگرچہ وارث نہیں تھا اور وصیّت کا حق دار تھا لیکن موت کے بعد اولاد نہ ہونے کی وجہ سے وہ وارث بن گیا ہے اور وارث وصیّت کا حق دار نہیں ہو تا لہذا یہ بھی وصیّت کا حق دار نہیں ہو گا۔[3]

**دفعہ 16: اجازت دینے والے کا اہلِ اجازت میں سے ہونا ضروری ہے۔**[4]

**وضاحت:**

اہل اجازت کا مطلب یہ ہے کہ وہ عاقل بالغ اور تندرست ہو پس اگر مجنون وارث نے وصیّت کی اجازت دے دی یا ایسے بچے نے وصیّت کی اجازت دے دی جو سمجھ نہ رکھتا ہو تو اس کی اجازت کا اعتبار نہیں ہو گا۔ اگر اجازت دینے والا وارث خود مریض ہے اور مرض کی حالت میں اجازت دے رہا ہے تو اس مرض سے اگر یہ ٹھیک ہو گیا تو اس کی اجازت بھی صحیح ہو جائے گی اور اگر وہ اس مرض میں مر گیا تو اس کی یہ اجازت دینا مرض الوفات میں ہونے کی وجہ سے بمنزلہ ابتداء وصیّت کے ہے تو جس موصیٰ لہ کے لیے یہ اجازت دے رہا ہے اگر وہ اس کا وارث ہو تو اس کی یہ اجازت (وصیّت) اس کے دیگر ورثہ کی اجازت پر موقوف ہو جائے گی اور اگر موصیٰ لہ اجنبی ہے تو صرف اس کے حصے کے تہائی میں یہ اجازت اور وصیّت نافذ ہو جائے گی۔[5]

**دفعہ 17: موصی کے قاتل کے لیے ورثہ کی اجازت کے بغیر وصیّت جائز نہیں ہے۔**[6]

---

1 الفتاوی الهندية، ٦:٩٠

2 فتح القدير، ١٠:٤٢٣

3 البناية شرح الهداية، أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى (المتوفى: 855هـ)، ١٣:٣٩٨، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة: الأولى، 1420ه/2000۔

4 الفتاوی الهندية، ٦:٩١

5 بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ٧:٣٧٠

6 الفتاوی الهندية، ٦:٩١

**وضاحت:**

موصی کا اپنے قاتل کے لیے وصیّت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ قاتل موصی کو قتل کرکے مالِ وصیّت جلدی لینا چاہتا ہے حالانکہ شریعت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ مال موصی کے موت کے بعد اسے ملے گا تو ایسے جلد باز کو بالکلیہ محروم کر دیا جاتا ہے تاکہ موصیٰ لہ کے دل میں مالِ وصیّت جلدی لینے کا خیال ہی پیدا نہ ہو اور اسی نکتہ کے پیشِ نظر قاتل وارث کو بھی میراث سے محروم کیا گیا ہے۔[1]

قاتل کو وصیّت سے محروم کرنے کا اصل راز حقِ ورثہ ہے کیونکہ بطلانِ وصیّت کا نفع ورثہ کو ہوتا ہے کہ ان کو وصیّت نافذ نہ کرنے کی صورت میں میراث میں سے زیادہ حصہ مل جاتا ہے اب اگر ورثہ خود اپنا حق معاف کرنے اور کم لینے پر راضی ہو اور قاتل کے لیے وصیّت کی اجازت دیدے تو یہ وصیّت قاتل کے لیے جائز ہو جائے گی۔[2]

قاتل کو وصیّت سے محروم کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ اس نے وہ قتل خود کیا ہو اگر قتل خود نہیں کیا بلکہ قتل کا سبب بن گیا تھا تو ایسی صورت میں قاتل کے لیے وصیّت جائز ہو گی۔[3]

اگر موصی کا قاتل بچہ یا مجنون ہو تو وہ قتل کی وجہ سے وصیّت سے محروم نہیں ہوں گے بلکہ ان کے لیے وصیّت جائز ہو گی اگرچہ ورثہ اجازت نہ دیں کیونکہ بچہ اور مجنون مکلف نہ ہونے کی وجہ سے سزا کے مستحق نہیں ہو سکتے اور وصیّت کا مال جلدی لینے میں ان کے قصد اور ارادے کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔[4]

اگر موصی نے اپنے قاتل کے لیے وصیّت کی ہے اور اس قاتل کے علاوہ موصی کا اور کوئی وارث نہیں ہے تو قاتل کے لیے وصیّت جائز ہو گی کیونکہ قاتل کے لیے وصیّت کے عدم جواز کا اصل راز ورثہ کا حق ہے اور جب ورثہ ہی موجود نہیں ہیں تو قاتل کے لیے وصیّت جائز ہو جائے گی جیسا کہ ورثہ کی اجازت کی صورت میں قاتل کے لیے وصیّت جائز ہو جاتی ہے۔[5]

اگر عورت نے مرد کو زخمی کیا پھر مرد نے اسی کے حق میں وصیّت کی اور نکاح بھی کر لیا اور مرد اسی زخم سے مر گیا تو عورتِ مذکورہ کو نہ میراث ملے گی اور نہ وصیّت بلکہ اسے فقط مہرِ مقررہ کی مقدار میں سے بقدرِ مہرِ مثل کے ملے گا اور جو کچھ اس سے زیادہ ہے وہ بمعنی وصیّت کے رہا اور بسببِ قتل کرنے کے باطل ہو جائے گا۔ اگر بہت سارے لوگ کسی قتل میں شریک ہو اور اس شخص نے ان سب کے لیے یا ان میں سے بعض کے لیے وصیّت کی ہو تو یہ سب وصیّت سے محروم ہو جائیں گے کیونکہ ان میں سے ہر ایک قاتل ہے۔[6]

---

1 الهداية، ۴:۵۱۵

2 البناية شرح الهداية، ۱۳:۳۹۵

3 مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (المتوفى: 1078هـ)، ۲:۶۹۲، دار إحياء التراث العربي، بيروت، بدون طبعة وتاريخ

4 درر الحكام شرح غرر الأحكام، محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا - أو منلا أو المولى - خسرو (المتوفى: 885هـ)، ۲:۴۳۰، دار إحياء الكتب العربية، بيروت، بدون طبعة وتاريخ

5 البناية شرح الهداية، ۱۳:۳۹۵

6 المبسوط، محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (المتوفى: 483هـ)، ۲۷:۱۷۸، دار المعرفة، بيروت، 1414هـ/ 1993ء

قتلِ عمد میں قاتل کو معاف کرنا جائز ہے کیونکہ قتلِ عمد کے بدلے میں قصاص آتا ہے مال نہیں آتا ہے لیکن اگر قتلِ خطا میں موصی اپنے قاتل کو مرنے سے پہلے پہلے معاف کرتا ہے تو یہ معاف کرنا اس کے عاقلہ کے واسطے وصیّت ہو گی کیونکہ قتلِ خطا میں دیت (مال) واجب ہوتی ہے اور اس مال کو وہ اپنے مرض الوفات میں معاف کر رہا ہے لہذا وصیّت کے قائم مقام ہو کر صرف تہائی مال میں جائز ہو گی۔[1]

**تقابل:**

فقہِ اسلامی کے اس حکم کی طرح فیصلہ ملکی قانون میں بھی موجود ہے کہ اگر کوئی موصی لہ اپنے موصی کو قتل کر دے تو وہ وصیت سے محروم ہو جائے گا چنانچہ ۱۹۹۳ء کے سپریم کورٹ آف پاکستان کے ماہانہ رپورٹ میں یہ فیصلہ مذکور ہے کہ اگر وارث، مورث کو قتل کر دے تو میراث سے محروم ہو گ اور یہی اصول وصیت پر بھی لاگو ہو گا۔[2]

**دفعہ 18: مسلمان کا ذمی کافر کے لیے اور ذمی کافر کا مسلمان کے لیے وصیّت کرنا جائز ہے۔**[3]

**وضاحت:**

کافروں کی تین قسمیں ہیں:

**ا: ذمی:** ایسا کافر جو دار الاسلام (مسلمانوں کے ملک) میں رہتا ہو۔

**۲: مستامن:** ایسا کافر جو مسلمانوں کے ملک میں امان اور ویزہ لے کر عارضی طور پر قیام پذیر ہو۔

**۳: حربی:** ایسا کافر جو دار الحرب یعنی کافروں کے ملک میں رہتا ہو۔

مسلمان، ذمی کافر کے لیے اور ذمی کافر مسلمان کے لیے وصیّت کر سکتا ہے[4] کیونکہ وصیّت ایک احسان ہے اور اہلِ ذمہ بھی احسان کے اہل ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ''[5]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے منع نہیں کرتا جو نہ دین کے بارے میں تم سے لڑتے ہیں اور نہ انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہے۔

البتہ وہ کافر حربی جو دار الحرب میں ہے اس کے لیے وصیّت باطل ہے کیونکہ ان کی طرف سے مسلمانوں کو امن کا کوئی اطمینان نہیں ہے وہ کسی بھی وقت مسلمانوں کو نقصان دینے کے لیے منصوبہ بندی کر سکتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ دوستی اور تعلقات رکھنے سے منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

1 ایضا، ۲۷:۱۶۹
2 1993SCMR,P#1073
3 الفتاوی الهندية، ٦:٩١
4 فتح القدير، ١٠:٤٢٦
5 الممتحنة، ٦٠:٨

''إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ''[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمھیں ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے اور تمھیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں شریک ہوئے۔

اگر حربی کافر امان اور ویزہ لے کر مستامن ہو کر دار الاسلام آجائے تو اس کا حکم بھی ذمی کی طرح ہو جائے گا اور اس کے لیے وصیّت جائز ہو جائے گی[2] لیکن اگر حربی کافر دار الحرب میں ہو اور دار الاسلام میں موصی نے اس کے لیے وصیّت کی ہو اور وہ صرف وصیّت کا مال لینے کی غرض سے دارالاسلام آئے تو اس کو وصیّت کے مال میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔[3]

مسلمان اور کافر کی وصیّت میں فرق یہ ہے کہ مسلمان کے لیے دیگر ورثہ کی اجازت کے بغیر اپنے مال کی تہائی سے زیادہ وصیّت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں اس مسلمان کے ورثہ کے حق کا ضیاع ہے اور مسلمانوں کے ورثہ کے حقوق معصوم ہیں۔ شریعت ان کو ضائع کرنے کی اجازت نہیں دیتا جب کہ کافر اپنے پورے مال کی بھی وصیّت کر سکتا ہے جب کہ ان کے ورثہ دار الحرب میں ہو کیونکہ شریعت نے کافر کے ورثہ کے حقوق کو معصوم قرار نہیں دیا۔[4]

**دفعہ 19: پورے مال کے بقدر یا اس سے زیادہ قرضہ ہونے کی صورت میں وصیت جائز نہ ہو گی۔**[5]

**وضاحت:**

قرض اور وصیّت میں زیادہ اہم ادائے قرض ہے کیونکہ ادائے قرض فرض ہے اور وصیّت تو محض ایک تبرع اور احسان ہے اسی وجہ سے میت کے ترکہ میں سے سب سے پہلے اس کے قرض کو ادا کیا جاتا ہے بعد میں وصیّت نافذ کی جاتی ہے۔[6] اس لیے اگر ایک شخص پر اپنے پورے مال کے بقدر قرض ہو تو اس کے لیے وصیّت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ادائے قرض وصیّت پر مقدم ہے البتہ اگر قرض خواہوں نے مقروض کو قرض سے بری اور معاف کر دیا تو اب اس کی وصیّت مذکورہ جائز ہو جائے گی کیونکہ قرض ختم ہونے کی وجہ سے وصیّت کا مانع زائل ہو گیا۔[7]

**تقابل:**

اسلامی حکم کی طرح پاکستانی قانون میں بھی یہ بات موجود ہے کہ تجہیز و تکفین کے اخراجات اور قرض کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ ترکہ کی ایک تہائی حد تک وصیت نافذ العمل ہو گی جب تک قرضہ موجود ہو تو وصیت نافذ العلم نہیں ہو گی لہذا اگر پورا مال قرضہ میں جا رہا ہو تو اس صورت میں بھی وصیت جائز نہیں ہو گی۔[8]

---

1 الممتحنة، ٦٠: ٩
2 العناية شرح الهداية، ١٠: ٤٢٦
3 فتح القدير، ١٠: ٤٢٧
4 بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ٧: ٣٣٥
5 الفتاوى الهندية، ٦: ٩٢
6 بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ٧: ٣٣٥
7 متن بداية المبتدي، علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (المتوفى: 593هـ)، ١: ١٥٩، مكتبة ومطبعة محمد علي صبح، القاهرة
8 1987CLC,P#745

**دفعہ 20: موصی کا اہلِ تبرع واحسان میں سے ہونا ضروری ہے۔**[1]

**وضاحت:**

وصیّت کی تعریف میں چونکہ یہ بات داخل ہے کہ یہ موت کے بعد کسی کو بطورِ تبرع اپنے مال کا مالک بنانا ہوتا ہے اس لیے موصی کا اہلِ تبرع میں سے ہونا ضروری ہے اور اہلِ تبرع ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کو اپنے مال کے بارے میں مکمل اختیار حاصل ہوتا ہے اور شریعت نے ان کے تصرفاتِ مالیہ کو جائز قرار دیا ہو لہٰذا بچے، مجنون اور غلام کی وصیّت جائز نہیں ہوگی کیونکہ شریعت نے ان کے تصرفات کو جائز قرار نہیں دیا۔[2]

اگر کسی بچے یا مجنون نے وصیّت کی اور پھر موت سے پہلے پہلے مجنون کو جنون سے افاقہ ہوا یا بچہ بالغ ہوگیا پھر بھی ان کی وصیّت جائز نہیں ہوگی کیونکہ وصیّت کرتے وقت یہ اہلِ تبرع نہیں تھے[3] اور جب بچے میں وصیّت کی اہلیت نہیں ہے تو نہ فی الفور ان کی وصیّت جائز ہوگی اور نہ تعلیقاً، لہٰذا اگر بچہ یوں کہے کہ جب میں بالغ ہو جاؤں تو میرا تہائی مال فلاں کے لیے وصیّت ہے تو اس کی یہ وصیّت باطل ہوگی۔[4]

**دفعہ 21: وصیّت کے جواز کے لیے موصی کی رضامندی شرط ہے۔**[5]

**وضاحت:**

وصیّت کے جواز کے لیے یہ شرط ہے کہ موصی اپنی رضامندی سے وصیّت کرے کیونکہ وصیّت موصی کی طرف سے تملیک ہے اور تملیک میں مملک کی رضامندی ضروری ہوتی ہے لہٰذا اگر کسی موصی نے رضامندی کے بغیر ہنسی مذاق میں یا کسی سے مجبور ہو کر یا غلطی اور خطا سے وصیّت کی تو یہ وصیّت صحیح نہ ہوگی کیونکہ ان عوارض کی وجہ سے رضامندی فوت ہو جاتی ہے۔[6]

**دفعہ 22: حمل کے لیے وصیت اور حمل کی وصیت جائز ہے۔**[7]

**وضاحت:**

وصیّت میں فی الحال مالک بنانا نہیں ہوتا بلکہ میراث کی طرح موت کے بعد کسی کو مالک بنانا ہوتا ہے لہٰذا اگر بوقتِ وصیّت حمل پیٹ میں موجود ہو جس کی علامت یہ ہے کہ وصیّت کے وقت سے چھ مہینے سے کم میں پیدا ہو جائے تو ایسے حمل کے لیے وصیّت کرنا بھی جائز ہے اور ایسے حمل کی کسی کے لیے وصیّت کرنا بھی جائز ہے اور موصی کے موت کے بعد اس پر وصیّت کے احکام جاری ہو جائیں گے۔[8]

---

1 الفتاوى الهندية، ٦: ٩٢

2 الاختيار لتعليل المختار، عبدالله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (المتوفى: 683هـ)، ٥: ٦٤، مطبعة الحلبي، القاهرة (وصورتها دار الكتب العلمية، بيروت، 1356هـ - 1937ء

3 الهداية، ٤: ٥١٥

4 العناية شرح الهداية، ١٠: ٤٣١

5 الفتاوى الهندية، ٦: ٩٢

6 بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ٧: ٣٣٥

7 الفتاوى الهندية، ٦: ٩٢

8 اللباب في شرح الكتاب، عبد الغني بن طالب بن حمادة بن إبراهيم الغنيمي الدمشقي الميداني الحنفي (المتوفى: 1298هـ)، ٤: ١٨٢، المكتبة العلمية، بيروت، لبنان

اگر موصی کسی کے لیے صرف جانور (ماں) کی وصیّت کرتا ہے تو بھی درست ہے اور اگر تنہا اس جانور کے حمل (بچہ) کی وصیّت کرتا ہے جو ابھی ماں کے پیٹ میں ہے تو بھی جائز ہے کیونکہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ تنہا جس چیز کا عقد ہو سکتا ہے تو اس کا عقد سے استثنا بھی ہو سکتا ہے اور جس چیز کا تنہا عقد نہیں ہو سکتا اس کا استثنا بھی نہیں ہو سکتا۔[1]

**تقابل:**

محمڈن لا کی دفعہ ۱۲۰ اور لاہور ہائی کورٹ کے ۱۹۵۶ء کے ایک فیصلہ میں یہ بات مذکور ہے کہ حمل کے لیے وصیت جائز ہے بشرطیکہ ولادت، وصیت کے نفاذ سے چھ ماہ کے اندر ہو البتہ ایسے حمل یا شخص کے لیے وصیت باطل ہے جو موصی کے موت کے وقت وجود نہ رکھتا ہو۔

مذکورہ فیصلے سے یہ بات ثابت ہوئی گئی کہ پاکستانی عدالتوں میں بھی وصیتوں سے متعلقہ فیصلے شرعی قانون کے مطابق ہوتے ہیں۔[2]

**دفعہ 23: موصیٰ لہ کا موصی کے موت کے وقت زندہ حالت میں موجود ہونا ضروری ہے۔[3]**

**وضاحت:**

وصیّت کے شرائط میں سے یہ بات ہے کہ موصی لہ موصی کے موت کے وقت زندہ ہو کیونکہ میت وصیّت کا مستحق نہیں ہے لہذا اگر کسی موصی نے کسی عورت کے حمل کے لیے وصیّت کی لیکن حمل مردہ حالت میں پیدا ہوا تو اس مردہ بچے کے لیے یہ وصیّت جائز نہیں ہوگی کیونکہ میت وصیّت کا اہل نہیں ہے اور اس حمل سے اگر دو بچے پیدا ہو جائے ایک زندہ اور دوسرا مردہ تو تمام وصیّت زندہ بچے کے لیے ثابت ہو جائے گی اور اگر بچہ زندہ پیدا ہوا پھر مر گیا تو چونکہ موصی کے موت کے بعد یہ زندہ حالت میں پایا گیا ہے لہذا یہ وصیّت کا مستحق ہو گا۔ اب اس کا وصیّت والا مال اس کے مرنے کی وجہ سے اس کے ورثہ کو بطور میراث منتقل ہو جائے گا۔[4]

**تقابل:**

شریعتِ مطہرہ کے اس حکم کی طرح محمڈن لا کی دفعہ ۱۲۰ اور لاہور ہائی کورٹ کے ۱۹۵۶ء کے ایک فیصلہ میں یہ بات مذکور ہے کہ حمل کے لیے وصیت جائز ہے بشرطیکہ ولادت، وصیت کے نفاذ سے چھ ماہ کے اندر ہو البتہ ایسے حمل یا شخص کے لیے وصیت باطل ہے جو موصی کے موت کے وقت وجود نہ رکھتا ہو۔

مذکورہ فیصلے سے یہ بات ثابت ہوئی گئی کہ پاکستانی عدالتوں میں بھی وصیتوں سے متعلقہ فیصلے شرعی قانون کے مطابق ہوتے ہیں۔[5]

**دفعہ 24: موصی کا اپنی وصیّت سے رجوع کرنا جائز ہے۔[6]**

---

1 الجوھرۃ النیرۃ، ۲:۲۹۳
2 MohammadanLaw,Section120,PLD1956Lahore,P#786
3 الفتاوی الھندیۃ، ۶:۹۲
4 بدائع الصنائع في ترتیب الشرائع، ۷:۳۳۷
5 MohammadanLaw,Section120,PLD1956Lahore,P#786
6 الفتاوی الھندیۃ، ۶:۹۲

**وضاحت:**

موصی کا اپنا وصیّت سے رجوع کرنا صحیح ہے کیونکہ وصیت ایک تبرع اور احسان ہے اور تبرع اور احسان جب تک تام نہ ہو تو اس سے رجوع جائز ہوتا ہے۔ موصی کے مرنے سے پہلے یہ وصیّت اور تبرع تام نہیں ہوا کیونکہ وصیّت تام تب ہوتا ہے کہ موصی کے ایجاب کے بعد موصی لہ کی طرف سے قبول بھی ہو جائے اور قبول وہ معتبر ہے جو موصی کے موت کے بعد ہو اور اصول یہ ہے کہ اگر ایجاب کے بعد قبول نہ آیا ہو تو قبول سے پہلے پہلے ایجاب کا ابطال جائز ہوتا ہے اور موصی بھی اپنی زندگی میں موصی لہ کے قبول کرنے سے پہلے رجوع کے ذریعے اپنے ایجاب کو باطل کر رہا ہے لہذا اس کا یہ ابطالِ ایجاب اور رجوع جائز ہے۔[1]

رجوع کے دو طریقے ہیں:

**۱:** صراحۃً رجوع کر لیا جائے یعنی ایسے الفاظ استعمال کر لیں جو صراحۃً رجوع پر دلالت کرے جیسے "قد ابطلت الوصية ياقد ابطلت ايجاب الموصى ياتركتها يانقضتها"

**۲:** موصی بہ میں کوئی ایسا فعل یا تصرف کیا جائے جو رجوع پر دلالت کرے کیونکہ دلالت بھی صراحۃً رجوع "قد ابطلت" کے درجہ میں ہے۔[2]

## رجوع پر دلالت کرنے والے چند افعال:

**۱:** موصی نے اگر موصی بہ میں ایسا تصرف کر دیا کہ اس سے موصی بہ کا نام ہی تبدیل ہو گیا تو یہ رجوع شمار ہو گی جیسے موصی نے موصی لہ کے لیے گندم کی وصیّت کی پھر موصی نے اپنے مرنے سے پہلے پہلے اس گندم کو پیس کر آٹا بنا دیا یا چاندی کی وصیّت کی تھی اور اس کا انگوٹھا بنا دیا تو موصی کا یہ فعل وصیّت سے رجوع ہے کیونکہ وصیّت گندم کی تھی اور گندم ابھی باقی ہی نہیں رہا بلکہ وہ آٹا بن گیا ہے۔[3]

**۲:** موصی کی طرف سے ہر ایسا فعل جو موصی بہ میں ایسی زیادتی کو ثابت کرے کہ وہ زیادتی اور اضافہ موصی بہ سے الگ نہ کی جا سکے اور اگر کی جائے تو موصی بہ میں نقصان آرہا ہو یعنی اس اضافے کے بغیر صرف عینِ موصی بہ کو موصی لہ کے حوالے کرنا ممکن نہ ہو تو ایسا فعل رجوع کی دلیل ہے جیسے ستو کی وصیّت کی تھی اس کو گھی میں ملا دیا یا پلاٹ کی وصیّت کی تھی اس میں گھر بنا دی یا روئی کی وصیّت کی تھی اس کو استعمال میں لا کر تکیہ یا بسترہ میں بھر لیا، یا کپڑے کی وصیّت کی تھی موصی نے اسے کاٹ کر کپڑے سی لیے، تو یہ سارے افعال رجوع شمار ہوں گے کیونکہ ان اضافوں کے بغیر اصل موصی بہ کو حوالہ کرنا ممکن نہیں ہے۔[4]

اگر اصل اپنی جگہ بر قرار ہو اور تابع میں ایسا تصرف کر دیا جو اصل کو نقصان نہ دیتا ہو بلکہ یہ افعال موصی بہ کی حفاظت اور فائدہ کے لیے ہو تو ایسا فعل رجوع شمار نہیں ہو گا جیسے وصیّت کیے ہوئے گھر میں چونا کرانا یا وصیّت کی ہوئی پلاٹ میں موجود عمارت کو گرانا یا وصیّت کیے ہوئے کپڑوں کو دھونا، تو یہ افعال رجوع کی دلیل نہیں ہے کیونکہ اصل اپنی جگہ موجود ہے اس میں تصرف نہیں ہوا۔[5]

---

1 العناية شرح الهداية، ۱۰: ۴۳۶

2 الهداية، ۴: ۵۱۵

3 المبسوط، ۲۷: ۱۶۱

4 تحفة الفقهاء، محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (المتوفى: نحو 540هـ)، ۳: ۲۲۳، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، طبعه دوم، 1414ه/1994ء

5 البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ۸: ۴۶۶

۳: موصی نے اگر موصی بہ کے اندر کوئی ایسا تصرف کر دیا جو موصی کے ملک ضائع ہونے کا سبب بنے تو ایسا تصرف اور فعل بھی رجوع کی دلیل ہوگی جیسا کہ موصی نے موصی بہ کو فروخت کر دیا یا ہبہ یا صدقہ کر دیا یا مہر اور وقف کر دیا یا وصیّت کی ہوئی بکری کو ذبح کر دیا تو یہ افعال رجوع کی دلیل ہے کیونکہ وصیّت تو اپنے ملک میں نافذ ہوتی ہے اور جب اس نے ان تصرفات کے ذریعے اپنی ملک ہی کو زائل کر دیا تو یہ رجوع کی دلیل ہے۔[1]

**تقابل:**

جس طرح شریعتِ مطہرہ میں موصی کا اپنی وصیت سے رجوع کرنا جائز ہے اسی طرح پاکستانی قانون میں بھی وصی کو اپنی وصیت سے رجوع کرنے کا اختیار حاصل ہے چنانچہ محمڈن لا کی دفعہ ۱۲۸ اور لاہور ہائی کورٹ کے ۱۹۵۲ کے ایک فیصلے میں مذکور ہے کہ وصیت صراحتاً یا دلالتاً واپس کی جاسکتی ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وصیت کی باب میں ملکی قانون اسلامی احکامات اور اصولوں کے موافق ہے۔[2]

**دفعہ 25: موصی کا موصی لہ کی موجودگی میں وصیّت سے انکار، رجوع شمار ہوگی۔**[3]

**وضاحت:**

موصی اگر موصی لہ کی موجودگی میں اپنی وصیّت سے انکار کر دے تو اس کا یہ انکار وصیّت سے رجوع شمار ہوگی اور وصیّت باطل ہو جائے گی کیونکہ رجوع میں فی الحال وصیّت سے نفی کرنا ہوتا ہے اور رجوع جائز ہے جب کہ انکار میں فی الحال بھی وصیّت سے نفی کرنا ہوتا ہے اور زمانہ ماضی میں بھی وصیّت سے نفی کرنا ہوتا ہے تو جب فی الحال کے انکار اور نفی سے رجوع ہو جاتا ہے تو ماضی اور حال دونوں کی نفی سے بدرجہ اولی رجوع ہو جائے گا اور اگر موصی موصی لہ کی غیر موجودگی میں وصیّت سے انکار کرتا ہے تو یہ انکار رجوع شمار نہیں ہوگی بلکہ وصیّت درست اور نافذ ہوگی کیونکہ رجوع کا معنی ہے کہ پہلے سے ایک شے اور حکم موجود ہو اور اس سے رجوع کیا جائے جب کہ جحود اور انکار پہلے سے ایک شے اور حکم کے عدم کا تقاضا کرتا ہے تو اگر انکار کو رجوع قرار دیا جائے تو یہ ماضی میں وجودِ وصیّت اور عدمِ وصیّت دونوں کا تقاضا کرے گا اور دونوں کا ہونا محال ہے لہذا انکار کو رجوع قرار دینا بھی محال اور باطل ہے۔[4]

**دفعہ 26: موصی کا اصل وصیّت سے رجوع نہ کرنا اور صرف اس کے صفات کو تبدیل کرنا رجوع نہیں ہوگا۔**[5]

**وضاحت:**

اگر موصی وصیّت کرنے کے بعد اصل وصیّت سے رجوع نہیں کرتا بلکہ صرف اس کے اوصاف کو تبدیل کرتا ہے تو یہ رجوع نہیں ہوگا جیسے کوئی شخص وصیّت کرنے کے بعد کہے: میری کی ہوئی ہر وصیّت حرام اور سود ہے۔ یا کہا کہ میں اپنے وصیّت کو مؤخر کرتا ہوں تو یہ رجوع نہیں ہوگا کیونکہ وصیّت کا حرام ہونا، سود ہونا یا مؤخر ہونا یہ وصیّت کے اوصاف ہیں اور جب وصف موجود ہوتی ہے

---

1 المبسوط، ۲۷: ۱۶۲

2 PLD 1952, Lahore, P# 294; 2001 YLR, P# 3153

3 الفتاوى الهندية، ٦: ٩٣

4 مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (المتوفى: 1078هـ)، ٢: ٦٩٥، دار إحياء التراث العربي، بدون طبعة وبدون تاريخ

5 الفتاوى الهندية، ٦: ٩٣

تو وہ چیز یعنی موصوف بدرجہ اولی موجود ہو گی لہذا یہاں بھی جب وصیّت کے اوصاف موجود ہے تو وصیّت بھی موجود ہو گی اور جب وصیّت موجود اور باقی ہے تو ان الفاظ کو رجوع قرار نہیں دیا جا سکتا البتہ اگر صراحتاً باطل یا ترک کے الفاظ استعمال کریں تو یہ وصیّت سے رجوع ہو گی کیونکہ باطل اور متروک اس چیز کو کہتے ہیں جو معدوم اور ختم ہوئی ہو اور معدوم ہو جانا رجوع ہے۔[1]

**دفعہ 27: موصی ایک دفعہ وصیّت کرنے کے بعد دوبارہ کسی اور کے لیے وصیت کر دے تو اگر الفاظ میں شرکت کا احتمال موجود ہو تو دونوں موصی لہ اس وصیّت میں اپنے اپنے حصے کے بقدر شریک ہو جائیں گے ورنہ پہلی وصیّت باطل اور دوسری نافذ ہو جائے گی۔**[2]

**وضاحت:**

اگر موصی ایک دفعہ وصیّت کرنے کے بعد دوبارہ کسی اور کے لیے وصیّت کرتا ہے تو اگر دوسری وصیّت والے الفاظ میں شرکت کا احتمال ہو سکتا ہو تو دونوں موصی لہ موصی کے تہائی مال میں اپنے اپنے حصے کے بقدر شریک ہو جائیں گے جیسا کہ ایک شخص نے ایک غلام کی وصیّت ایک شخص مثلاً خالد کے لیے ان الفاظ سے کر دی: اوصیت بہ لخالد۔ اور پھر اس کی وصیّت زید کے لیے بھی کر دی تو یہ غلام خالد اور زید کے درمیان آدھا آدھا قرار دیا جائے گا کیونکہ اس کلام میں کوئی بھی لفظ قطعِ شرکت پر دلالت نہیں کرتا اور لفظ وصیّت شرکت کا احتمال رکھتا ہے یعنی وصیّت میں شرکت کی صلاحیت موجود ہے لہذا یہ غلام مالیت کے لحاظ سے دونوں میں آدھا آدھا تقسیم ہو گا اور اگر اس طرح کہا کہ وہ غلام جس کا میں نے خالد کے لیے وصیّت کیا تھا وہ میں زید کو دیتا ہوں تو پہلی والی وصیّت باطل ہو جائے گی اور یہ پورا غلام زید کے لیے ہو جائے گا کیونکہ اس کلام سے موصی کا مقصد یہ ہے کہ اس غلام کو خالد سے ہٹا کر زید کے لیے اس کی وصیّت کر دیں۔

اگر دوسرا موصی لہ بوقتِ وصیّت ثانی زندہ نہیں ہے بلکہ وصیّت سے پہلے ہی مر چکا ہے تو وصیّت باطل نہ ہو گی کیونکہ پہلی وصیّت صرف اس وقت ٹوٹتی ہے جب کہ وصیّت ثانی صحیح ہو اور یہاں دوسرے موصی لہ کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے وصیّت ثانی صحیح ہی نہیں ہے لہذا پہلی وصیّت صحیح اور درست ہو گی اور اگر موصی کے وصیّت کرتے وقت تو موصی لہ ثانی موجود اور زندہ ہے لیکن وہ موصی کے موت سے پہلے مر گیا تو اب وصیّت دونوں کے حق میں باطل ہو گی اور یہ مالِ وصیّت ورثہ کا ہو جائے گا۔ پہلی وصیّت کے باطل ہونے کی وجہ موصی کا اس سے رجوع ہے اور وصیّت ثانیہ کے باطل ہونے کی وجہ موصی لہ ثانی کا موصی کے موت سے پہلے مر جانا ہے۔[3]

**دفعہ 28: موصِی کا موصٰی بہ کے اندر عارضی اور وقتی تصرف رجوع شمار نہیں ہو گا تاہم مستقل تصرف رجوع شمار ہو گا۔**[4]

**وضاحت:**

1 بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ٧:٣٣٧
2 الفتاوى الهندية، ٦:٩٣
3 تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشِّلْبِيِّ، ٦:١٨٧
4 الفتاوى الهندية، ٦:٩٣

موصِی اگر موصٰی بہ کے اندر عارضی اور وقتی تصرف کرتا ہے جس سے موصیٰ بہ زیادہ وقت کے لیے مشغول نہیں ہوتا تو ایسا تصرف رجوع شمار نہیں ہو گا جیسے وصیّت کی ہوئی زمین میں موصِی نے سبزی کاشت کی تو یہ عمل رجوع شمار نہیں ہو گا کیونکہ سبزی عارضی طور پر تھوڑے وقت کے لیے کاشت کی جاتی ہیں لیکن اگر موصِی نے وصیّت کی ہوئی زمین میں انگور یا کھجور وغیرہ کا باغ لگا دیا تو یہ عمل رجوع شمار ہو گی کیونکہ باغ لگانا عارضی وقت کے لیے نہیں ہوتا ہے بلکہ ہمیشہ کے لیے زمین کو ان درختوں کی وجہ سے مشغول کرنا ہوتا ہے۔[1]

**دفعہ 29: موصِی کے مرنے سے پہلے موصٰی بہ کا اس طور پر متغیر ہو جانا کہ اس کا نام ہی تبدیل ہو جائے، رجوع شمار ہو گا۔**[2]

**وضاحت:**

موصِی کے مرنے سے پہلے پہلے اگر موصٰی بہ میں خود بخود یا موصِی کے تصرف سے ایسا تغیر پیدا ہو گیا کہ اس کا نام ہی تبدیل ہو گیا تو یہ تغیر اور تبدیلی رجوع شمار ہو گی اور وصیّت باطل ہو جائے گی جیسا کہ موصِی نے کسی کے لیے کچے کھجور کی وصیّت کی تھی لیکن اس کے مرنے سے پہلے پہلے وقت گزرنے کی وجہ سے وہ کھجور پک گیا یا انگور کی وصیّت کی تھی لیکن موصِی کے مرنے سے پہلے پہلے وہ کشمش بن گیا یا انڈوں کی وصیّت کی تھی اور اس سے چوزے پیدا ہو گئے تو ان تمام صورتوں میں وصیّت باطل ہو جائے گی اور یہ تغیرات رجوع شمار ہوں گے کیونکہ موصٰی بہ کا نام تبدیل ہو گیا وہی موصی بہ باقی نہیں رہا بلکہ وہ دوسری شے بن گئی۔ اگر موصِی کے موت تک موصٰی بہ اسی کیفیت پر رہے اور موصِی کے مرنے کے بعد اس میں تغیر پیدا ہو کر اس کا نام تبدیل ہو جائے تو وصیّت نافذ ہو گی۔[3]

اگر موصٰی بہ کے بعض حصے میں تبدیلی آئی ہو اور بعض حصہ اپنی حالت پر برقرار ہو تو تبدیل شدہ موصٰی بہ میں وصیّت باطل ہو گی اور غیر تبدیل شدہ موصٰی بہ میں وصیّت نافذ ہو گی۔[4]

**دفعہ 30: مالِ غیر کی وصیّت، غیر کی اجازت پر موقوف ہو گی۔**[5]

**وضاحت:**

اگر کسی موصِی نے غیر کے مال کی وصیّت کر دی جو اس کے پاس کسی نے بطورِ امانت رکھی تھی تو یہ وصیّت، اس غیر کے اجازت اور سپردگی پر موقوف ہو گی۔ اگر اس غیر نے موصِی کے موت کے بعد اس وصیّت کی اجازت دے دی تو ٹھیک ورنہ وصیّت باطل ہو جائے گی اور اجازت کی صورت میں یہ اس غیر کی طرف سے ہبہ اور تبرع ہو گی اور واہب کو اپنے ہبہ سے رجوع کا حق ہوتا ہے لہٰذا یہ غیر شخص (اصل مالک) اجازت کے باوجود اگر موصٰی بہ کے حوالہ کرنے سے رُکتا ہے تو اس کے لیے جائز ہو گا۔ مثلاً زید کے پاس عابد کی امانت رکھی ہوئی تھی۔ اس میں سے زید نے ہزار روپے کی وصیّت بکر کے لیے کر دی تو چونکہ یہ وصیّت مالِ غیر کی ہے اس لیے یہ وصیّت عابد کی اجازت پر موقوف ہو گی۔ اگر اس نے زید (موصِی) کی موت کے بعد اجازت دے دی اور سپرد کی تو ٹھیک ورنہ وصیّت

---

1 بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ۷: ۳۸۴
2 الفتاوی الهندية، ۲: ۹۴
3 البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ۷: ۱۹۱
4 بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ۷: ۳۸۴
5 الفتاوی الهندية، ۲: ۹۴

باطل ہو جائے گی۔ جوازِ وصیّت کے لیے ضروری ہے کہ عابد موصیٰ بہ کو بکر کے قبضہ میں دے کر ان کے حوالہ کر دے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عابد کا فعلِ مذکور ہبہ کے درجہ میں ہے اور ہبہ کی تمامیت کے لیے قبضہ اور سپردگی شرط ہے لیکن اگر عابد نے اجازت دے دی لیکن موصیٰ بہ کو ابھی موصیٰ لہ بکر کے سپرد نہیں کیا تھا تو اس کو حق ہے کہ دینے سے رُک جائے۔[1]

اگر موصِی (مالک) نے تہائی سے زیادہ کی وصیّت کر دی ہو تو اس صورت میں بھی یہ مالِ غیر (ورثہ کے مال) کی وصیّت ہے اور تہائی سے زیادہ کی وصیّت ورثہ کی اجازت پر موقوف ہو گی اور یہ اجازت بغیر تسلیم کے بھی درست ہو گی اس لیے کہ یہاں وصیّت شروع سے درست ہے۔ مالک نے کی ہے البتہ اس میں رکاوٹ "ورثہ کا حق" تھا اور جب ورثہ نے اجازت دے کر اپنا حق ساقط کر دیا تو وصیّت موصِی (مالک) کی جانب سے نافذ ہو جائے گی۔[2]

1 الھدایة، ۴: ۵۲۴

2 بدائع الصنائع في ترتیب الشرائع، ۷: ۳۷۱

**دفعہ 31: مرنے کے بعد کسی کو وکیل بنانا وصیّت جب کہ زندگی میں کسی کو وصی بنانا، وکالت ہے۔**[1]

**وضاحت:**

وکالت اور وصایت دونوں میں غیر کو کسی کام کے لیے اپنا قائم مقام بنانا ہوتا ہے لہذا ان دونوں الفاظ میں سے ایک لفظ کو دوسرے کی جگہ پر استعمال کرنا درست ہے۔ وکالت کا تعلق زندگی کے ساتھ ہے جب کہ وصایت کا تعلق موت کے بعد کے ساتھ ہے لہذا اگر زندگی میں کام دوسرے کو سونپ دیا ہے تو وہ وکالت ہوگی اگرچہ الفاظ وصیّت کے استعمال کیے ہوں اور اگر موت کے بعد کسی کو کام سپرد کیا تو وہ وصیّت ہوگی اگرچہ الفاظ وکالت کے ہوں۔[2]

**دفعہ 32: وصی بنانے کو اجرت پر معلق کرنا درست نہیں۔**[3]

**وضاحت:**

اگر کسی شخص نے دوسرے شخص کو اپنا وصی بنایا اس شرط پر کہ اسے سو روپے اجرت دے گا تو اجرت کی شرط باطل ہوگی اور سو روپے اس کے لیے بطورِ وصیّت کے ہو جائیں گے اور وہ اس کا وصی ہو جائے گا۔ اجارہ کی شرط اس لیے باطل ہوگی کہ وصی بننے کا تعلق موت کے بعد کے ساتھ ہے اور اجارہ موت سے باطل ہو جاتا ہے۔[4]

**دفعہ 33: موصی کا اپنے مال کو اپنی طرف منسوب کرکے کسی کے لیے اس میں کوئی چیز ثابت کرنا وصیّت ہے جب کہ اپنے مال کو بطور ظرف ذکر کرکے اس میں سے کسی کے لیے کوئی چیز ثابت کرنا اقرار شمار ہوگا۔**[5]

**وضاحت:**

موصی اگر کسی کے لیے اپنے مال یا جائیداد میں سے کوئی چیز ثابت کرتا ہے اور اپنے مال وجائیداد کو اپنی طرف منسوب کرکے یوں کہتا ہے: سدسی داری لفلان، یا لفلان الف درھم من مالی تو یہ قول وصیّت شمار ہوگی اور اگر اپنے مال اور جائیداد کو حرفِ "فی" کے ذریعے بطورِ ظرف ذکر کرکے کسی کے لیے کوئی چیز ثابت کرتا ہے اور کہتا ہے: لفلان فی مالی الف درھم۔ یا لفلان سدس فی داری۔ تو یہ قول اقرار شمار ہوگا کیونکہ اپنے مال کی اپنی طرف نسبت کرنا اپنی ملکیت کو ظاہر کرکے کسی کے لیے کوئی چیز ثابت کرنا ہے جب کہ حرفِ "فی" ذکر کرکے اپنے مال کو ظرف بنا رہا ہے اس چیز کے لیے جس کا پہلے سے فلاں شخص مالک بن چکا ہے اور پہلے سے کسی کی ملکیت کو اپنی ملکیت میں ثابت کرنا اقرار ہے۔[6]

---

1 الفتاوی الهندية، ۶: ۹۴

2 الدر المختار، ۶: ۷۰۰

3 الفتاوی الهندية، ۶: ۹۴

4 الدر المختار، ۶: ۷۱۳

5 الفتاوی الهندية، ۶: ۹۴

6 البحر الرائق، ۸: ۴۶۴

**دفعہ 34: مرض الوفات میں کسی کو اپنے مرنے کے بعد کا کوئی کام حوالہ کرنا یا ذمہ داری سونپنا وصیت ہے۔**[1]

**وضاحت:**

مرض الوفات میں اگر کوئی شخص کسی کو اپنے مرنے کے بعد کا کوئی کام حوالہ کرتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرے بیٹوں کی تیمارداری کردیا کرو یا ان کے کاموں کی نگرانی اور خبر گیری کرو یا میرے فرزندوں کو ضائع مت ہونے دینا یا میرے قرضے ادا کرلو تو ان اقوال سے وہ شخص اس کا وصی ہو جائے گا اور اس کے ترکہ میں سے اس کے اولاد کے احوال کی اصلاح کے لیے مناسب خرچہ کرے گا کیونکہ موت کے بعد کسی کو کام حوالہ کرنا اس کو وصی بنانا ہوتا ہے۔[2]

**دفعہ 35: ایسا کلام جو تعریفِ وصیّت کے مترادف ہو یا حکمِ وصیّت کے مترادف ہو، وصیّت شمار ہوگی۔**[3]

**وضاحت:**

وصیّت منعقد ہونے کے لیے صراحتاً وصیّت یا موت کے الفاظ استعمال کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ کوئی بھی ایسا کلام جو تعریفِ وصیّت کے مترادف ہو یا حکمِ وصیّت کے مترادف ہو وہ کلام وصیّت شمار ہوگی مثلاً موت کی بجائے وہ حادثہ یا واقعہ کا لفظ استعمال کرتا ہے کہ اگر مجھے کوئی حادثہ پیش آگیا تو فلاں شخص کو میرا اتنا مال دے دینا تو یہ وصیّت شمار ہوگی۔ اسی طرح وصیّت کے حکم کے مترادف الفاظ استعمال کرنا یعنی یوں کہے کہ "لفلان الف درهم من ثلثي" تو یہ وصیّت شمار ہوگی کیونکہ ثلث کا لفظ وصیّت کے لیے علامت بن گیا ہے۔ اگر ثلث کی بجائے نصف یا ربع کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اگر وصیّت کے مذاکرہ کے دوران یہ کلام استعمال کیا ہو تو وصیّت شمار ہوگی وگرنہ نہیں۔[4]

**دفعہ 36: مرض الوفات میں وصیّت کے مطالبہ اور مذاکرہ کے وقت مریض کا صرف بثلث مالی (میرا تہائی مال) کہنا وصیّت ہے۔**[5]

**وضاحت:**

مرض الوفات میں اکثر انسان پورا کلام کہنے پر قادر نہیں ہوتا لہٰذا اگر مرض الوفات میں کسی نے مریض کو وصیّت کی طرف متوجہ کیا اور اس نے جواب میں پورا کلام اور جملہ نہیں کہا بلکہ صرف بثلث مالی کہا تو اس کلام ناقص کو بھی پورا کلام اور وصیّت شمار کیا جائے گا کیونکہ سوال اور مطالبہ میں وصیّت کا تذکرہ موجود ہے اور سوال کے الفاظ کا جواب میں لحاظ کیا جاتا ہے اگرچہ جواب میں وہ الفاظ استعمال نہ ہو اور چونکہ موصی لہ کو متعین نہیں کیا لہٰذا اس کا یہ ثلث مال فقراء میں تقسیم کیا جائے گا۔[6]

**دفعہ 37: موصی کے متعدد وصایا میں سے اہم وصیّت کو مقدم کیا جائے۔**[7]

---

1 الفتاوى الهندية، ٦:٩٤
2 العناية شرح البداية، ١٠:٤١٢
3 الفتاوى الهندية، ٦:٩٤
4 البحر الرائق، ٨:٤٦٤
5 الفتاوى الهندية، ٦:٩٥
6 الجوهرة النيرة، ٢:٢٩٦
7 الفتاوى الهندية، ٦:٩٥

**وضاحت:**

موصِی نے اگر متعدد وصیّتیں کی ہوں تو ان میں سے اہم وصیّت کو مقدم کیا جائے گا اگر چہ موصِی نے اپنے کلام میں اسے مؤخر ذکر کیا ہو جیسا کہ حقوق اللہ میں سے فرائض، نوافل پر مقدم ہوں گے۔ اسی طرح حقوق اللہ کے علاوہ وصایا میں سے بھی اس وصیّت کو مقدم کیا جائے گا جو اہم اور موصِی کے لیے آخرت کے لحاظ سے زیادہ فائدہ مند ہو کیونکہ وصیّت کا مقصد میت کو اخروی فائدہ پہنچانا ہے لہذا اگر کسی شخص نے یہ وصیّت کی کہ مرنے کے بعد میرے لاش کو فلاں جگہ لے جا کر دفن کرنا اور وہاں پر میرے مال کے تہائی میں سے ایک مسافر خانہ تعمیر کرنا، ان دونوں وصیّتوں میں سے اگر دونوں پر خرچہ آتا ہو اور ثلث سے پورا نہ ہو سکتے ہوں تو پھر مسافر خانہ کی تعمیر والی وصیّت کو پورا کیا جائے گا اور لاش کو دوسری جگہ لے جانے والی وصیّت باطل ہو گی کیونکہ اہم اور میت کے فائدے والی وصیّت مسافر خانہ کی تعمیر ہے۔ اس کے مقابلے میں کسی خاص مقام پر تدفین والی وصیّت غیر اہم ہے کیونکہ اس پر میت کا کوئی اخروی فائدہ موقوف نہیں ہے۔[1]

اگر تمام وصایا قوت اور اہمیت میں برابر ہوں اور ثلثِ مال سے پورے نہ ہو سکتے ہوں تو پھر اس وصیّت کو مقدم کیا جائے گا جس کو موصِی نے اپنے کلام میں مقدم ذکر کیا ہو۔[2]

## دفعہ 38: میت کا اپنے مرنے کے بعد تعزیت میں آنے والے مہمانوں کے لیے کھانا پکانے کی وصیت، تہائی مال سے جائز ہو گی۔[3]

**وضاحت:**

مریض نے اگر مرض الوفات میں وصیّت کی کہ میرے مرنے کے بعد میری تعزیت میں آنے والے مہمانوں کے لیے کھانا تیار کر لو تو اس کی یہ وصیّت اس کے مال کے تہائی حصے میں نافذ ہو گی کیونکہ موت کی وجہ سے اپنے مال سے اس کی ملکیت منقطع ہو چکی ہے اور اس کھانے کا کھانا صرف ان افراد کے لیے جائز ہو گا جو دور سے آئے ہوں یا میت کے گھر ان کا قیام زیادہ وقت تک ہوں، چاہے وہ غریب ہوں یا مالدار، سب برابر ہیں اور قریب کے لوگ یا جن کا میت کے گھر میں لمبا قیام نہ ہوں ان کے لیے اس کھانے کا کھانا جائز نہ ہو گا۔[4]

## دفعہ 39: موصِی کی اپنے تجہیز و تکفین کے بارے میں وصیّت عرف پر محمول ہو گی۔[5]

**وضاحت:**

وصیّت کے باب میں شریعت نے صاحبِ مال یعنی موصِی کا بھی خیال رکھا ہے کہ مرنے کے بعد وہ اپنے مال سے کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل کر سکے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ورثہ کے حقوق کا بھی خیال رکھا ہے اور ثلث سے زیادہ کی وصیّت کو ناجائز قرار دیا ہے تا کہ کوئی مورِث بوقتِ وفات اپنے ورثہ کو نقصان نہ پہنچا سکے لہذا اگر کوئی موصِی اپنے کفن کے کپڑے یا تدفین کے بارے میں ایسی وصیت

---

1 البحر الرائق، ٨:٥١٨

2 الجوہرة النیرة، ٢:٢٩٥

3 الفتاوی الهندیة، ٦:٩٥

4 الدر المختار، ٦:٦٥٢

5 الفتاوی الهندیة، ٦:٩٥

کرے جس پر خرچہ زیادہ آتا ہو تو اس میں اس کی زندگی کے احوال کو دیکھا جائے گا۔ دنیا میں وہ جس درجے (اعلیٰ، ادنی، متوسط) کی زندگی گزارتا تھا اور کپڑے استعمال کرتا تھا۔ اسی درجے کا کفن اس کے لیے خرید اجائے گا اگرچہ اس نے وصیّت قیمتی کپڑے کی کی ہو۔ اسی طرح باقی امور بعد الموت میں بھی ثلث تک اس کی وصیّت نافذ کی جائے گی۔[1]

**دفعہ 40: میت کی وصیّت ان امور میں جائز ہوگی جس میں اس کا فائدہ ہو۔**[2]

**وضاحت:**

موصِی کے لیے وصیّت کی جواز کا مقصد یہ ہے کہ اگر زندگی میں مالی عبادات میں اس سے کمی بیشی ہوئی ہو تو مرنے کے بعد اپنے مال سے کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھائے اور ان کو تاہیوں کے تدارک کا اسے موقع مل جائے[3] لہٰذا میت اگر ایسی وصیّت کرے جس میں اس کا اخروی فائدہ ہو تو وہ نافذ ہوگی اور اگر ایسی وصیّت کرے جس میں اس کا کوئی فائدہ نہ ہو بلکہ بعض اوقات دیگر زندہ ورثہ اور عام لوگوں کا اس میں نقصان ہو تو ایسی وصیّت باطل ہوگی مثلاً کسی شخص نے وصیّت کی کہ مجھے اپنے گھر میں دفن کرلو تو یہ وصیّت باطل ہوگی اور اس کو عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا کیونکہ اس وصیّت میں موصی کا کوئی اخروی فائدہ نہیں ہے۔ اگر یہ وصیّت کی کہ میرا گھر میرے مرنے کے بعد مسلمانوں کا قبرستان بنایا جائے تو یہ وصیّت نافذ ہوگی کیونکہ اس میں موصِی کے اجر وثواب کا فائدہ ہے۔[4]

اسی طرح اگر اپنے قبر کو پکا کرنے یا اس پر تعمیر کرنے کی وصیّت کی تو یہ وصایا باطل ہوں گے کیونکہ اس میں اس کا کوئی اخروی فائدہ نہیں ہے۔ ورثہ کے مال کا نقصان ہے البتہ اگر جگہ نرم ہو یا کسی درندے کا لاش نکالنے کا خوف ہو اور قبر پکا کرنے کی ضرورت ہو تو ایسے حالات میں وصیّت پر عمل کرکے قبر کو پکا کیا جاسکتا ہے۔[5]

**دفعہ 41: اپنا جنازہ کسی متعین شخص سے پڑھانے کی وصیّت باطل ہے۔**[6]

**وضاحت:**

جنازہ پڑھانا سب سے پہلے اولیا کا حق ہے لہذا اگر کسی موصِی نے اپنا جنازہ کسی متعین شخص سے پڑھانے کی وصیّت کی تو یہ وصیّت باطل ہوگی کیونکہ اس میں اولیا کے حق کو باطل کرنا لازم آتا ہے تاہم اگر اولیا خود نہ پڑھانا چاہے اور موصِی نے کسی نیک صالح شخص کے بارے میں جنازہ پڑھانے کی وصیّت کی ہے اور وہ موقع پر موجود ہے تو ایسی صورت میں موصِی کی وصیّت پر عمل کرنا چاہیے۔[7]

**دفعہ 42: غیر شرعی وصیّت باطل ہوگی۔**[8]

---

1 البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ٨:٥١٧

2 الفتاوى الهندية، ٦:٩٥

3 الهداية، ٤:٥١٤

4 النتف في الفتاوى، أبو الحسن علي بن الحسين بن محمد السُّغْدي، حنفي (المتوفى: 461هـ)، ٢: ٨١٧، دار الفرقان، عمان الأردن، طبعة ثانية 1404هـ–1984ء

5 البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ٨:٥١٨

6 الفتاوى الهندية، ٦:٩٥

7 الدر المختار، ٦:٦٦٦

8 الفتاوى الهندية، ٦:٩٦

**وضاحت:**

وصیّت کا مقصد میت کو آخرت کے اعتبار سے مالی عبادت کا فائدہ پہنچانا ہے لہذا اگر کسی موصی نے غیر شرعی فعل کی وصیّت کی جس میں اجر وثواب تو دور کی بات الٹا گناہ کا خطرہ ہو تو ایسی وصیّت باطل ہوگی جیسے کسی شخص نے وصیّت کی کہ میرے پاؤں میں بیڑیاں اور گردن میں طوق ڈال کر مجھے دفن کیا جائے تو یہ وصیّت باطل ہوگی کیونکہ ایسی تدفین غیر مشروع ہے۔ اس میت کو باقی مسلمانوں کی طرح سنت طریقے سے دفن کیا جائے گا۔[1]

**دفعہ 43: اپنے قبر پر اجرت کے ساتھ قرآن پڑھنے کی وصیّت باطل ہوگی۔**[2]

**وضاحت:**

مطلق قرآن پڑھنا یا قبرستان میں مردوں کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن کریم پڑھنا طاعات میں سے ہے اور طاعات پر اجرت لینا جائز نہیں ہے لہذا اگر کسی نے وصیّت کی کہ فلاں شخص کو اجرت دے کر میرے قبر پر قرآن خوانی کی جائے تو یہ وصیّت اور اجرت باطل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا[3]

ترجمہ: میری آیتوں پر دنیا کا تھوڑا سا فائدہ نہ لیا کرو۔

تاہم تعلیمِ قرآن پر ضرورت کے مد نظر اجرت کو جائز قرار دیا گیا ہے تاکہ تعلیمِ قرآن اور دین کی نشر واشاعت میں کمی نہ آئے اور دین کی خدمت کرنے والوں کی ضرورت بھی پورا ہو لیکن قبروں پر قراءت قرآن کی اجرت میں کوئی ایسی ضرورت موجود نہیں ہے لہذا یہ اجرت جائز نہ ہوگی۔[4]

**دفعہ 44: مسجد کے لیے وصیّت کرنا جائز ہے۔**[5]

**وضاحت:**

مساجد تعمیر کرنا ایمان کی علامت اور اجر وثواب کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ"[6]

ترجمہ: بے شک مساجد وہ لوگ تعمیر کرتے ہیں جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوں۔

اگر کوئی شخص کسی متعین مسجد جیسے بیت المقدس یا مسجد حرام کے لیے وصیّت کردے یا غیر متعین طور پر کسی بھی مسجد کے لیے وصیّت کردے تو یہ وصیّت جائز ہے اور اس کے مال کا ثلث اس مسجد کی تعمیر یا دیگر ضروریات میں خرچ کیا جائے گا تاکہ اگر زندگی میں ان امور خیر میں اس سے کوتاہی ہوئی ہو تو مرنے کے بعد اس کی کچھ نہ کچھ تلافی ہو سکے۔[1]

---

1 البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۵۱۸:۸
2 الفتاوی الهندية، ۹۲:۶
3 البقرة، ۴۱:۲
4 العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية، ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (المتوفى: 1252ھ)، ۱۲۸:۲، دار المعرفة، بیروت، س ن
5 الفتاوی الهندية، ۹۲:۶
6 التوبة، ۱۸:۹

**دفعہ 45: مالی عبادت اور مرکب عبادت کی وصیّت جائز ہے۔ (اپنی طرف سے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کی وصیّت جائز ہے۔)**[2]

**وضاحت:**

خالص بدنی عبادت میں کسی شخص کو اپنا قائم مقام نہیں بنایا جاسکتا لیکن مالی عبادت یا ایسی عبادت جو مالی اور بدنی سے مرکب ہو جیسے حج، میں کسی شخص کو بوقتِ ضرورت اپنا قائم مقام بھی بنایا جاسکتا ہے اور یہ عبادات دوسرے کی طرف سے ادا بھی کی جاسکتی ہیں۔[3]

عبادات کی تین قسمیں ہیں:

۱: خالص مالی عبادت جیسے زکوۃ

۲: خالص بدنی عبادت جیسے نماز اور روزہ

۳: مالی اور بدنی سے مرکب عبادت جیسے حج

خالص مالی عبادت زکوۃ میں تو کسی بھی وقت دوسرے شخص کو اپنا وکیل اور قائم مقام مقرر کیا جاسکتا ہے کیونکہ مقصود مال کا خرچ کرنا ہے اور یہ مقصد دوسرے کے ذریعے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

خالص بدنی عبادات نماز اور روزہ میں کسی بھی حال میں دوسرے کو اپنا قائم مقام نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ بدنی عبادت کا مقصد اپنے آپ کو تھکانا ہے اور یہ مقصد دوسرے کے ذریعے عبادت کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

تیسری قسم کی عبادت حج جو کہ مال اور بدن دونوں سے مرکب ہے اس میں بحالتِ مجبوری اور خود قادر نہ ہونے کے دوسرے کو اپنا قائم مقام بنایا جاسکتا ہے اور یہ عجز موت تک قائم ہو۔ اگر موت تک خود قادر ہونے کا امکان موجود ہو تو پھر دوسرے کو اپنا قائم مقام نہیں بنایا جاسکتا۔[4]

جہاد فی سبیل اللہ بھی مالی اور بدنی عبادت سے مرکب ہے لہذا خود عاجز ہونے کے وقت دوسرے کو اپنا قائم مقام بنایا جاسکتا ہے لہذا مرض الوفات میں جہاد فی سبیل اللہ کی وصیّت جائز ہو گی اور کسی شخص کو موصِی کے مال میں سے اتنا مال دے کر جہاد کے لیے روانہ کیا جائے جو عرف کے مطابق ایک غزوہ میں خرچہ آتا ہو اور اس مال کو وہ اپنے آنے جانے اور جہاد کے دوران قیام اور ضروریات جہاد میں خرچ کرے گا۔ اپنے اہل وعیال پر خرچ نہیں کر سکتا اور اگر کچھ مال بچ جائے تو وہ موصِی کے ورثہ کو واپس کیا جائے گا اور اگر ثلث متعین کیا ہو کہ میرے مال کے ثلث سے جہاد کیا جائے تو پورے ثلث کو جہاد کے امور میں خرچ کیا جائے گا اور ورثہ کو واپس نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر اپنی طرف سے حج کرنے کی وصیّت کی تو یہ وصیّت جائز ہے اور موصِی کے مال سے موصٰی لہ کو اتنا مال دیا جائے گا جس پر حج کی جاسکے اور اس رقم کو موصٰی لہ صرف آنے جانے اور قیامِ حج کے دوران ضروریاتِ حج اور اپنے آپ پر خرچ کرے گا اپنے اہل وعیال یا وصیّت کے علاوہ مصرف میں اس کا خرچ جائز نہ ہو گا۔[5]

---

1 الدر المختار، ٦: ٢٦٤

2 الفتاوى الهندية، ٦: ٩٦

3 فتح القدير، ٣: ١٤١

4 الهداية، ١: ١٦٨

5 شرح السير الكبير، محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (المتوفى: 483هـ)، ص٢٠٩٣، الشركة الشرقية للإعلانات، بدون طبعة، 1971ء

اگر کسی شخص نے اپنے کسی مخصوص چیز مثلاً گھوڑے کی وصیّت کی کہ اس کے ذریعے میری طرف سے جہاد کیا جائے تو یہ وصیّت بھی صحیح ہے اور اس چیز کو ورثہ موصی کی طرف سے جہاد میں استعمال کریں گے، ذاتی استعمال میں لانا جائز نہیں ہو گا اور اگر صرف یہ کہا کہ میرا فلاں چیز اللہ تعالیٰ کے راستے میں دیا جائے اور ساتھ یہ نہیں کہا کہ اس کے ذریعے میری طرف سے جہاد کیا جائے تو صرف کسی فقیر کو اس چیز کا مالک بنانا کافی ہو گا اور جہاد میں استعمال کرنا ضروری نہیں ہو گا کیونکہ موصی نے جہاد میں استعمال کرنے کی صراحت نہیں کی ہے۔

**دفعہ 46: مسلمان کا کافر فقرا کے لیے وصیّت جائز ہے۔**[1]

**وضاحت:**

دینِ اسلام سراسر خیر خواہی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"الدين النصيحة"[2]

ترجمہ: دین سراسر خیر خواہی ہے۔

دین اسلام نے اپنے متبعین کو تمام انسانیت کے ساتھ خیر خواہ رہنے کا درس دیا ہے۔ آپ ﷺ کے قولی اور فعلی احادیث اس بات پر شاہد ہیں کہ آپ ﷺ نے نہ صرف مسلمانوں کے ساتھ بلکہ کافروں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کا درس دیا ہے۔

لہذا اگر کوئی مسلمان، کافر فقرا کے لیے وصیّت کرتا ہے تو یہ وصیّت جائز ہو گی کیونکہ فقرا کے ساتھ تعاون کرنے میں کوئی معصیت نہیں ہے بلکہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ مسلمان کے اس عمل سے متاثر ہو کر وہ دین اسلام میں داخل ہو جائے تاہم ان کی عبادت گاہوں کی تعمیر و مرمت یا عام کفار کے لیے وصیّت جائز نہیں ہے کیونکہ اس مالی تعاون سے کفر اور اہل کفر مضبوط ہو جائیں گے اور دین اسلام کے خلاف استعمال ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ[3]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمھیں ان لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے نہیں روکتا جو تمہارے ساتھ دین میں لڑتے نہیں اور تمھیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے۔

**دفعہ 47: موصی نے اگر اپنے وصیّت کے الفاظ میں لفظ کل استعمال کیا تو پورا ثلث مراد ہو گا۔**[4]

**وضاحت:**

موصی کو اپنے مال میں سے زیادہ سے زیادہ ثلث مال کے وصیّت کی اجازت ہوتی ہے لہذا اگر موصی اپنے وصیّت کے الفاظ میں لفظ کل استعمال کرتے ہوئے یوں کہتا ہے: "کل مایجوز لی ان یوصی بہ فاعطوہ الفقراء"

میرے لیے جتنا بھی وصیّت کرنا جائز ہے وہ سب کا سب فقرا کو دیدے تو یہ موصی کے ثلث مال پر محمول ہو گی جو کہ وصیت کا انتہا اور زیادہ سے زیادہ مقدار ہے اور اگر بغیر لفظ کل الفاظ استعمال کیے: مایجوز لی ان اوصی بہ فاعطوہ الفقراء

---

1 الفتاوی الهندية، ٦: ٩٦

2 صحيح مسلم، ١: ٧٤، حديث: ٥٥

3 الممتحنة، ٦٠: ٨

4 الفتاوی الهندية، ٦: ٩٦

میرے لیے جس مال کا وصیّت کرنا جائز ہے وہ فقرا کو دیدے۔

اس صورت میں ورثہ کو اختیار ہو گا کہ موصی کے مال میں سے جتنا بھی چاہے فقرا کو دیدے کیونکہ موصی نے اپنے وصیّت کے الفاظ میں کوئی مقدار متعین نہیں کیالہذا یہ وصیّت قلیل و کثیر سب مقدار کو شامل ہو گی۔[1]

**دفعہ 48: موصٰی لہ کو متعین کیے بغیر اپنے ثلث مال کا اللہ تعالیٰ کے لیے وصیت کرنا یا فی سبیل اللہ وصیّت کرنا جائز ہے۔[2]**

**وضاحت:**

عام طور پر ہر نیک کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جاتا ہے لہذا اگر موصی وصیّت کے وقت موصٰی لہ کو متعین کیے بغیر یوں کہتا ہے کہ میرا ثلث مال اللہ تعالیٰ کے لیے تو یہ وصیّت جائز ہے اور اس وصیّت کو تمام نیک کاموں میں نافذ کیا جائے گا کیونکہ ہر نیک کام اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر فی سبیل اللہ کا لفظ کہا ہو تو فی سبیل اللہ کا اولاً اطلاق جہاد پر ہوتا ہے لہذا یہ وصیّت اولاً مال جہاد میں صرف کیا جائے گا اور جہاد کے بعد ثانوی طور پر طلبِ علم، دعوتِ تبلیغ، سفر حج ان تمام پر فی سبیل اللہ کا اطلاق ہوتا ہے اور مذکورہ فی سبیل اللہ والی وصیّت ان امور میں صرف کرنا جائز ہو گا۔

اگر اس طرح کہا کہ اپنے ثلث مال کا نیک کاموں کے لیے وصیّت کرتا ہوں، مطلق نیک کام کہا اور کسی خاص نیک کام کو متعین نہیں کیا تو اس وصیّت کو ان نیک کاموں میں صرف کیا جائے گا جس میں کسی ایک متعین شخص کو مالک بنانا نہیں ہوتا بلکہ اجتماعی نیک کام ہوتا ہے جیسے مسجد تعمیر کرنا اور پُل تعمیر کرنا وغیرہ۔[3]

**دفعہ 49: یتیم خانے یا سرائے کے لیے وصیّت اس میں موجود مقیمین پر خرچ کی جائے گی۔[4]**

**وضاحت:**

بعض علاقوں میں یتیم بچوں کی کفالت کے لیے یتیم خانے اور مسافروں کے رات کی قیام کے لیے سرائے بنائے گئے ہوتے ہیں۔ ان کا انتظام مخیر حضرات کے تعاون سے چلتا ہے لہذا اگر کسی شخص نے اپنے ثلث مال کی وصیّت یتیم خانے یا سرائے کے لیے کر دی اور اس میں موجود لوگ اس وصیّت کے مال کی طرف محتاج ہوں تو یہ وصیّت اولاً ان مقیمین پر خرچ کی جائے گی اور اگر اس یتیم خانے یا سرائے میں کوئی مقیم ہی نہ ہو یا اس وصیّت کے مال کی طرف محتاج نہ ہوں تو پھر اس وصیّت کو اس یتیم خانے یا سرائے کی تعمیر اور مرمت پر خرچ کیا جائے گا۔[5]

---

1 البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۸:۴۶۵

2 الفتاوی الهندية، ۶:۹۷

3 الموسوعة الفقهية الكويتية، وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية، ۴۳:۲۴۴ الكويت، 1427ه

4 الفتاوی الهندية، ۶:۹۷

5 البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۵:۲۷۵

## فصل دوم: کتاب الوصایا الباب الثالث اور الباب الرابع کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ

### کتاب الوصایا: باب ۳: تہائی مال کی وصیّت کے بیان میں

**دفعہ 50: موصِی کا ایک موصٰی لہ کے لیے اپنے مال کے نصف کی وصیت اور دوسرے موصٰی لہ کے لیے اپنے مال کے ربع کی وصیّت کی صورت میں پورے مال کا ثلث دونوں موصٰی لہ کے درمیان ان کے حصوں کے بقدر تقسیم کیا جائے گا۔**[1]

**وضاحت:**

شریعت مطہرہ میں صرف اپنے پورے مال کے ثلث کی وصیّت کی اجازت دی گئی ہے لہٰذا اگر کوئی موصی ایک موصی لہ کے لیے اپنے مال کے نصف کی وصیّت کرے اور دوسرے موصی لہ کے لیے اپنے مال کے ربع کی وصیّت کرے تو اب یہ دونوں حصے نصف اور ربع، ثلث مال سے زیادہ ہونے کی وجہ سے ثلث مال سے پورے نہیں ہوسکتے لہٰذا اگر موصی کے ورثہ نے ثلث سے زیادہ وصیّت نافذ کرنے کی اجازت دی دیں تو ایک کو پورے مال کا نصف اور دوسرے کو ربع مل جائے گا اور پورے مال کا ثلث باقی رہ جائے گا۔ وہ شریعت مطہرہ کے مطابق ورثہ آپس میں تقسیم کرلیں گے۔

اگر ورثہ ثلث سے زیادہ وصیّت نافذ کرنے کی اجازت نہ دیتے ہوں تو پھر صرف ثلث مال کو ان دونوں موصی لہ کے درمیان ان کے حصوں کے بقدر تقسیم کیا جائے گا۔ بوقتِ وصیّت موصی نے جس کا حصہ زیادہ بولا ہے اس کو حقیقت میں بھی زیادہ حصہ ملے گا اور جس کا کم حصہ بولا ہے اس کو حقیقت میں بھی کم حصہ ملے گا۔

امام ابوحنیفہؒ کے ہاں موصی کے پورے مال کو ۲۱ حصوں میں تقسیم کیا جائے اور چونکہ وصیّت صرف ثلث مال میں نافذ کرنی ہے اور ۲۱ کا ثلث، سات (۷) آتا ہے لہٰذا ان سات حصوں کو ان دونوں موصی لہ کے درمیان ان کے حصوں کے بقدر تقسیم کرکے وصیّت بالنصف والے کو چار حصے اور وصیّت بالربع والے کو تین حصے دے دیئے جائیں گے، امام صاحبؒ کے ہاں ثلث سے زیادہ کی وصیّت، ثلث ہی مانی جائے گی۔

امام ابو یوسف[2] اور امام محمد[1] رحمہا اللہ کے نزدیک ثلث مال کو تین برابر حصوں میں تقسیم کریں گے اور چونکہ بوقت وصیّت ایک کا حصہ نصف اور دوسرے کا ربع ذکر کیا ہے اور ربع، نصف کا آدھا ہے لہٰذا حقیقت میں بھی ربع والے کو نصف والے کا آدھا مال دیا

---

1 الفتاوی الهندیة، ۶:۹۷

2 امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم (۱۸۲ھ) کوفہ میں پیدا ہوئے۔ آپ امام، مجتہد، محدث، حافظ الحدیث اور قاضی القضاۃ تھے۔ آپ نے امام ابوحنیفہؒ سے علوم حاصل کیے اور فقہ کی ترویج میں پوری زندگی گزار دی۔ آپ کی تصانیف میں کتاب الخراج، کتاب الآثار اور ادب القاضی قابلِ ذکر ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء، ۹:۱۳۴)

جائے گالہذا ثلث مال کے تین حصوں میں نصف وصیّت والے کو دو حصے اور ربع وصیّت والے کو اس کا آدھا یعنی ایک حصہ دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر ایک موصی لہ کے لیے ثلث اور دوسرے کے لیے سدس کی وصیّت کی تو یہ دونوں حصے پورے مال کے ثلث سے پورے نہیں ہو سکتے لہذا پورے مال کے ثلث میں سے ان دونوں موصی لہ کو ان کے حصوں کے بقدر مال دیا جائے گا چونکہ سدس، ثلث کا آدھا ہے لہذا ثلث مال کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ثلث والے کو دو حصے اور سدس والے کو ایک حصہ دیا جائے گا۔[2]

**تقابل:**

فقہ اسلامی کی طرح پاکستانی مسلم لا کے تحت بھی وصیت جائز ہے۔ ہر عاقل بالغ مسلمان اپنی جائداد وصیت کے ذریعے منتقل کر سکتا ہے وارث کے حق میں وصیت، موصی کی موت پر دیگر ورثا کی مرضی پر موقوف ہو گی۔ تجہیز و تکفین کے اخراجات اور قرض کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ ترکہ کی ایک تہائی حد تک وصیت نافذ العمل ہو گی۔ اس سے زیادہ دیگر ورثا کی مرضی پر موقوف ہو گی۔[3]

## دفعہ 51: موصی کا اپنے ثلث مال سے زیادہ، مختلف موصی لہ کے لیے مختلف حصوں کی وصیّت کرنے کی صورت میں صرف اس کا ثلث مال ان موصی لہ کے درمیان ان کے حصوں کے بقدر تقسیم کیا جائے گا۔[4]

**وضاحت:**

موصی کو صرف اپنے ثلث مال کے وصیّت کی اجازت ہے۔ اگر موصی نے اپنے ثلث مال سے زیادہ کی وصیّت مختلف موصی لہ کے لیے کر دی اور ہر ایک کے لیے مختلف حصے بیان کیے چونکہ ثلث سے زیادہ وصیّت موصی کے ورثہ کے اجازت پر موقوف ہوتی ہے لہذا اگر ورثہ نے اپنا حق معاف کر کے ثلث سے زیادہ وصیّت نافذ کرنے کی اجازت دے دی تو ہر موصی لہ کو اس کے حصے کے بقدر مال دیا جائے گا لیکن اگر ورثہ نے ثلث سے زیادہ وصیّت نافذ کرنے کی اجازت نہ دی تو پھر صرف ثلث مال ہی ان کے درمیان ان کے حصوں کے بقدر تقسیم کیا جائے گا لہذا اگر کسی موصی نے ایک موصی لہ کے لیے اپنے ثلث مال کی وصیّت کی تو اگر ورثہ بالکل موجود نہیں ہیں یا موجود ہیں لیکن انہوں نے اجازت دی تو ثلث سے زیادہ مال بغیر کسی کے شرکت کے اس موصی لہ کو دیا جائے گا جس کے لیے کل مال کی وصیّت کی ہے کیونکہ ثلث سے زیادہ میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے اور باقی ثلث میں دونوں موصی لہ برابر کے شریک ہیں لہذا وہ ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کیا جائے گا۔

صاحبینؒ کے ہاں اس صورت میں علم ریاضی کے اصول ذواضعافِ اقل کے ذریعے کل مال کو چار حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ موصی لہ بالثلث کو ایک حصہ جب کہ موصی لہ بجمیع المال کو تین حصے دیئے جائیں گے۔

اگر ورثہ نے ثلث سے زیادہ وصیّت نافذ کرنے کی اجازت نہیں دی تو اس صورت میں دونوں موصی لہ کو صرف ثلث مال میں سے حصہ دیا جائے گا۔ امام صاحبؒ کے ہاں دونوں کو ثلث میں سے برابر آدھا آدھا حصہ دیا جائے گا کیونکہ امام صاحبؒ کے ہاں

---

1 امام محمد بن حسن بن فرقد الشیبانی (۱۸۹ھ) واسط میں پیدا ہوئے اور کوفہ میں پرورش پائی۔ آپ امام اور مجتہد تھے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام ابو یوسفؒ سے علوم حاصل کیے۔ آپ نے فقہ حنفی کی ترویج کے لیے ساری زندگی وقف کر دی تھی۔ آپ کے شاگردوں میں امام شافعیؒ شامل ہے۔ آپ کی تصانیف میں الجامع الکبیر اور الجامع الصغیر مشہور ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ۸:۵۳۵)

2 الهداية، 518:4

3 1987 CLC , P# 745

4 الفتاوی الهندية، ۶:۹۸

جس کے لیے ثلث سے زیادہ کی وصیّت کی ہے تو وہ صرف ثلث ہی شمار ہو گی زیادتی کا اعتبار نہ ہو گا۔ (ورثہ کے اجازت نہ دینے کی صورت میں)

جب کہ صاحبینؒ کے ہاں اس صورت میں بھی ثلث میں دونوں موصی لہ کے حصوں کے تناسب کو ملحوظ رکھ کر حصے دیئے جائیں گے لہذا ثلث کو چار حصوں میں تقسیم کر کے موصی لہ بالثلث کو ایک حصہ اور موصی لہ بجمیع المال کو تین حصے دیئے جائیں گے۔[1]

**دفعہ 52: موصی نے اگر ایک موصی لہ کے لیے ثلث کی وصیّت کی اور دوسرے کے لیے بھی ثلث کی وصیّت کی تو ثلث مال میں دونوں موصی لہ برابر کے شریک ہوں گے۔**[2]

**وضاحت:**

ثلث سے زیادہ وصیّت ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے۔ اگر ورثہ اپنے حق معاف کر کے اجازت دے دیں تو ثلث سے زیادہ وصیّت بھی نافذ ہو جاتی ہے۔ وگرنہ صرف ثلث کی وصیّت درست ہو جائے گی لہذا اگر موصی نے دو موصی لہ کے لیے الگ الگ ثلث مال کی وصیّت کی تو اگر ورثہ نے اجازت دے دی تو دونوں موصی لہ کے لیے الگ الگ پورا ثلث دیا جائے گا اور بقیہ ایک ثلث ورثہ پر تقسیم کیا جائے گا اور اگر ورثہ نے صرف ثلث ہی کی اجازت دی تو پورے مال کا ثلث ہی ان دونوں کے درمیان برابر آدھا آدھا تقسیم کیا جائے گا کیونکہ دونوں موصی لہ سببِ استحقاق میں برابر ہیں تو دونوں کو برابر حصہ ملے گا۔[3]

اسی طرح اگر موصی نے کہا کہ میرا ثلث مال فلاں اور فلاں کو دیا جائے تو یہ ثلث مال ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کیا جائے گا کیونکہ یہاں بھی دونوں موصی لہ سبب استحقاق میں برابر ہیں۔[4]

**دفعہ 53: موصی اگر وصیّت میں مجہول موصی بہ ذکر کرے تو وصیّت جائز ہو گی اور موصی یا ورثہ کے وضاحت پر موقوف ہو گی۔**[5]

**وضاحت:**

موصی بہ کو مجہول ذکر کرنا صحتِ وصیّت کے منافی نہیں ہے لہذا اگر کسی موصی نے موصی بہ کے بارے میں مجہول الفاظ ذکر کر کے کہا کہ "بحظ من ماله یا بشقص من ماله یا بشیئ من ماله یا بنصیب من ماله یا ببعض ماله" (میرے مال کا ایک حصہ، میرے مال میں سے کچھ یا میرے مال میں سے بعض) تو وصیّت درست ہو گی اور اگر موصی زندہ ہے تو اس سے ان مجہول الفاظ کا مطلب پوچھا جائے گا اور اگر وہ مر گیا ہو تو اس کے ورثہ سے وضاحت طلب کی جائے گی کیونکہ ورثہ، موصی کے قائم مقام ہیں۔

اور اگر موصی نے لفظ سہم اور لفظ جز استعمال کرتے ہوئے اس طرح کہا "بسہم من مالی لہ بجز من مالی" تو عرف کے مطابق لفظ سہم اور جز ایک دوسرے کے مترادف ہیں اور یہ مجہول الفاظ ہیں جو قلیل و کثیر کو شامل ہے لہذا موصی کے ورثہ کو کہا جائے گا کہ موصی لہ کو جو تم چاہو دے دو۔

---

1 الجوهرة النيرة، ۲:۲۹۲
2 الفتاوى الهندية، ۶:۹۸
3 البناية شرح الهداية، ۱۳:۴۱۶
4 البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ۸:۵۱۲
5 الفتاوى الهندية، ۶:۹۸

اہل کوفہ کے اصطلاح میں لفظ سہم ورثہ کے حصے کو کہا جاتا ہے لہذا امام صاحبؒ کے نزدیک لفظ سہم سے مراد ہر حال میں سدس ہو گا کیونکہ نسبی ذوی الفروض کے حصوں میں سدس ہی سب سے کم حصہ ہے اور سب سے کم یقینی ہوتا ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ[1] کی روایت میں بھی لفظ سہم سے سدس مراد لیا گیا ہے اور اس روایت کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے جب کہ صاحبینؒ کے نزدیک لفظ سہم سے مراد موصی کے ورثہ میں جس وارث کا حصہ سب سے کم ہو وہ مراد ہو گا البتہ اگر سب سے کم حصہ ثلث سے بڑھ رہا ہو تو اس صورت میں صرف ثلث ہی مراد ہو گا کیونکہ ثلث سے زیادہ وصیّت جائز نہیں ہے۔[2]

**دفعہ 54: لاوارث موصی کا کسی موصی لہ کے لیے لفظ سہم کے ساتھ وصیّت کرنے کی صورت میں موصی لہ کو کل مال کا نصف ملے گا۔**[3]

**وضاحت:**

جس شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کا کوئی بھی وارث نہ ہو تو اس کا مال بیت المال میں دیا جاتا ہے گویا کہ بیت المال اس کے بیٹے کے قائم مقام ہے پس اگر کسی لاوارث موصی نے کسی موصی لہ کے لیے لفظ سہم کو استعمال کرتے ہوئے وصیّت کی تو لاوارث کے حق میں بیت المال بمنزلہ بیٹے کے ہے اور گویا کہ ایک بیٹا موصی لہ ہو گیا لہذا اس موصی کا پورا مال بیت المال اور موصی لہ کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کیا جائے گا۔[4]

**دفعہ 55: ثلث مال کی وصیّت میں سے مجہول مال کا استثنا کرنا پورے وصیّت کو مجہول کر دے گا۔**[5]

**وضاحت:**

اگر کسی موصی نے موصی لہ کے لیے ثلث مال کی وصیّت کی اور اس میں الا شیئا اور الا قلیلا، الا یسیرا جیسے الفاظ کے ساتھ مجہول مال کا استثنا کیا تو اس مجہول استثنا کے ساتھ پوری وصیّت مجہول ہو جائے گی کیونکہ مستثنا کی جہالت مستثنی منہ کے جہالت کو لازم ہے لیکن یہ جہالت وصیّت کے صحت کو نقصان نہیں دیتی لہذا ثلث مال کا نصف موصی لہ کو دیا جائے گا اور نصف ورثہ کے حوالے کیا جائے گا کیونکہ یہاں ثلث مال کی وصیّت مستثنی اور مستثنی منہ دونوں پر مشتمل ہے اور یہ دونوں مجہول ہیں لہذا ثلث کا ادھا مستثنی منہ قرار دے کر وصیّت ہو جائے گی اور آدھا مستثنی قرار دے کر ورثہ کو بطور میراث مل جائے گا۔[6]

**دفعہ 56: کسی وارث کے حصے کی وصیّت جائز نہیں البتہ وارث کے برابر حصے کی وصیّت جائز ہے۔**[7]

---

1 عبد اللہ بن مسعودؓ: عبد اللہ بن مسعود الہذلیؓ چھٹے نمبر پر اسلام لائے۔ دو ہجرتیں کیں۔ غزوہ بدر اور اس کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہمیشہ رہتے تھے۔ آپ کو صاحب نعلین کہا جاتا ہے۔ ۳۲ھ کو وفات پائی۔ (الاصابة فی تمییز الصحابة، ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی (المتوفی: ۸۵۲ھ)، ۴:۱۹۹، دار الکتب علمیہ، بیروت، طبعہ اولی ۱۴۱۵ھ)

2 العنایۃ شرح البدایۃ، ۱۰:۴۴۲

3 الفتاوی الھندیۃ، ۶:۹۹

4 الاختیار لتعلیل المختار، ۵:۷۴

5 الفتاوی الھندیۃ، ۶:۹۹

6 المبسوط، ۲۸:۸۸

7 الفتاوی الھندیۃ، ۶:۹۹

**وضاحت:**

مال غیر کی وصیّت اس غیر کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہوتی لہذا اگر موصی نے کسی وارث کے حصے کی وصیّت کرتے ہوئے کہا کہ اوصیّت لہ بنصیب ابنی (میں فلاں شخص کے لیے اپنے بیٹے کے حصے کی وصیّت کرتا ہوں) تو یہ وصیّت جائز نہیں ہو گی تاہم اگر وارث جتنے حصے کی وصیّت کی اور کہا اوصیّت لفلان بمثل نصیب ابنی (میں فلاں شخص کے لیے اپنے بیٹے جتنے حصے کی وصیّت کرتا ہوں) تو یہ وصیّت جائز ہو گی کیونکہ یہاں موصی نے مال غیر کی وصیّت نہیں کی بلکہ موصی بہ کو مال غیر سے ناپا ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ مشہور قاعدہ ہے کہ کسی شے کا مثل اس شے کا غیر ہوا کرتا ہے۔ موصی نے بھی لفظ مثل استعمال کر کے بیٹے کے حصے کی وصیّت نہیں کی ہے بلکہ موصی لہ کے حصے کا بیٹے کے حصے کے ساتھ ایک موازنہ کیا ہے اور یہ جائز ہے۔[1]

اس مسئلے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہے۔

اگر موصی نے اپنے بیٹے یا بیٹی کے حصے کی وصیّت کی اور اس کا بیٹا یا بیٹی موجود ہو تو یہ وصیّت صحیح نہیں ہو گی کیونکہ یہ موجود بیٹا بیٹی کے حصے کی وصیت کرنا ہے اور غیر کے مال کی وصیّت جائز نہیں اور اگر اپنے بیٹے یا بیٹی کے حصے کی وصیّت کی لیکن اس کا کوئی بیٹا یا بیٹی موجود نہیں ہے تو پھر یہ وصیّت صحیح ہو گی کیونکہ اس صورت میں یہ غیر کے مال کی وصیّت نہیں ہے جب غیر موجود ہی نہیں ہے تو اس کا حصہ بھی نہیں ہو گا اور یہ ایسا ہو گا کہ گویا کہ موصی نے بیٹے یا بیٹی کے حصے جتنا وصیّت کیا ہے۔[2]

اگر موصی نے مثل کا لفظ استعمال کر کے اپنے بیٹے یا بیٹی جتنے حصے کی وصیّت کی ہے تو اس صورت میں اگر اس موصی کے بیٹے بیٹی کا میراث والا حصہ پورے مال کے ثلث کے برابر یا اس سے کم آتا ہے تو بغیر اجازت ورثہ کے یہ وصیّت نافذ ہو جائے گی اور اگر بیٹا بیٹی والا حصہ پورے مال کے ثلث سے زیادہ آرہا ہو تو اس صورت میں ثلث سے زائد کی وصیّت باقی ورثہ کی اجازت پر موقوف ہو گی۔ اگر باقی ورثہ بالکل موجود نہ ہوں یا موجود ہوں اور اجازت دیں تو ثلث سے زیادہ کی وصیّت بھی نافذ ہو جائے گی اور اگر ورثہ نے ثلث سے زیادہ وصیّت کی اجازت نہیں دی تو صرف ثلث مال کی وصیّت نافذ کر کے موصی لہ کو دیا جائے گا۔ اگرچہ بیٹا بیٹی والا حصہ ثلث سے زیادہ آرہا ہو مثلاً کسی موصی نے لفظ مثل استعمال کر کے اپنے بیٹے جتنے حصے کی وصیّت کی اور اس موصی کا ورثہ میں سے صرف ایک بیٹا ہے تو موصی کا پورا مال بیٹے اور موصی لہ کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کیا جائے گا لیکن آدھا حصہ تو ثلث سے زیادہ ہے اس لیے یہ ثلث سے زائد مال بیٹے وارث کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر وہ اجازت دے تو موصی لہ کو نصف مال دیا جائے گا ورنہ صرف ثلث مال دیا جائے گا اور اگر صورت مذکورہ میں موصی کے دو بیٹے ہو تو پورے مال کو تین حصوں میں تقسیم کر کے موصی لہ اور ہر بیٹے کو ایک ایک حصہ یعنی ثلث دیا جائے گا اور ثلث تک وصیّت میں ورثہ کے اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی لہذا بغیر اجازت ورثہ یہ ثلث موصی لہ کو دیا جائے گا اگر موصی نے بیٹی جتنے حصے کی وصیّت کی اور اس کی ایک بیٹی موجود ہے اور ایک بیٹے کی صورت میں میراث کی رو سے اس کا حصہ نصف ہوتا ہے لہذا وصیّت کی رو سے موصی لہ کا حصہ بھی بیٹی جتنا یعنی نصف ہو گا۔ بیٹی کی اجازت کی صورت میں موصی لہ کو نصف ملے گا ورنہ ثلث ملے گا اور اگر صورتِ مذکورہ میں موصی کی دو بیٹیاں موجود ہوں تو میراث کی رو سے دو بیٹیوں کا حصہ دو ثلث ہوتا ہے لہذا وصیّت کی رو سے موصی لہ کا حصہ ایک بیٹی جتنا یعنی ایک ثلث ہو گا۔ پورے مال کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ہر بیٹی اور موصی لہ کو ایک ایک ثلث دیا جائے گا اور ثلث وصیّت کی صورت میں ورثہ کے اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

---

1 الهداية، ۴:۵۱۰

2 بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ۷:۳۵۸

اگر موصی نے لو کان کا لفظ شامل کر کے اس طرح کہا: اوصیّت لفلان بنصیب ابنی اور بمثل نصیب ابنی لو کان (میں فلاں کے لیے اپنے بیٹے کے حصے یا اپنے بیٹے جتنے حصے کی وصیّت کرتا ہوں اگر وہ بیٹا ہوتا) تو اس صورت میں بھی وصیّت درست ہو گی اور موصی کے موت کے بعد جب اس کا ترکہ تقسیم کرنا ہو تو باقی ورثہ کے ساتھ اس فرضی بیٹے یا بیٹی کو بھی شامل کر کے میراث کے قواعد کی روسے ترکہ کی تقسیم کی جائے گی اور فرضی بیٹے کا جتنا حصہ ترکہ میں سے بنتا ہو وہ اگر ثلث کے برابر یا کم ہو تو دیگر ورثہ کی اجازت کے بغیر موصی لہ کے حوالے کیا جائے گا اور اگر ثلث سے زیادہ آرہا ہو تو ورثہ کی اجازت پر موقوف ہو گا۔[1]

مثلا ایک موصی کا انتقال ہو گیا اور اس نے ورثہ میں سے ماں اور ایک بیٹا چھوڑا اور موصی لہ کے لیے ان الفاظ کے ساتھ وصیّت کی تھی: "اوصیّت لفلان بنصیب بنتی لو کانت" (میں فلاں کے لیے اپنی بیٹی کے حصے کی وصیّت کرتا ہوں اگر وہ بیٹی ہوتی) میراث کے قواعد کی روسے اگر وصیّت نہ ہوتی تو یہ مسئلہ چھ سے حل ہوتا سدس یعنی ایک حصہ والدہ کو ملتا اور باقی پانچ حصے بطورِ عصبہ کے بیٹے کو ملتے۔ اب وصیّت جاری کرتے ہوئے بیٹی کا حصہ، بیٹے کے حصے کا نصف یعنی ڈھائی بنتا ہے۔ ڈھائی کو اصل مسئلہ چھ میں جمع کر دیا تو ساڑھے آٹھ ہو گیا۔ میراث کے قواعد کی روسے جہاں کسر (غیر مکمل عدد) آتا ہو تو اس کو دگنا کر کے پورا عدد بنایا جاتا ہے تا کہ تقسیم میں آسانی ہو۔ اس قاعدہ کی روسے اصل مسئلہ کو ساڑھے آٹھ سے دگنا کر کے سترہ کر دیا اور تمام ورثہ اور موصی لہ کے سہام کو بھی دگنا کر دیا۔ پورے مال کو سترہ پر تقسیم کر کے والدہ کو دو حصے، بیٹے کو دس حصے اور موصی لہ کو بیٹی جتنا حصہ یعنی پانچ حصے دے دیں گے۔

اسی طرح اگر موصی کا انتقال ہو گیا اور اس نے ورثہ میں سے زوجہ اور ایک بیٹا چھوڑا اور موصی لہ کے لیے ان الفاظ سے وصیّت کی: اوصیّت لفلان بنصیب ابنی لو کان (میں فلاں کے لیے اپنے بیٹے کے حصے کی وصیّت کرتا ہوں اگر وہ بیٹا ہوتا)۔ میراث کے قواعد کی روسے اگر وصیّت نہ ہوتی تو یہ مسئلہ آٹھ سے حل ہوتا۔ ثمن یعنی ایک حصہ زوجہ کو ملتا اور باقی سات حصے بطورِ عصبہ کے بیٹے کو ملتے اب وصیّت جاری کرتے ہوئے بیٹے کے برابر حصہ جو کہ سات ہے کو اصل مسئلہ یعنی آٹھ میں جمع کر دیا تو حاصل پندرہ آیا۔ چونکہ یہ مکمل عدد ہے اور ورثہ پر پورا پورا بغیر کسر کے تقسیم ہو سکتا ہے لہذا دگنا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کل مال کو پندرہ حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ زوجہ کو دیں گے اور باقی چودہ حصے بیٹے اور موصی لہ میں برابر تقسیم ہو کر ہر ایک کو سات حصے مل جائیں گے۔[2]

**دفعہ 57: وصیّت کرتے وقت اگر موصی لہ کے لیے معرفہ لفظ کے ساتھ وصیّت کی اور پھر دوبارہ اسی موصی لہ کے لیے معرفہ لفظ کے ساتھ وصیّت کی تو دوسری وصیّت سے مراد بعینہ پہلی والی وصیّت ہو گی۔**[3]

**وضاحت:**

عربی لغت کا قاعدہ ہے معرفہ کا جب اعادہ کیا جائے تو ثانی سے عین اول مراد ہوتا ہے۔ ثانی کو مستقل الگ چیز شمار نہیں کیا جاتا۔[4] اس قاعدے کی روسے اگر کسی موصی نے ایک مجلس میں وصیّت کرتے ہوئے کہا: "سدس مالی لفلان" میرے مال کا چھٹا حصہ

---

1 البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ۸: ۴۷۱

2 ایضا، ۸: ۴۷۰

3 الفتاوى الهندية، ۶: ۱۰۴

4 الإيضاح في علوم البلاغة، محمد بن عبد الرحمن بن عمر، أبو المعالي، جلال الدين القزويني الشافعي، المعروف بخطيب دمشق (المتوفى: 739ھ)، ۱: ۱۲۴، دار الجيل، بيروت، س ن

فلاں کے لیے وصیّت ہے) اور پھر اسی مجلس یا دوسرے مجلس میں اسی موصی لہ کے لیے دوبارہ ان الفاظ سے وصیّت کی: "ثلث مالی لفلان" (میرے مال کا تہائی فلاں کے لیے وصیّت ہے)۔ سدس اور ثلث کا مجموعہ نصف آتا ہے۔ ورثہ کی اجازت کے باوجود موصی لہ کو صرف ثلث ملے گا۔ نصف نہیں ملے گا کیونکہ قاعدہ کی رو سے پہلے والا سدس بھی ثلث میں مدغم ہو گیا اور مستقل شمار نہیں ہو گا۔ اسی طرح اگر سدس مالی کے بعد دوبارہ سدس مالی کہا تو سدس اور سدس کا مجموعہ اگرچہ ثلث آتا ہے لیکن موصی لہ کو صرف سدس ہی ملے گا کیونکہ معرفہ کی حالت میں ذکر کرنے کی وجہ سے دونوں سدس سے ایک ہی سدس مراد لیا جائے گا۔[1]

**دفعہ 58: مختلف اموال میں سے مخصوص مال کے ثلث کی وصیّت جائز ہے اور اگر اس مخصوص مال کا دو ثلث ہلاک ہو کر ایک ثلث باقی رہ جائے اور یہ مابقیہ ثلث پورے مال کا ثلث بنتا ہو تو یہی پورا ثلث موصی لہ کو دیا جائے گا۔**[2]

**وضاحت:**

اگر کسی موصی کے پاس مختلف قسم کے اموال ہوں لیکن وہ کسی مخصوص مال کے ثلث کی کسی کے لیے وصیّت کرتا ہے تو یہ وصیّت جائز ہو گی اور اگر اس مخصوص مال میں سے دو ثلث کسی وجہ سے ہلاک ہو جائے اور صرف ایک ثلث مال باقی رہ جائے لیکن یہ ایک ثلث باقی کل مال کا ثلث بنتا ہو یعنی موصی کے پاس اس ایک ثلث مال کے مقابلے میں مزید دو ثلث یا اس سے زیادہ مال موجود ہے تو یہ مابقیہ ثلث پورے کا پورا موصی لہ کو دیا جائے گا۔ یہ حکم متحد الجنس مال کا ہے اور اگر مختلفۃ الجنس اموال میں سے ثلث کی وصیّت کی ہو اور پھر ایک جنس کے دو ثلث ہلاک ہو کر صرف ایک ثلث باقی رہ جائے تو اب وہ ایک ثلث پورا نہیں دیا جائے گا بلکہ اس ثلث کا ثلث موصی لہ کو دیا جائے گا کیونکہ موصی کے موت کے بعد ترکہ موصی لہ اور ورثہ کے درمیان مشترک ہوتا لہٰذا مشترکہ ترکہ میں سے جو ہلاک ہو گیا وہ بھی مشترکہ طور پر ہلاک ہو گی اور جو باقی رہ گیا وہ بھی مشترکہ باقی رہ گیا لہٰذا باقی ثلث صرف موصی لہ نہیں لے گا بلکہ اس میں دو ثلث ورثہ کے اور صرف ایک ثلث موصی لہ کا ہو گا مثلاً کسی شخص کے پاس کچھ دراہم، کچھ بکریاں اور اس کے علاوہ اور بھی مال ہے جو بکریوں یا دراہم کے ثلث سے دگنا ہے۔ اب وہ وصیّت کرتا ہے کہ میرے دراہم یا بکریوں کا تہائی فلاں کے لیے وصیّت ہے تو یہ وصیّت صحیح ہے۔ مگر یہ واقعہ پیش آیا کہ دراہم یا بکریوں میں سے دو ثلث ہلاک ہو گیا اور صرف ایک ثلث باقی رہ گیا جو کہ موصی کے باقی اموال کا ثلث یا اس سے کم ہے تو دراہم یا بکریوں میں سے جو ثلث باقی رہ گیا ہے وہ ثلث پورا موصی لہ کو دیا جائے گا۔ یہی حکم کپڑوں کا بھی ہے اگر وہ ایک جنس کے ہو اور اگر کپڑے مختلفۃ الجنس ہو تو پھر مابقیہ ثلث کا ثلث موصی لہ کو ملے گا۔ تمام مکیلی اور موزونی اشیا متحد الجنس ہونے کی وجہ سے دراہم کے درجہ میں ہیں۔[3]

**دفعہ 59: ترکہ میں نقد اور قرض دونوں موجود ہونے کی صورت میں وصیّت بھی ان دونوں سے پوری کی جائے گی۔**[4]

**وضاحت:**

---

1 الهداية، ۴: ۵۱۹

2 الفتاوى الهندية، ۶: ۱۰۴

3 تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشِّلْبِيِّ، ۶: ۱۸۹

4 الفتاوى الهندية، ۶: ۱۰۴

موصی لہ اور ورثہ ترکہ میں دونوں شریک ہوتے ہیں لہذا اگر ترکہ میں کچھ مال نقد اور کچھ قرض ہے تو اگر وصیّت نقد مال کے ثلث سے پورا ہو سکتا ہو تو وصیّت میں نقد مال دیا جائے گا اور بقیہ دو ثلث نقد مال ورثہ کے لیے رہ جائے گا اور اگر وصیّت نقد مال کے ثلث سے پورا نہ ہو سکتا ہو بلکہ نقد مال کم ہو تو فی الحال موصی لہ کو صرف نقد مال کا ثلث دیا جائے گا اور باقی حصہ اس کو قرض میں سے ملے گا جس کی صورت یہ ہوگی کہ جتنا قرض وصول ہوتا جائے اس کی تہائی موصی لہ کو دیا جائے یہاں تک کہ اس کا حق پورا ہو جائے۔ پوری وصیّت نقد مال سے پوری نہیں کی جائے گی کیونکہ اس صورت میں ورثہ کے حق میں کمی کرنا لازم آئے گا کہ موصی لہ کو تو نقد مال مل گیا اور ورثہ کو وہ ملا جو لوگوں پر قرض ہے۔ حالانکہ نقد مال، قرض سے عمدہ اور افضل ہوتا ہے کیونکہ قرض فی الحال مال نہیں بلکہ وصول یابی کے بعد مال ہوگا لہذا اگر کسی موصی نے موصی لہ کے لیے ایک ہزار درہم کی وصیّت کی اور موصی نے کچھ مال نقد چھوڑا ہے اور کچھ قرض تو اگر نقد مال اتنا ہو کہ جس کے ثلث سے ہزار درہم پورے ہو سکتے ہوں مثلاً تین ہزار یا اس سے زیادہ نقد درہم موجود ہے تو موصی لہ کو نقد مال سے ہزار درہم دیئے جائیں گے اور اگر نقد مال اتنا نہیں ہے تو موجودہ نقد مال کے ثلث کو موصی لہ کے حوالہ کیا جائے اور باقی حصہ اس کو قرض میں سے ثلث کے لحاظ سے پورا کیا جائے۔[1]

**دفعہ 60: مستحق اور غیر مستحق موصی لہ کو وصیّت میں جمع کرنے کی صورت میں پوری وصیّت مستحق کے لیے ہوگی۔**[2]

**وضاحت:**

وصیّت کی وجہ سے موصی کی موت کے بعد موصی بہ میں تملیک ثابت ہوتی ہے لہذا موصی کے موت کے وقت موصی لہ کا مستحق وصیّت ہونا ضروری ہے اگر موصی لہ موجود ہی نہ ہو یا موجود تھا لیکن موصی کے موت کے وقت مر چکا ہے تو معدوم اور میت وصیّت کے مستحق نہیں ہے لہذا اگر کسی موصی نے زید اور بکر دونوں کے لیے اپنے ثلثِ مال کی وصیّت کی لیکن بکر زندہ نہیں ہے یا زید اور گھر میں موجود شخص کے لیے وصیّت کی لیکن گھر میں کوئی موجود نہیں تھا یا زید اور بکر کے بیٹے کے لیے وصیّت کی لیکن بکر کا بیٹا موصی کے موت سے پہلے مر گیا تو ان تمام صورتوں میں پورا ثلث زید کو ملے گا کیونکہ اس کے مقابل باقی افراد یا تو معدوم ہیں یا میت ہیں اور معدوم اور میت وصیّت کے مستحق نہیں ہے اور یہ ایسا ہے جیسا کہ زید اور دیوار کے لیے وصیّت کرنا تو پوری وصیّت زید کو ملے گی کیونکہ دیوار میں وصیّت کے قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔

اگر ان تمام صورتوں میں موصی نے وصیّت کرتے وقت ایسا لفظ استعمال کیا جو تقسیم پر دلالت کرتا ہو جیسے لفظِ بین کو استعمال کرتے ہوئے کہا "ثلث مالی بین زید وبکر" اور موصی لہ ثانی بکر معدوم یا میت ہے تو موصی لہ اول زید کو ثلث کا نصف ملے گا کیونکہ لفظ بین دو آدمیوں کے درمیان ایک چیز تقسیم کرنے پر دلالت کرتا ہے لہذا موصی نے جب اس لفظ کو استعمال کیا ہے تو وہ دونوں موصی لہ میں سے ہر ایک ثلث کا نصف دینے پر راضی ہے لہذا ایک موصی لہ کے مستحق نہ ہونے کی صورت میں دوسرے کو ثلث کا نصف ملے گا۔

**دفعہ 61: موصی نے اگر کسی خاص صفت یا شرط کے ساتھ مشروط موصی لہ کے لیے وصیّت کی ہے تو موصی کے موت کے وقت موصی لہ میں اس شرط یا وصف کا پایا جانا ضروری ہوگا۔**[3]

---

1 الاختیار لتعلیل المختار، ۵:۷۵

2 الفتاوی الهندیة، ۶:۱۰۴

3 الفتاوی الهندیة، ۶:۱۰۵

**وضاحت:**

موصی نے اگر کسی خاص صفت کے ساتھ متصف یا کسی خاص شرط کے ساتھ مشروط موصی لہ کے لیے وصیّت کر دی تو اگر موصی کے موت کے وقت وہ مخصوص صفت و شرط والا موصی لہ موجود ہو تو وصیّت نافذ ہو جائے گی و گرنہ باطل ہو گی۔ مثلاً کسی موصی نے ان الفاظ کے ساتھ وصیّت کی "ثلثِ مالی لفلان ولمن افتقر من ولد عبد اللہ" (میرے مال کا ثلث فلاں شخص اور عبد اللہ کے اولاد میں سے جو محتاج ہوئے ہوں ان کے لیے ہے۔) اب موصی کے وفات کے وقت عبد اللہ کی جتنی اولاد مالداری کے بعد فقیر ہو گئے ہوں وہ وصیّت کے حق دار ہوں گے اور اگر موصی کے موت کے وقت عبد اللہ کی ساری اولاد مالدار ہو یا شروع ہی سے فقیر چلی آ رہی ہو یعنی مالداری کے بعد فقیر نہ بنے ہوں تو ایسی صورت میں عبد اللہ کے اولاد کے لیے وصیّت نافذ نہ ہو گی کیونکہ افتقار اور احتیاج کا معنی ہے مالداری کے بعد فقیر اور محتاج ہو جانا اور وہ معنی ان میں موجود نہیں ہے لہذا یہ وصیّت کے حق دار نہیں ہوں گے اور پورا ثلث دوسرے موصی لہ کو مل جائے گا کیونکہ الفاظِ وصیّت میں ایسا کوئی لفظ موجود نہیں ہے جو موصی لہ کے درمیان مالِ وصیّت کے تقسیم پر دلالت کرتا ہو۔[1]

اسی طرح اگر کہا: "ثلث مالی لبنی فلان" (میرا ثلثِ مال فلاں کے بیٹوں کے لیے ہے۔) تو اگر وصیّت کے وقت موجود بیٹوں کا نام لے کر یا ان کی طرف اشارہ کر کے ان کو وصیّت کے لیے متعین کیا تو موصی کے موت کے وقت صرف وہی متعین بیٹے وصیّت کے حق دار ہوں گے اور اگر نام لے کر یا اشارہ کے ساتھ موجودہ بیٹوں کو متعین نہیں کیا تو موصی کے موت کے وقت جتنے بھی فلاں کے بیٹے ہوں گے وہ وصیّت کے حق دار ہوں گے اگرچہ وصیّت کے وقت موجود نہ ہوں اور بعد میں پیدا ہوئے ہوں کیونکہ اصل اعتبار موصی کے موت کے وقت کا ہے۔[2]

**دفعہ 62: ورثہ نہ ہونے کی صورت میں وصیّت، بیت المال پر مقدم ہو گی۔**[3]

**وضاحت:**

اگر میت کے ورثہ موجود نہ ہو اور کوئی وصیّت بھی نہ کی ہو تو تجہیز و تکفین کا خرچہ دینے کے بعد باقی متروکہ مال بیت المال میں جمع کیا جاتا ہے لیکن اگر میت نے کوئی وصیّت کی ہو تو اس وصیّت کا پورا کرنا بیت المال میں جمع کرنے پر مقدم ہے اور ویسے تو موصی کے صرف ثلثِ مال کی وصیّت نافذ کی جاتی ہے۔ ثلث سے زیادہ ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے لیکن اگر ورثہ نہ ہو یا ایسے ورثہ ہوں کہ ان کو اپنا مقررہ حصہ تو دیا گیا لیکن ترکہ پھر بھی باقی رہا اور ان کو دوبارہ ترکہ میں سے حصہ نہیں دیا جا سکتا۔ علم میراث کی اصطلاح میں ان پر رد نہیں ہو سکتا تو ایسی صورت میں ترکہ سے وصیّت کو پورا کیا جائے گا اگرچہ وہ وصیّت ثلث سے زیادہ ہو کیونکہ اس صورت میں ورثہ کا کوئی نقصان نہیں ہو رہا اور وصیّت پورا کرنے کے بعد باقی ترکہ بیت المال میں جمع کیا جائے گا مثلاً ایک عورت کا انتقال ہوا اور اس نے ورثہ میں سے صرف شوہر چھوڑا اور اپنے نصف مال کی کسی اجنبی شخص کے لیے وصیّت کی تو میراث کے قواعد کی رو سے سب سے پہلے موصی کے ترکہ میں سے ثلث مال موصی لہ کو دیا جائے گا باقی دو ثلث میں سے شوہر اپنا شرعی نصف حصہ (ایک ثلث) لے لے گا۔ اب صرف ایک ثلث باقی رہا اور وارث صرف شوہر ہے جس پر رد (دوبارہ حصہ دینا) نہیں ہو سکتا۔ کل وصیّت نصف تھی جس میں

1 البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۸:۴۷۷
2 فتح القدیر، ۱۰:۴۳۴
3 الفتاوی الهندیة، ۶:۱۰۵

سے صرف ثلث موصی لہ کو ملا تھا اب اس باقی ثلث میں سے بھی وصیّت کی وجہ سے نصف (سدس) موصی لہ کو دیا جائے گا اور باقی نصف (سدس) بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔ موصی لہ کا کل حصہ ثلث اور سدس مل کر نصف ہو جائے گا۔[1]

**تقابل:**

سندھ ہائی کورٹ کراچی کے ۲۰۱۱ء کے ایک فیصلے میں تقسیمِ وراثت کی ترتیب ذکر کر کے وصیت کو بیت المال پر مقدم کیا ہے اور شریعتِ مطہرہ میں بھی تقسیمِ میراث کا یہ حکم ہے کہ ورثہ نہ ہونے کی صورت میں وصیت بیت المال پر مقدم ہوگی[2] جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وصیت سے متعلقہ پاکستانی قوانین اسلامی اصولوں کے موافق ہیں۔

**دفعہ 63: موصی بہ کا موصی کے موت کے وقت موجود ہونا ضروری ہے۔**[3]

**وضاحت:**

وصیّت کا حکم موصی کے موت کے بعد ثابت ہوتا ہے لہٰذا وصیّت میں بوقتِ وصیّت مال کا وجود شرط نہیں ہے بلکہ بوقتِ موتِ موصی مال کا وجود شرط ہے۔ اگرچہ کسی موصی نے موصی لہ کے لیے اپنے ثلثِ مال کی وصیّت کی لیکن موصی کے پاس وصیّت کرتے وقت مال موجود نہیں ہے اور موت کے وقت مال موجود ہو جائے تو وصیّت صحیح ہو گی اور موصی لہ موت کے وقت موجود مال میں سے ثلث کا حق دار ہو گا اور اگر موصی نے کسی متعین چیز یا اپنے مال میں سے کسی خاص قسم کی وصیّت کی اور موصی کے موت سے پہلے پہلے وہ متعین چیز یا مال کی وہ خاص قسم ہلاک ہو گئی تو وصیّت باطل ہو گی اگرچہ موت سے پہلے اس کے پاس وہ چیز یا مال کی وہ خاص قسم دوبارہ حاصل ہو جائے کیونکہ موصی لہ کا حق اسی متعین چیز یا خاص مال کے ساتھ متعلق ہو گیا تھا اور اب وہ نہیں رہا۔ اگر موصی نے اپنے مخصوص مال کی وصیّت کر کے اپنے مال کی طرف منسوب کیا تو مقصود وہ مخصوص مال یا چیز نہیں ہو گی بلکہ اس کی مالیت مقصود ہو گی لہٰذا اگر وہ ہلاک ہو گئی تو اس کی مالیت کے بقدر دیگر مال موصی لہ کو دیا جائے گا اور اگر موصی نے مخصوص مال یا متعین چیز کی وصیّت کی لیکن اپنے مال کی طرف منسوب نہیں کیا تو وہی متعین چیز یا مال مراد ہو گی۔ اگر وہ نہ ہو تو وصیّت باطل ہو جائے گی مثلاً کسی موصی نے کہا: "لہ شاۃ من مالی" (فلاں شخص کے لیے میرے مال میں سے ایک بکری ہے) موصی نے چونکہ موصی بہ کو اپنے مال کی طرف منسوب کیا ہے لہٰذا متعین موصی بہ بکری مراد نہ ہو گی بلکہ بکری کی مالیت کے بقدر کوئی بھی مال دیا جا سکتا ہے اور اگر مثال مذکور میں بکری کو اپنے مال کی طرف منسوب نہیں کیا ہو تو پھر یہی متعین موصی بہ بکری ہی مراد ہو گی۔ اگر موت کے وقت بکری نہ ہو تو وصیّت باطل ہو جائے گی دیگر مال میں وصیّت نافذ نہیں ہو گی۔[4]

**دفعہ 64: وصیّت اور میراث کے باب میں جمع کا اطلاق دو یا دو سے زیادہ افراد پر ہو گا۔**[5]

**وضاحت:**

عربی زبان کے علاوہ باقی زبانوں میں، شمار کرنے کے لیے صرف دو اصطلاح پائے جاتے ہیں:

---

1 البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۸:۴۸۲

2 PLD 2011, Karachi, P# 232

3 الفتاوی الهندیة، ۶:۱۰۶

4 تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشِّلْبِيِّ، ۶:۱۹۰

5 الفتاوی الهندیة، ۶:۱۰۶

۱:واحد(Singular)

۲:جمع(Plural)

ایک چیز کو واحد اور ایک سے زیادہ کو جمع کہا جاتا ہے۔ غیر عربی زبان میں اگر موصی نے جمع استعمال کرتے ہوئے وصیّت کی ہے کہ میرے مال کا تہائی مساکین کو دیا جائے تو اس صورت میں کم از کم دو مساکین کو وہ تہائی مال دیا جائے گا کیونکہ غیر عربی زبان میں جمع کا اطلاق کم از کم دو افراد پر ہوتا ہے۔

عربی زبان میں شمارہ کرنے کے لیے تین اصطلاح پائے جاتے ہیں:

۱:مفرد

۲:تثنیہ

۳:جمع

ایک فرد کے لیے مفرد، دو کے لیے تثنیہ اور دو سے زیادہ کے لیے جمع استعمال ہوتا ہے لیکن میراث اور وصیّت کے مسائل میں عربی زبان میں بھی جمع کا اطلاق کم از کم دو افراد پر ہوتا ہے جو کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ [1]

ترجمہ: ''اگر اس کے بھائی ہو تو میت کے ماں کے لیے سدس ہوگا۔''

اس آیت میں اخوۃ جمع کا لفظ ہے اور اس سے مراد دو یا دو سے زیادہ بھائی ہے کیونکہ دو بھائیوں کی موجودگی میں بھی ماں کو سدس ملتا ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

'' اِلاثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ''[3]

ترجمہ:(دو اور دو سے زیادہ جماعت (جمع) ہے۔)

عربی قواعد کے لحاظ سے اگر جمع پر الف لام داخل ہو جائے جیسے المساکین تو جمعیت کے معنی باطل ہو جاتے ہیں اور اس سے جنس مراد ہوتی ہے اور جنس ادنیٰ فرد ایک کو یقینی طور پر شامل ہوتی ہے اور کل کا احتمال ہوتا ہے[4] لہذا اگر کسی موصی نے وصیّت کے دوران عربی زبان میں جمع کا صیغہ بغیر الف لام کے استعمال کرتے ہوئے کہا: ''اوصیّت بثلث مالی لمساکین''(میں اپنے تہائی مال کی مساکین کے لیے وصیّت کرتا ہوں تو یہ مالِ وصیّت کم از کم دو مساکین پر تقسیم کی جائے گی کیونکہ کم سے کم مقدار (دو) یقینی ہے۔ اگر موصی نے وصیّت کے دوران جمع کا صیغہ الف لام کے ساتھ استعمال کرتے ہوئے کہا: ''اوصیّت بثلث مالی للفقراء والمساکین'' (میں اپنے تہائی مال کا فقرا اور مساکین کے لیے وصیّت کرتا ہوں) تو یہ مالِ وصیّت فقرا اور مساکین کے کم از کم ایک ایک فرد کو دیئے

---

1 النساء،۴:۱۱

2 الوسیط في تفسیر القرآن المجید، أبو الحسن علي بن أحمد بن محمد بن علي الواحدي، النیسابوري، الشافعي (المتوفی:468ھ)، ۲:۲۱، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، طبعة أولی، 1415ھ/1994ء

3 المستدرك علی الصحیحین، أبو عبد الله الحاکم محمد بن عبد الله بن محمد بن حمدویه بن نُعیم بن الحکم الضبي الطهماني النیسابوري المعروف بابن البیع (المتوفی:405ھ)، ۴:۳۷۱، حدیث:۷۹۵۷، دار الکتب العلمیة، بیروت، طبعة أولی، 1411ھ/1990ء

4 البنایة شرح الهدایة، ۹:۱۰۹

جائیں گے کیونکہ جمع کے صیغے پر جب الف لام داخل کر دیا تو اس کا معنی جمعیت باطل ہو گیا اب اس سے مراد جنسِ مساکین ہوں گے اور جنس قلیل و کثیر سب کو شامل ہوتا ہے لہذا ادنی فرد یعنی ایک مراد ہو گا جو کہ یقینی ہے۔[1]

**دفعہ 65: ایک یا زیادہ موصی لہ کے لیے وصیّت کرنے کے بعد مزید موصی لہ کو ان کے ساتھ وصیّت میں شریک کرنا درست ہے۔**[2]

**وضاحت:**

ایک دفعہ وصیّت کرنے کے بعد اس وصیّت میں مزید افراد کو شریک کرنا درست ہے اور یہ تمام موصی لہ اس وصیّت میں برابر کے شریک ہوں گے کیونکہ شرکت برابری کو چاہتی ہے مثلاً موصی خالد نے عمرو اور بکر کے لیے سو، سو روپے کی وصیّت کی اور پھر زید سے کہا کہ میں نے تجھے ان دونوں کے ساتھ شریک کر دیا تو اب یہ تینوں موصی لہ ان دو سو روپوں میں برابر کے شریک ہوں گے اور زید کو ان میں سے ہر ایک کے سو روپے کا ثلث ملے گا۔ یوں ہر موصی لہ کو سو کے دو ثلث (٦٦) مل جائیں گے اور اگر زید نے عمرو کے لیے چار سو کی وصیّت کی اور بکر کے لیے دو سو کی وصیّت کی اور پھر زید سے کہا کہ میں نے تجھے ان دونوں کے ساتھ وصیّت میں شریک کر دیا۔ اب پہلی صورت کی طرح برابری کی صورت تو نہیں نکل سکتی کیونکہ دونوں کے پاس مال متفاوت ہے البتہ ہر ایک موصی لہ اپنے اپنے مالِ وصیّت میں سے موصی لہ ثالث زید کو نصف حصہ دے دیں گے لہذا عمرو اپنے مالِ وصیّت چار سو میں سے دو سو اور بکر اپنے مالِ وصیّت دو سو میں سے سو روپیہ زید کو دے گا تاکہ لفظ شرکت پر بقدرِ امکان عمل ہو سکے۔[3]

**دفعہ 66: مرض الوفات میں قرض کا اقرار وصیّت شمار ہو گی۔**[4]

**وضاحت:**

اگر کوئی شخص مرض الوفات میں کسی کے لیے قرض کا اقرار کرتا ہے تو یہ وصیّت شمار ہو گی کیونکہ اس اقرار کے ذریعے وہ اپنے مرنے کے بعد اپنے متروکہ مال میں سے مقرلہ کے لیے ملکیت ثابت کرتا ہے اور اس کو ورثہ پر مقدم کرنا چاہتا ہے اور یہی وصیّت کا معنی ہے۔ اگر موصی نے اس اقرار کے ساتھ اور بھی وصیّتیں کر رکھی ہوں تو پھر پورے ترکہ میں سے اصحاب الوصایا کے ثلث کو الگ کیا جائے گا اور باقی دو ثلث ورثہ کے لیے الگ کیے جائیں گے کیونکہ اصحاب الوصایا کا ثلث اور ورثہ کے دو ثلث معلوم ہیں اس کے بعد اصحاب الوصایا اور ورثہ کو کہا جائے گا کہ تم مقرلہ کے قرض کی جتنی مقدار میں چاہو اقرار کر لو۔ ہر فریق اپنے اپنے اقرار کے مطابق ماخوذ ہو گا اور ایک فریق دوسرے کے اقرار کی وجہ سے ماخوذ نہ ہو گا لہذا اگر اصحاب الوصایا اور ورثہ دونوں نے مقرلہ کے حق میں بالاتفاق قرض کے ایک مقدار کی تصدیق کر لی تو اس قرض کا ایک ثلث اصحاب الوصایا سے اور دو ثلث ورثہ سے وصول کیے جائیں گے مثلاً اصحاب الوصایا اور ورثہ دونوں نے مقرلہ کے حق میں تین سو روپے کی تصدیق کر دی تو سو روپے اصحاب الوصایا دیں گے اور دو سو روپے ورثہ دیں گے اور اگر ہر فریق نے مختلف مقدار کا اقرار اور تصدیق کر لیا تو ہر فریق اپنے اقرار کے مطابق ماخوذ ہو گا مثلاً اصحاب

---

1 مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، ٢:١٨٧

2 الفتاوى الهندية، ٦:١٠٢

3 العناية شرح الهداية، ١٠:٤٥٢ اور ٤٥٣

4 الفتاوى الهندية، ٦:١٠٢

الوصایا نے چھ سو روپے کا اقرار کیا اور ورثہ نے نو سو روپے کا تو اصحاب الوصایا اپنے اقرار کے ثلث یعنی دو سو روپے دیں گے اور ورثہ اپنے اقرار کے دو ثلث یعنی چھ سو روپے دیں گے۔

مقر لہ کے قرض کو اصحاب الوصایا اور ورثہ دونوں پر اس لیے ڈال دیا کہ اصول میراث میں قرض کو پورے ترکہ میں سے سب سے پہلے نکالا جاتا ہے اس کے بعد وصیّت کا نفاذ اور ترکہ کی تقسیم ہوتی ہے اس لیے اس قرض کو بھی پورے ترکہ پر ڈال دیا گیا اور اصحاب الوصایا اور ورثہ کو اپنے اپنے حصوں کے بقدر ماخوذ کیا گیا۔[1]

## دفعہ 67: تین موصی لہ میں سے کسی ایک غیر متعین موصی لہ کا موصی بہ گم یا ضائع ہونے کی صورت میں وہ تینوں بقیہ موصی بہ میں شریک ہوں گے۔[2]

**وضاحت:**

اگر کسی موصی نے تین موصی لہ کے لیے تین الگ الگ چیزوں مثلاً کپڑوں کی وصیّت کی ہو ان میں سے ایک چیز اعلیٰ دوسرا متوسط اور تیسرا گھٹیا ہو۔ موصی کے موت کے بعد ابھی وصیّت نافذ نہیں ہوئی تھی اور ہر ایک موصی لہ کو اس کا موصی بہ نہیں ملا تھا کہ ایک موصی بہ ضائع ہو گیا اور یہ معلوم نہیں کہ کس موصی لہ کا موصی بہ ضائع ہو گیا ہے۔ ہر ایک دوسرے کے بارے میں شک میں ہے۔ اس صورت میں اگر یہی جہالت برقرار رہی تو وصیّت باطل ہو جائے گی کیونکہ جب مستحق مجہول ہے تو کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا البتہ اگر ورثہ، باقی دو موصی بہ ان موصی لہ کے سپرد کر دے تو یہ دونوں موصی بہ ان تینوں موصی لہ کے درمیان تقسیم کر دیں گے مثلاً کسی موصی نے تین مختلف قسم کے کپڑوں، اعلیٰ، ادنیٰ اور متوسط کی تین لوگوں کے لیے وصیّت کر دی اور وصیّت نافذ ہونے سے پہلے پہلے ایک کپڑا ضائع ہو گیا اور معلوم نہیں کہ کون سا کپڑا ضائع ہوا ہے؟ جس کی وجہ سے مستحق مجہول ہو گیا کہ کون سا موصی لہ کون سے کپڑے کا حق دار ہے۔ اس وصیّت کو بطلان سے بچانے کا طریقہ یہ ہے کہ ان بقیہ دو کپڑوں کے تھانوں کو تینوں موصی لہ کے درمیان تقسیم کیا جائے اور تقسیم کا طریقہ یہ ہے کہ موجودہ دونوں کپڑوں میں اندازہ لگا کر ایک کپڑے کو اعلیٰ اور ایک کو اس کے مقابلے میں گھٹیا قرار دیا جائے۔ صاحبِ اوسط کو ایک ثلث، جید کپڑے سے اور ایک ثلث گھٹیا کپڑے سے دے دیں گے جب کہ جید کے بقیہ دو ثلث صاحبِ جید کو اور گھٹیا کپڑے کے بقیہ دو ثلث صاحبِ ادنیٰ کو دے دیں گے۔[3]

## دفعہ 68: مشترکہ مکان میں سے ایک شریک کا تقسیم سے پہلے کسی متعین کمرے کی وصیّت کرنا درست ہے۔[4]

**وضاحت:**

اگر کسی موصی نے مشترکہ مکان میں سے تقسیم سے پہلے کسی متعین جگہ یا کمرے کی وصیّت کر دی تو یہ وصیّت درست ہے۔ اب تقسیم کے بعد وہ متعین موصی بہ کمرہ موصی کے حصے میں آیا ہو تو موصی لہ کے حوالہ کر دے اور اگر وہ دو شریکوں کے حصے میں آیا

---

1 الجامع الصغير وشرحه النافع الكبير، أبو عبد الله محمد بن الحسن الشيباني (المتوفى: 189ھ)، ١: ٥٢٢، عالم الكتب، بيروت، طبعة أولى، 1406ھ

2 الفتاوى الهندية، ٦: ١٠٦

3 البناية شرح الهداية، ١٣: ٤٣٣

4 الفتاوى الهندية، ٦: ١٠٧

ہو تو اس کمرے کے بقدر حصہ موصی لہ کو دے دیا جائے کیونکہ مقصود متعین کمرہ نہیں ہے بلکہ اس کمرے کے پیمائش کے بقدر زمین کی وصیّت مقصود ہے۔[1]

**دفعہ 69: اگر کوئی وارث اپنے والد کی طرف سے کسی موصی لہ کے لیے ثلثِ مال کی وصیّت کا اقرار کر دے اور پھر اس سے رجوع کرتے ہوئے دوسرے کے لیے اقرار کرے تو یہ رجوع صحیح نہیں ہو گی اور ثلث پہلے موصی لہ ہی کے لیے ہو گی۔[2]**

**وضاحت:**

اگر کسی وارث نے اپنے والد کی طرف سے کسی موصی لہ کے لیے ثلث مال کی وصیّت کی اور پھر اس کے بعد کہا کہ نہیں بلکہ فلاں شخص کے لیے وصیّت کی ہے۔ اب اگر دوسرے موصی لہ کے لیے اقرار، پہلے اقرار کے ساتھ متصل کیا ہو تو دونوں موصی لہ ثلثِ مال میں برابر کے شریک ہوں گے اور اگر اقرارِ ثانی، اول سے انفصال کے ساتھ ہو تو یہ وصیّت پہلے موصی لہ کے لیے ہو گی۔ اس سے رجوع صحیح نہیں ہے اور وارث نے اگر پہلے موصی لہ کو وصیّت کا مال قضائے قاضی کے ساتھ دیا ہو تو موصی لہ ثانی کے لیے کسی چیز کا بھی ضامن نہ ہو گا اور اگر موصی لہ اول کو بغیر قضائے قاضی کے ثلث دیا ہے تو اب اقرار کی وجہ سے موصی لہ ثانی کے لیے بھی ثلث کا ضامن ہو گا کیونکہ بغیر قضائے قاضی کے، یہ موصی لہ اول کو دینے پر مجبور نہیں تھا اس نے اپنی مرضی سے دے کر موصی لہ ثانی کا حق ضائع کر دیا ہے لہٰذا اس صورت میں موصی لہ ثانی کے لیے ثلث کا ضامن ہو گا اور قضائے قاضی کی صورت میں یہ موصی لہ اول کو دینے پر مجبور تھا اس نے اپنی مرضی سے موصی لہ ثانی کا حق ضائع نہیں کیا ہے لہٰذا اس صورت میں ضامن نہیں ہو گا۔[3]

**دفعہ 70: موصی کے موت کے بعد اور تقسیمِ ترکہ سے پہلے موصی بہ میں زیادتی بھی موصی بہ میں شامل ہو گی۔[4]**

**وضاحت:**

میت کا ترکہ جب تک تقسیم نہ ہوا ہو تو وہ حکماً میت کی ملکیت ہوتی ہے کیونکہ اسی ترکہ سے میت کے قرضے اور وصیّتیں ادا کی جاتی ہیں لہٰذا موصی کے موت کے بعد اور تقسیمِ ترکہ سے پہلے اگر موصی بہ میں کچھ اضافہ ہوا جیسا کہ جانور وغیرہ بچہ جنا، دکان وغیرہ کا کرایہ آیا، پھل دار درخت نے پھل دیا تو یہ اضافہ بھی موصی بہ میں شمار ہو گی۔ موصی بہ اس اضافے سمیت اگر پورے مال کا ثلث بنتا ہو اور اس کے علاوہ دیگر ترکہ دو ثلث یا زیادہ بچتا ہو تو یہ موصی بہ اضافے سمیت موصی لہ کو دیا جائے گا ورنہ سب سے پہلے ثلث کو اصل موصی بہ سے پورا کیا جائے گا اور اگر کچھ کمی ہو تو بطور مالیت اضافے سے پورا کیا جائے گا اور اگر تقسیمِ ترکہ کے بعد موصی بہ میں مذکورہ اضافہ ہوا تو وہ ہر حال میں موصی لہ کا ہو گا کیونکہ تقسیمِ ترکہ کے بعد موصی لہ، موصی بہ کا مالک بن گیا ہے اور موصی بہ میت کے ملکیت سے نکل چکا ہے اب جو اضافہ آیا ہے خالص موصی لہ کی ملکیت میں آیا ہے لہٰذا وہ ہی اس کا حق دار ہو گا۔

---

1 تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشِّلْبِيِّ، ٦: ١٩٣

2 الفتاوى الهندية، ٦: ١٠٧

3 بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ٧: ٢١٣

4 الفتاوى الهندية، ٦: ١٠٨

اگر موصی کے موت سے قبل موصی بہ میں اضافہ ہوا تو وہ وصیّت میں داخل نہیں ہو گا بلکہ موصی کی ملکیت میں باقی رہے گی کیونکہ موصی نے اس اضافے کو نہ قصداً وصیّت میں داخل کیا ہے اور نہ کنایۃً اور وصیّت کی وجہ سے ملکیت موت کے وقت ثابت ہوتی ہے۔ موت سے پہلے رجوع کا بھی حق حاصل ہوتا ہے۔[1]

**دفعہ 71: موصی بہ کو موصی لہ کے اجازت کے بغیر بیچنا جائز نہیں۔**[2]

**وضاحت:**

مالِ غیر میں، غیر کی اجازت کے بغیر تصرف جائز نہیں ہے لہٰذا موصی کے موت کے بعد موصی بہ، موصی لہ کی ملکیت ہے۔ موصی لہ کی اجازت کے بغیر موصی بہ میں تصرف جائز نہیں ہو گی لہٰذا اگر موصی کا انتقال ہوا اور اس نے موصی لہ کے لیے باندی یا کسی جانور کی وصیّت کی تھی اور اس باندی یا جانور کے علاوہ موصی کا اور کوئی مال نہیں تھا ورثہ نے موصی کے موت کے بعد موصی لہ کی اجازت کے بغیر اسے بیچ دیا اور مشتری کے ہاں اس کا بچہ پیدا ہوا۔ اس دوران موصی لہ آیا لیکن اس نے بیع کی جازت نہیں دی تو اب باقی تقسیمِ ترکہ کی طرح اس باندی یا جانور اور بچے کے دو ثلث (ورثہ کا حصہ) مشتری کو دے دیں گے اور ان دونوں کا ایک ایک ثلث موصی لہ کو دے دیں گے کیونکہ یہ باندی یا جانور ورثہ اور موصی لہ کے درمیان مشترک تھا اور مشترکہ چیز کو شریک کی اجازت کے بغیر بیچنا جائز نہیں لہٰذا صرف ورثہ کے حصے کے بقدر بیع نافذ ہو جائے گی جو کہ دو ثلث ہے اور موصی لہ کے حصے میں بیع نافذ نہیں ہو گی جو کہ ایک ثلث ہے۔[3]

1 درر الحکام شرح غرر الأحکام، ۲:۴۳۸
2 الفتاوی الهندیة، ۶:۱۰۸
3 البحر الرائق، ۸:۴۸۷

## کتاب الوصایا: باب ۴: بیٹے کا اپنے مرض الوفات میں اپنے باپ کی وصیّت کے اجازت دینے اور اپنے آپ پر یا اپنے باپ پر قرض کا اقرار کرنے کے بیان میں اور جس کی تقدیم کی جائے گی اس کے بیان میں

**دفعہ 72: بیٹے کا اپنے مرض الموت میں والد کے وصیّت کی اجازت دینا بیٹے کی طرف سے وصیّت شمار ہو گی۔**[1]

**وضاحت:**

مرض الوفات میں قرض کا اقرار کرنا یا والد کے سابقہ وصیّت کو جائز قرار دینا بیٹے کی طرف سے وصیّت شمار ہوتی ہے کیونکہ وصیّت کا معنی ہے اپنے مرنے کے بعد کسی کو اپنے مال کا مالک بنانا اور بیٹا بھی مرض الوفات میں کسی کے لیے اقرار کر کے یا والد کے وصیّت کو جائز کر کے اپنے مرنے کے بعد مقر لہ یا موصی لہ کو اپنے مال کا مالک بنانا چاہتا ہے لہذا یہ وصیّت شمار ہو گی مثلاً کسی موصی نے تین ہزار درہم اور ایک بیٹا چھوڑ کر مر گیا اور ایک آدمی کے لیے دو ہزار درہم کی وصیّت بھی کی تھی لیکن دو ہزار درہم کل مال کے ثلث سے زیادہ ہے لہذا صرف کل مال کا ایک ثلث یعنی ایک ہزار وصیّت ہو گی ابھی یہ ایک ہزار روپے موصی لہ کی امانت ہے چاہے فی الحال بیٹا اس کے حوالے کرے یا نہ کرے اور باقی دو ہزار درہم بیٹے کے ہوں گے۔ اب مثلاً بیٹے نے یہ ایک ہزار درہم موصی لہ کے حوالے نہیں کیے تھے کہ خود ہی مرض الموت میں مبتلا ہو گیا اس دوران اس نے اپنے والد کی وصیّت نافذ کرنے کی اجازت دے دی اور اس مال کے علاوہ اس کے پاس کوئی مال نہیں ہے تو مرض الوفات میں والد کے وصیّت کی یہ اجازت دینا بھی بیٹے کی طرف سے نئی وصیّت شمار ہو گی لہذا ایک ہزار روپے تو موصی لہ کو بغیر کسی سے اجازت لینے کے مل جائیں گے کیونکہ یہ پہلے سے بوجہ وصیّت اس کی امانت ہے اور بیٹے کے دو ہزار میں سے بھی بوجہ نئی وصیّت ثلث، موصی لہ کو ملے گا اگر بیٹے نے والد کے وصیّت کی اجازت دینے کے ساتھ ساتھ اپنے ثلثِ مال کی کسی کے لیے صراحتاً وصیّت بھی کر دی تو گویا کہ بیٹے کی طرف سے دو وصیّتیں ہو گئیں۔ ایک اپنے والد کے وصیّت کو مرض الوفات میں جائز قرار دے کر اور دوسری مستقل نئی وصیّت اور یہ دونوں موصی لہ، وصیّت میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہوں گے لہذا بیٹے کے مال (دو ہزار) کے ثلث کو دونوں موصی لہ کے درمیان برابر تقسیم کیا جائے گا۔

اگر بیٹے نے دوسری وصیّت کسی کے آزاد کرنے کی ہے یا اپنے آپ یا والد پر کسی کے لیے قرض کا اقرار کیا تو یہ آزاد کرنا یا قرض ادا کرنا باپ کی وصیّت کو جائز کرنے والی وصیّت سے مقدم ہو گی کیونکہ عتق کی وصیّت اور قرض دیگر وصیتیوں پر مقدم ہوتا ہے اور پھر قرض وصیّت سے بھی مقدم ہوتا ہے اور اگر بیٹے نے حالتِ صحت میں والد کے وصیّت کو جائز قرار دیا ہو تو اس وصیّت کو پورا کرنا عتق، قرض اور دیگر تمام وصیّتوں پر مقدم ہو گا۔[2]

**دفعہ 73: ہر ایسی حالت اور مرض جس میں موت کا خوف غالب ہو مرض الوفات شمار ہو گی اور مرض الوفات کے مالی تصرفات وصیّت کے حکم میں ہوں گے۔**[3]

---

1 الفتاوی الهندية، ۶:۱۰۸

2 الجوهرة النيرة، ۲:۲۹۰

3 الفتاوی الهندية، ۶:۱۰۹

**وضاحت:**

انسان پر بعض حالات اور امراض ایسے آجاتے ہیں جن میں اس کا موت یقینی ہو جاتا ہے ایسے احوال اور امراض مرض الوفات میں شمار ہوتے ہیں اور جس حالت اور مرض میں موت کا خوف غالب نہ ہو وہ مرض الوفات شمار نہ ہو گی[1] مثلاً ایک شخص قید خانہ میں قصاص یا رجم کے واسطے قید ہو اور یا میدان جنگ میں صفوفِ قتال میں کھڑا ہو یا نارمل حالات میں کشتی میں ہو یا ایسی بیماری میں مبتلا ہو جس کا علاج معالجہ ممکن ہے تو ان احوال کا حکم مرض الوفات نہیں ہے اور یہ شخص صحیح شمار ہو گا کیونکہ ان احوال میں مبتلا بہ کا موت غالب نہیں ہے بلکہ اس کا بچنا ممکن ہے اور اگر قید خانہ سے قصاص یا رجم کے واسطے نکالا گیا اور مقتل گاہ لایا گیا یا میدانِ جنگ میں صفوفِ قتال سے نکل کر عملاً جنگ میں مصروف ہو گیا یا کشتی موجوں اور طوفان کے درمیان پھنس گئی یا بیماری ایسی ہے کہ علاج معالجہ ممکن نہیں تو ایسے احوال مرض الموت شمار ہوں گے کیونکہ ان احوال میں موت غالب ہوتا ہے۔[2]

اگر کوئی شخص دائمی بیماری میں مبتلا ہو گیا لیکن موت کا خوف نہیں ہے جیسے کوئی شخص اپاہج ہوا اور کھڑا ہونے کی قدرت نہیں رکھتا یا کسی کو فالج ہو گیا اور تقریباً ایک سال یا اس سے زیادہ اسی حالت میں رہا تو یہ مرض الموت شمار نہیں ہو گا کیونکہ جب یہ بیماریاں طول اختیار کر جاتی ہیں تو طبعی چیز بن کر انسان ان کے ساتھ عادی ہو جاتا ہے اور ان کا علاج معالجہ بھی چھوڑ دیتا ہے۔[3]

اگر مرض الموت والے احوال میں کوئی شخص مالی تصرفات (اقرار، وصیّت یا ہبہ) کرتا ہے تو وہ وصیّت شمار ہو گی اور صرف ثلث مال تک نافذ ہو گی کیونکہ مرض الوفات میں مریض کے مال کے ساتھ ورثہ کا حق متعلق ہو جاتا ہے لہذا صرف ثلثِ مال میں تصرف کا حق دے کر زندہ ورثہ کے حق کا خیال رکھا گیا ہے اور اگر ان مرض الوفات والے احوال سے کوئی شخص نکل جائے اور انہی احوال سے اس کو موت نہ آئے تو پھر اس کے مالی تصرفات پورے مال سے نافذ کیے جائیں گے کیونکہ اب اس کا حکم مریض سے تبدیل ہو کر صحیح کا ہو گیا اور صحیح شخص اپنے مال میں ہر قسم کے تصرف کا حق رکھتا ہے۔

اگر دائمی اور لمبی بیماریوں کے بعد طبیعت زیادہ خراب ہو جائے اور آدمی صاحبِ فراش ہو جائے تو اس کو نیا مرض شمار کیا جائے گا سابقہ لمبی بیماری کا اس حالت کے ساتھ تعلق نہیں ہو گا لہذا لمبی بیماریوں کے تصرفات حالتِ صحت کے تصرفات شمار ہو کر پورے مال سے اور اس نئے مرض الوفات کے تصرفات صرف ثلثِ مال سے نافذ کیے جائیں گے۔

عورت کے دردِ زہ بیماری کا وقت مرض الوفات کا وقت ہے کیونکہ اس دوران بھی موت کا خطرہ ہوتا ہے لہذا اس حالت میں عورت کے تصرفاتِ مالیہ ثلثِ مال سے نافذ ہوں گے اور اگر وہ بیماری سے ٹھیک ہو گئی تو پھر پورے مال سے نافذ کیے جائیں گے۔[4]

---

1 الهداية، ٢: ٢٥٢

2 المبسوط، ٦: ١٦٨

3 البحر الرائق، ٨: ٤٨٨

4 تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشِّلْبِيّ، ٦: ١٩٦

# فصل سوم: کتاب الوصایا الباب الخامس کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ

## باب ۵: مرض الموت میں عتق و محابات اور ہبہ کے بیان میں

**دفعہ 74: موت کے بعد کی طرف منسوب تصرف صرف تہائی مال سے معتبر ہو گی اور فی الحال تصرف میں متصرف کی حالت کا اعتبار ہو گا۔**[1]

**وضاحت:**

متصرف نے جو تصرف ایسا کیا ہو جس کی اضافت موت کے بعد کی طرف ہو جیسے وصیّت اور تدبیر (مدبر بنانا) تو وہ تصرف مال کے تہائی سے معتبر ہو گی۔ متصرف چاہے بوقتِ تصرف تندرست ہو یا مریض کیونکہ اس صورت میں عقد کی حالت کا اعتبار نہیں ہوتا اور جس تصرف کو موت کے بعد کی جانب منسوب نہ کیا ہو بلکہ اس کو فی الحال کیا ہو جیسے فی الحال اعتاق (غلام آزاد کرنا) اور ہبہ تو اس میں عقد کی حالت کا اعتبار ہو گا اگر متصرف اور عاقد بوقتِ عقد تندرست ہوں تو یہ تصرفات پورے مال سے معتبر ہوں گے اور اگر بوقتِ عقد عاقد مرض الوفات میں مبتلا ہو تو یہ تصرفات صرف ثلث مال سے ہی معتبر ہوں گے لہذا اگر مریض ابتداءً اپنے نفس پر کوئی چیز واجب کرے مثلاً وہ کسی کا ضامن یا کفیل بن جائے تو یہ دونوں چیزیں بھی ثلثِ مال سے معتبر ہو گی کیونکہ ثلث سے زائد ضمان یا کفالت واجب کرنے میں موصی متہم ہو گا کہ وہ غیر کو فائدہ پہنچا کر ورثہ کو نقصان پہچانا چاہتا ہے۔[2]

**دفعہ 75: عتق (آزادی) اور محابات کے علاوہ مرض الوفات کے باقی تمام وہ وصایا جو ثلث سے زیادہ نہ ہوں سب برابر ہوں گی۔**[3]

**وضاحت:**

جب مرض الوفات میں مریض بہت سی وصیّت یں کر لیں اور ان میں سے کوئی بھی وصیّت انفرادی طور پر ثلث سے زیادہ نہ ہو تو یہ تمام اصحابُ الوصایا ثلث میں برابر کے شریک ہوں گے اور کسی کو کسی پر کوئی فوقیت نہیں ہو گی۔ مگر اس قانونِ کلی سے تین چیزیں مستثنی ہے، عتق، تدبیر اور محابات۔ (محابات کا مطلب یہ ہے کہ مریض نے بیع کرتے وقت زیادہ قیمت والی چیز کو انتہائی کم قیمت پر فروخت کر دیا یا کم قیمت والی چیز کو زیادہ قیمت پر خرید لیا۔ مرض الوفات میں اپنے مال سے بائع یا مشتری کو فائدہ پہنچانا چاہتا ہے۔) اگر ان تینوں میں سے کوئی چیز دیگر وصایا کے ساتھ جمع ہو جائے تو یہ تصرفات ان وصایا پر مقدم ہوں گے پہلے ان تینوں تصرفات میں سے جو موجود ہوں ان کو ثلثِ مال میں سے نافذ کیا جائے گا اگر کچھ بچ جائے تو اس میں دیگر اصحاب الوصایا اپنے حصے کے بقدر برابر کے شریک ہوں گے اور اگر کچھ نہ بچے تو اصحاب الوصایا کے لیے کچھ نہ ہو گا۔ ان تینوں کو دیگر وصایا پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عتق،

---

1 الفتاوی الهندیة، ٦:١١٠

2 العنایة شرح الهدایة، ١٠:٤٦٣

3 الفتاوی الهندیة، ٦:١١٠

تدبیر اور محابات باقی وصایا سے اقویٰ ہے۔ کیونکہ عتق اور تدبیر کے بعد اگر موصی ان کو فسخ کرنا چاہے تو فسخ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح محابات کو بھی اگر موصی خود فسخ کرنا چاہے تو فسخ نہیں کر سکتا جب کہ دیگر وصایا سے موصی رجوع کر کے ان کو فسخ کر سکتا ہے۔

اگر موصی نے عتق اور محابات کو جمع کر دیا تو امام اعظم ابو حنیفہؒ کے ہاں محابات اَولیٰ اور مقدم ہو گی جب کہ حضرات صاحبینؒ کے ہاں عتق اَولیٰ اور مقدم ہو گی۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ عتق نہ تو معتق کی طرف سے فسخ کو قبول کر تا ہے اور نہ معتَق کی طرف سے، جب کہ محابات موصی کی طرف سے اگر چہ فسخ کو قبول نہیں کر تا لیکن مشتری کی طرف سے اس میں فسخ ہو سکتا ہے چنانچہ اگر موصی میت کے ورثہ بیع محابات کی اجازت نہ دے اور مشتری سے فسخ عقد کا مطالبہ کرے تو مشتری کو یہ عقد فسخ کرنا پڑے گا لہذا محابات میں فسخ ممکن ہونے اور عتق میں ممکن نہ ہونے کی وجہ سے عتق اقوی اور مقدم ہو گا۔ اگر چہ موصی نے محابات پہلے کیا ہو اور بیع میں بھی اسے پہلے ذکر کیا ہو کیونکہ تقدیم اور تاخیر میں حقیقی اور باطنی معنیٰ کا اعتبار ہو تا ہے اور باطنی معنی کے اعتبار سے اعتاق محابات سے اقوی ہے۔

امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ محابات عقدِ بیع کے ضمن میں ثابت ہوتی ہے اور یہ صرف معنیً تبرع ہے لفظ اور صیغہ کے اعتبار سے تبرع نہیں ہے جب کہ اعتاق لفظ اور معنی دونوں اعتبا سے تبرع ہے اور ظاہر ہے کہ جو صرف ایک اعتبار سے تبرع ہو وہ اقویٰ ہو گا اس چیز سے جو دونوں اعتباروں سے تبرع ہو اس وجہ سے محابات اقویٰ اور اَولیٰ ہے۔

حضرات صاحبین کے ہاں تو ہر حال میں عتق مقدم ہو گا چاہے موصی نے محابات مقدم کیا ہو یا عتق جب کہ امام صاحب کے ہاں اس میں تفصیل ہے:

اگر موصی نے محابات مقدم کیا ہو اور عتق موخر تو اس صورت میں محابات مقدم اور اَولیٰ ہو گی اور اگر موصی نے اعتاق مقدم کیا اور محابات موخر تو اس صورت میں محابات اور عتق میں مساوات ہو گی لہذا اگر کسی مریض نے محابات کیا پھر اعتاق کیا اور پھر محابات کیا تو اس صورت میں چونکہ دو محابات جمع ہیں اس لیے ترکہ کا ثلث دونوں محاباتوں میں نصف نصف تقسیم کیا جائے گا پھر دوسری محابات سے پہلے چونکہ عتق ہے اس لیے عتق اور محاباتِ ثانیہ میں مساوات ہو گی اور محاباتِ ثانیہ کے حصے میں جو نصف ثلث ہے اسے ان دونوں کے مابین تقسیم کیا جائے گا اور اگر مریض نے اعتاق کیا پھر محابات کی اور پھر اعتاق کیا تو ثلث، عتقِ اول اور محابات کے درمیان تقسیم کیا جائے گا اور عتقِ اول کے حصے میں جو آئے گا وہ عتقِ اول اور عتقِ ثانی کے مابین تقسیم کیا جائے گا کیونکہ دونوں عتق مساوی ہیں۔

صاحبینؒ کے ہاں ہر حال میں عتق ہی اَولیٰ اور مقدم ہو گی۔[1]

**نوٹ:**

ہمارے قدیم فقہی ذخیرے میں غلام اور لونڈیوں کے متعلق تفصیلی احکام ذکر کئے گئے ہیں اور تقریبا ہر پہلو سے ان پر روشنی ڈالی گئی ہے چنانچہ میراث اور وصیّت کے حوالے سے بھی ان کے خصوصی احکام فقہ کی کتابوں اور فتاوٰی میں موجود ہیں لیکن غلامی کو چونکہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر ممنوع قرار دیا گیا ہے اور آج کے دور میں یہ مسائل کسی بھی ملک میں عملی شکل میں موجود نہیں ہیں

1 مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، ٢:٧٠٦

لہٰذا زیرِ نظر مقالے میں اس موضوع سے متعلق مسائل مستقلاً زیرِ بحث نہیں لائے گئے البتہ ضمناً اس کا تذکرہ ہوا ہے اور اس پر پابندی کے حوالے سے جو قواعد وضوابط ملکی اور بین الاقوامی سطح پر وضع کئے گئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو انسانی حقوق کے عالمی منشور کا چارٹر ڈیکلریشن آف ورلڈ ہیومن رائٹس (Declaration of World Human Rights) پیش کیا گیا۔ اس کے دفعہ نمبر ۴ کے تحت کوئی شخص غلام یا لونڈی بنا کر نہیں رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو ممنوع ہو گی۔[1]

۲۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین ۱۹۷۳ء کے دفعات ۸ تا ۲۸ بنیادی حقوق (Fundamintal Rights) کے متعلق ہیں۔ اس کے دفعہ نمبر ۱۱ کے تحت غلامی کی ہر شکل کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔[2]

اکتوبر ۱۹۹۵ء میں حکومت پاکستان نے انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے انسانی حقوق کی وزارت کی تشکیل کی منظوری دی جن کی ذمہ داریوں میں یہ بات شامل ہے کہ جن بین الاقوامی میثاقوں اور معاہدوں پر پاکستان نے دستخط کئے ہیں ان کے متعلق قانون سازی اور ضوابط کا ملکی روایات کے ساتھ مطابقت پیدا کریں اور اس کے لئے کئے گئے اقدامات کو مانیٹر کریں۔[3]

## فصل: جب کئی وصایا جمع ہوں اس کے بیان میں

**دفعہ 76: بہت سارے وصایا کے جمع ہونے کی صورت میں اخروی لحاظ سے اہم وصیّت کو مقدم کیا جائے گا۔**[4]

**وضاحت:**

اگر کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمے اللہ تعالیٰ کا کوئی حق باقی ہو مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ، حج، کفارہ یا نذر، تو اب دو صورتیں ہیں:

**ا:** مرنے والے نے ان حقوق کے بارے میں وصیّت کی ہو گی یا نہیں اگر نہیں کی تو ورثہ پر ان کی ادائیگی واجب نہیں بلکہ ورثہ میت کے ترکہ میں سے میت کی طرف سے ان حقوق کے ادا کرنے اور ادا نہ کرنے کے اختیار مند ہوں گے اور اگر میت نے ان حقوق کے ادائیگی کے بارے میں وصیّت کی ہو تو مرحوم کے ثلثِ مال سے ان کی ادائیگی ورثہ پر واجب ہو گی۔ اگر موصی میت کا ثلثِ مال تمام وصایا کی نفاذ کے لیے کافی ہو سکے یا ورثہ نے ثلثِ مال سے زیادہ میں بھی وصیّت نافذ کرنے کی اجازت دے دی ہو تو ان سب وصایا کو نافذ کیا جائے گا اور اگر ورثہ نے ثلثِ مال سے زیادہ وصیّت نافذ کرنے کی اجازت نہیں دی اور صرف ثلثِ مال سب وصایا کے لیے کافی نہ ہو تو صرف ثلثِ مال کے بقدر وصایا کو نافذ کیا جائے گا اور باقی وصایا کو چھوڑ دیا جائے گا۔ اخروی لحاظ سے جو وصیّت اہم اور زیادہ فائدہ مند ہو اس کو باقی وصایا پر مقدم کیا جائے گا مثلاً وہ وصایا یا تو حقوق اللہ سے متعلق ہوں گی یا حقوق العباد سے متعلق اور یا حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں سے متعلق ہوں گی۔ اگر حقوق العباد سے متعلق ہوں اور سب فرائض ہوں تو جس وصیّت کو موصی نے مقدم کیا ہے اس سے

---

1 انسانی حقوق (ایک خصوصی مطالعہ)، محمد آصف ملک، محمد حسن احمد ودیگر، ص۱۵۸، پبلشرز ایمپوریم اردو بازار لاہور، ۲۰۱۰ء

2 ایضاً، ص۲۰۳

3 ایضاً، ص۲۵۴

4 الفتاوی الهندية، ٦: ١١٤

ابتدا کی جائے گی کیونکہ تمام فرائض کا درجہ برابر ہے اور اگر بعض وصایا فرائض ہوں اور بعض غیر فرائض ہوں تو اولاً فرائض سے ابتدا کی جائے گی اگرچہ موصی نے ذکر میں فرائض کو مؤخر کیا ہو۔ اسلیے کہ فرائض غیر فرائض سے اہم ہیں اور ظاہر یہی ہے کہ موصی کا مقصد عموماً نفلی صدقات وخیرات میں مشغول نہیں ہوتا۔ زکوۃ، حج اور کفارات کے وصایا اگر جمع ہوں تو زکوۃ اور حج کو کفارات کے وصایا پر مقدم کیا جائے گا کیونکہ حج اور زکوۃ کے بارے میں جو تاکیدات اور وعیدات ہیں وہ کفارات کے بارے میں نہیں ہیں اور کفارات، صدقہ فطر پر مقدم ہوں گے کیونکہ کفارات کا وجوب قرآن سے ثابت ہے اور صدقہ فطر کا وجوب قرآن مجید سے نہیں بلکہ حدیث سے ثابت ہے اور صدقہ فطر کی وصیّت، قربانی کی وصیّت پر مقدم ہو گی کیونکہ صدقہ فطر کے وجوب پر فقہائے کرام کا اتفاق ہے اور قربانی کے وجوب سے متعلق فقہائے کرام کا اتفاق نہیں ہے۔ اسی طرح صدقہ فطر اور قربانی کی وصیّت، نذور کی وصیّت پر مقدم ہوں گی کیونکہ نذور بندوں کے واجب کرنے سے واجب ہوتی ہیں۔ کفارات میں کفارۂ قتل اقویٰ ہونے کی وجہ دیگر کفارات پر مقدم ہو گا کیونکہ کفارۂ قتل میں غلام معتَق کا مومن ہونا شرط ہے اور پھر کفارۂ یمین کا وجوب اللہ تعالیٰ کی نام کے بے حرمتی کی وجہ سے واجب ہوا ہے اور کفارہ ظہار بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے کی وجہ سے واجب ہوا ہے اس لیے کفارہ یمین کی وصیت، کفارہ ظہار پر مقدم ہو گا۔

اگر وصایا فرائض وواجبات کے علاوہ نوافل سے متعلق ہوں تو جس کو موصی نے مقدم کیا ہو اسی کو مقدم کیا جائے گا کیونکہ سب وصایا قوت میں برابر ہیں اور موصی نے اسی کو مقدم کیا ہو گا جو ان کے نزدیک اہم ہو گا۔[1]

**دفعہ 77: وصیّت میں حق اللہ اور حق العبد کے جمع ہونے کی صورت میں پوری وصیّت کو باعتبار حقوق کے ان دونوں پر تقسیم کیا جائے گا۔[2]**

**وضاحت:**

اگر موصی نے وصیّت میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کو جمع کیا تو پوری وصیّت ثلثِ مال کو ان حقوق کی تعداد کے لحاظ سے سب پر تقسیم کیا جائے گا۔ مثلاً موصی نے چار وصتیں کیں زکوۃ کے لیے، حج کے لیے، کفارات کے لیے اور زید کے لیے۔ ان میں سے اول تینوں حقوق اللہ ہیں اور چوتھی وصیّت حق العبد ہے۔ اولاً مال وصیّت ثلث کے حقوق کے لحاظ سے چار حصے کیے جائیں گے۔ ان تینوں عبادات میں سے زکوۃ کو مقدم کیا جائے گا کیونکہ زکوۃ حق اللہ ہونے کے ساتھ ساتھ حق العبد بھی ہے۔ زکوۃ کو ادا کرنے کے بعد اگر کچھ مال بچ گیا ہو تو پھر حج ادا کی جائے گی۔ اگر کفارات کے لیے کچھ بچ گیا ہو تو اس کو بھی ادا کیا جائے گا ورنہ نہیں۔

ہر قربت اور عبادت الگ الگ مقصود ہیں اس لیے ہر ایک کو الگ الگ شمار کر کے ثلث کو چار حصوں میں تقسیم کیا جائے گا یہ نہ ہو گا کہ تینوں کو حق اللہ ہونے کی وجہ سے ایک سمجھ کر ثلث مال کو فقط دو حصوں میں تقسیم کیا جائے اسی طرح اگر زید نے فقرا، مساکین اور مسافرین کے لیے وصیّت کی تو ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ شمار کر کے ہر فریق کا ایک ایک سہم (حصہ) نکالا جائے گا اگر چہ سب کا مقصود قربتِ الٰہی ہے۔ اسی طرح قربات میں ہر قربت کو الگ شمار کیا جائے گا۔[3]

**دفعہ 78: حج کی وصیّت کو پورا کرنا، ورثہ پر واجب ہو گا۔[4]**

---

1 الموسوعة الفقهية الكويتية، ۳۳:۱۰۸

2 الفتاوى الهندية، ۶:۱۱۴

3 البناية شرح الهداية، ۱۳:۴۵۷

4 الفتاوى الهندية، ۶:۱۱۶

**وضاحت:**

خالص مالی عبادات زکوۃ وغیرہ میں بغیر کسی عذر کے دوسرے کو اپنا نائب بنایا جاسکتا ہے کیونکہ مقصود مال خرچ کرنا ہے تاہم خالص بدنی عبادات نماز روزہ میں کسی حالت میں بھی دوسرے کو اپنا نائب نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ بدنی عبادت کا مقصد اپنے نفس کو تھکانا ہے اور یہ مقصد دوسروں کے کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتا اور جو عبادات مال اور بدن سے مرکب ہوں جیسے حج اس میں عذر اور عجز کی بنا پر دوسرے کو نائب بنایا جاسکتا ہے۔[1]

لہٰذا اگر کسی شخص نے مرض الموت میں اپنی طرف سے حج کرانے کی وصیّت کی تو یہ جائز ہے اور ورثہ پر اس کے مال سے حج کرانا واجب ہوگا اور یہ حج موصی کے شہر سے سوار ہو کر کرنا ہوگا کیونکہ زید پر اسی کیفیت کے ساتھ واجب ہے اور اگر ثلث مال موصی کے شہر سے حج کرنے کے لیے کافی نہ ہو تو ایسی صورت میں جس جگہ سے حج ہو سکے وہاں سے حج کرایا جائے۔ اگرچہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اب موصی کی طرف سے حج ہی نہ کرایا جائے کیونکہ جس کیفیت اور صفت کے ساتھ موصی نے وصیّت کی ہے اس کیفیت کے ساتھ ادا کرنا ممکن نہیں ہے لیکن استحساناً اس وصیت کو جائز قرار دیا گیا کیونکہ موصی کا مقصد وصیّت نافذ کرنا اور حج کا ثواب حاصل کرنا ہے لہٰذا اس امکانی طریقہ پر وصیّت نافذ کرنا مطلق وصیّت کو باطل کرنے سے افضل ہے۔[2]

1 البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۳:۶۵

2 الجوهرة النيرة، ۲:۲۹۶

**خلاصۂ باب**

باب دوم تین فصول پر مشتمل ہے۔ فصل اول میں فتاوٰی عالمگیری کے کتاب الوصایا باب اول اور باب دوم کی دفعہ کی گئی ہے۔ باب اول میں وصیّت کی شرعی تفسیر، شرائط اور حکم بیان کیا گیا ہے۔ یہ باب کل ۳۰ دفعات پر مشتمل ہے۔ باب دوم میں ان الفاظ کو بیان کیا گیا ہے جو وصیّت ہوتے ہیں اور جو وصیّت نہیں ہوتے۔ یہ باب کل ۱۹ دفعات پر مشتمل ہے۔

فصلِ دوم میں فتاوٰی عالمگیری کے کتاب الوصایا باب سوم اور باب چہارم کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ باب سوم تہائی مال کی وصیّت کے بیان میں ہے۔ یہ باب کل ۲۲ دفعات پر مشتمل ہے جب کہ بابِ چہارم بیٹے کا اپنے مرض الوفات میں اپنے باپ کی وصیّت کے اجازت دینے اور اپنے آپ پر یا اپنے باپ پر قرض کے اقرار کرنے اور جس کی تقدیم کی جائے گی اس کے بیان میں ہے۔ یہ باب کل ۲ دفعات پر مشتمل ہے۔

فصلِ سوم میں فتاوٰیٰ عالمگیری کے کتاب الوصایا باب پنجم کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ یہ باب مرض الموت میں عتق و محابات اور ہبہ کے بیان میں ہے۔ اس باب میں کل پانچ دفعات ہیں۔

مقالہ ہٰذا کا باب دوم کل ۷۸ دفعات پر مشتمل ہے اور اس میں کل گیارہ مقامات میں ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

# باب سوم: فتاوی عالمگیری کے کتاب الوصایا الباب السادس تا الباب العاشر کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ

- فصل اول: کتاب الوصایا الباب السادس کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ
- فصل دوم: کتاب الوصایا الباب السابع اور الباب الثامن کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ
- فصل سوم: کتاب الوصایا الباب التاسع اور الباب العاشر کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ

خلاصۂ باب

## فصل اول: کتاب الوصایا الباب السادس کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ

### باب ٦: اقارب، اہل بیت، پڑوسیوں، بنی فلاں اور یتیموں و موالی و شیعہ و اہل علم و حدیث وغیرہ کے حق میں وصیّت کرنے کے بیان میں

**دفعہ 79: اقارب کے لیے وصیّت کی صورت میں موصی کے کم از کم دو قریبی ایسے ذی رحم محرم رشتہ دار مراد ہوں گے جو وارث نہ بن سکتے ہوں۔**[1]

**وضاحت:**

اگر کوئی شخص ثلث مال کی اپنے اقارب کے لیے وصیّت کرے تو جمع ذکر کرنے کی وجہ سے کم از کم دو ایسے قریبی ذی رحم محرم رشتہ دار مراد ہوں گے جو وارث نہ بن سکتے ہوں۔ دو کا قید اس لیے لگایا کہ میراث اور وصیّت کے مسائل میں جمع کا اطلاق کم از کم دو افراد پر ہوتا ہے اور قریبی اس لیے مراد لیا کہ وصیّت میراث کی بہن ہے اور میراث میں الاقرب فالاقرب کا اعتبار ہوتا ہے۔ ذی رحم محرم رشتہ دار کا قید اس لیے لگایا کہ شریعت نے صلہ رحمی کا حکم دے کر قطع رحمی سے منع کیا ہے تو موصی کا مقصد اقربا کے لیے وصیّت کرنے سے یہ ہوتا ہے کہ زندگی میں صلہ رحمی کے سلسلے میں جو کوتاہی کی ہے اس کی تلافی ہو سکے اور صلہ رحمی ذو رحم محرم کے ساتھ واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ذو رحم محرم رشتہ دار تنگ دست ہو جائے تو اس پر اس کا نفقہ واجب ہے اور جو ذو رحم محرم نہ ہو اس کا نفقہ اس پر واجب نہیں اور وارث نہ ہونے کی قید لگائی کیونکہ ورثا کے لیے وصیّت جائز نہیں نیز والدین اور اولاد بھی اقربا میں داخل نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ''[2]

ترجمہ: معروف طریقہ پر والدین اور رشتہ داروں کے لیے وصیّت کرنا پرہیز گاروں پر لازم ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں لفظِ اقربین کا لفظِ والدین پر عطف ہے جو کہ تغایر کا تقاضہ کرتا ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اقربا اور والدین میں تغایر موجود ہے یہ ایک چیز نہیں ہے لہذا اقربا کا اطلاق والدین پر نہیں ہوگا اور اس وصیّت میں مرد و عورت، کافر و مسلم، آزاد اور غلام، چھوٹا اور بڑا سب برابر ہیں۔[3]

اگر کسی موصی نے لفظِ اقربا استعمال کرتے ہوئے صرف ایک قریبی رشتہ دار چچا چھوڑا ہے تو چچا کو ثلث کا نصف ملے گا کیونکہ جمع کا تقاضہ یہ ہے کہ ثلث کم از کم دو قریبی رشتہ داروں کے لیے ہو لہذا ایک کو نصف ملے گا اور اگر کسی موصی نے چچا اور پھوپھی اور ایک ماموں اور ایک خالہ چھوڑے ہیں تو پوری وصیّت چچا اور پھوپھی کو ملے گی اور ان دونوں کے درمیان برابر تقسیم کی جائے گی کیونکہ

---

1 الفتاوی الهندية، ١١٦:٦

2 البقرة، ١٨٠:٢

3 بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع، ٣٤٩:٧

چچا اور پھوپھی کی قرابت، ماموں اور خالہ کی قرابت سے اقویٰ ہے اور لفظِ اقربا میں مذکر اور مونث برابر ہیں۔ اس لیے چچا اور پھوپھی میں یہ مال برابر تقسیم کی جائے گی۔[1]

**دفعہ 80: اہل بیت کے واسطے، حسب نسب کے واسطے، جنسِ فلاں کے واسطے اور آل فلاں کے لیے وصیت، موصی کی طرف اس کے باپ کی طرف سے منسوب افراد پر محمول ہو گی۔[2]**

**وضاحت:**

اہل بیت کا معنٰی ہے، گھر والے اور اس سے مراد ہے نسبی اہل بیت ہیں اور نسب باپ کی طرف جاتا ہے لہذا باپ کی جانب سے جتنے بھی افراد موصی کی طرف منسوب ہوں گے ان پر اہل بیت کا اطلاق ہوتا ہے۔ ماں کی طرف سے منسوب افراد اس میں شامل نہیں ہوں گے اور باپ سے مراد دینِ اسلام میں معلوم آخری باپ ہے مثلاً کوئی علوی شخص اہل بیت کے لیے وصیّت کرے تو سیدنا علیؓ[3] کے تمام اولاد مراد ہوں گی۔ اسی طرح اگر کسی موصی نے اپنے حسب نسب والوں کے لیے وصیّت کی تو اس سے مراد بھی پدری رشتہ دار ہوں گے اور حسب نسب کا لفظ ذکر کرنے کی صورت میں غیر مسلم آباؤ واجداد بھی اس میں شمار ہوں گے کیونکہ نسب، باپ کی طرف منسوب رشتے کا نام ہے۔ دین چاہے کچھ بھی ہو۔ اگر کسی ہاشمی شخص نے لونڈی کے ساتھ نکاح کیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا تو وہ بچہ باپ کی طرف منسوب ہو کر ہاشمی ہو گا۔ اسی طرح اگر جنسِ فلاں یا آل فلاں کہہ کر وصیّت کی تو بھی پدری رشتہ دار مراد ہوں گے کیونکہ انسان اپنے باپ کے جنس میں سے شمار کیا جاتا ہے اور آلِ فلاں، اہلِ بیتِ فلاں کے قائم مقام ہے لہذا اس میں بھی پدری رشتہ دار مراد ہوں گے لیکن ان تمام صورتوں میں اس پدری رشتہ دار کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ موصی کا وارث نہ بن سکتا ہو کیونکہ وارث کے لیے وصیّت جائز نہیں ہے۔[4]

اسی طرح اگر عورت نے اپنی جنس یا اہل بیت کے لیے وصیّت کی تو اس کی اولاد اس میں داخل نہ ہو گی کیونکہ اولاد اپنی باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے نہ کہ ماں کی طرف اِلّا یہ کہ شوہر بھی اس کے اہلِ قرابت میں سے ہو تو پھر باپ کے واسطے سے اولاد داخل ہو جائے گی۔[5]

**دفعہ 81: وصیّت میں صرف لفظ اہل سے مراد خاص طور پر زوجہ ہو گی۔[6]**

**وضاحت:**

---

1 المبسوط، ۲۷: ۱۵۵

2 الفتاوی الهندية، ۶: ۱۱۷

3 سیدنا علیؓ: پورا نام علی بن ابی طالب بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ ہے۔ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔ بارہ سال کی عمر میں مشرف با اسلام ہوئے۔ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو امیر المؤمنین بنے۔ غزوہ تبوک کے علاوہ باقی غزوات میں شریک رہے۔ ۱۹ رمضان المبارک ۴۰ھ کو شہید کر دیے گئے۔ (اسد الغابة، ۴: ۸۷: الطبقات الكبرى، ابو عبد اللہ محمد بن سعد، ۱۳: ۳، دار الکتب علمیہ، بیروت، طبعہ اولی ۱۴۱۰ھ)

4 الدر المختار، ۶: ۶۸۵

5 البحر الرائق، ۸: ۵۰۷

6 الفتاوی الهندية، ۶: ۱۱۷

لفظِ اہل کے حقیقی معنیٰ زوجہ کے ہیں اور دوسروں معنیوں پر یہ لفظ بطریق مجاز بولا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"وَسَارَ بِأَهْلِهِ[1] "

ترجمہ: وہ اپنی بیوی کو لے کر چلے۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے:

"فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا[2]"

ترجمہ: اس نے اپنی بیوی سے کہا: ٹھہرو! میں آگ لے کر آتا ہوں۔

اہلِ عرب بھی لفظ اہل کو بیوی کے معنیٰ میں لیتے ہیں چنانچہ اہل عرب کا قول ہے: تاھل ببلدہ کذا۔ اس نے فلاں شہر میں اہل بنایا یعنی زوجہ نکاح میں لی۔ جب لفظ مطلق بولا جائے اور کوئی قرینہ معنیٰ مجازی کی طرف لے جانے کے لیے نہ ہو تو لفظ سے اس کا حقیقی معنیٰ ہی مراد ہوتا ہے لہٰذا اگر کسی نے فلاں کے اہل کے لیے وصیّت کرتے ہوئے کہا: اوصیّت بثلث مالی لاھلِ فلاں۔ میں اپنے ثلث مال کا فلاں کے اہل کے لیے وصیّت کرتا ہوں تو اس سے فلاں شخص کی زوجہ مراد ہو گی۔[3]

**دفعہ 82: بھائیوں کے لیے وصیّت اس صورت میں جائز ہو گی جس صورت میں وہ وہ وارث نہ بنتے ہوں۔[4]**

**وضاحت:**

وارث کے لیے وصیّت جائز نہیں ہے لہٰذا اگر کسی موصی نے اپنے بھائیوں کے لیے وصیّت کی تو جس صورت میں جو بھائی وارث بن سکتا ہو اس صورت میں وہ وصیّت کا حق دار نہ ہو گا اور جس صورت میں جو بھائی وارث نہ بنتا ہو تو اس کے لیے وصیّت جائز ہو گی مثلاً کسی موصی نے اپنے تین بھائیوں کے لیے وصیّت کی اور موصی کا بیٹا بھی موجود ہے چونکہ بیٹے کی موجودگی میں بھائی وارث نہیں بنتے لہٰذا وہ تینوں وصیّت کے حق دار ہوں گے اور ان تینوں پر وصیّت برابر تقسیم کی جائے گی اور اگر صورتِ مذکورہ میں میت کی صرف بیٹی موجود ہے تو باپ شریک اور ماں شریک بھائی کی وصیّت درست ہو گی کیونکہ بیٹی کی موجودگی میں وہ وارث نہیں بنتے اور حقیقی بھائی کے لیے وصیّت درست نہ ہو گی کیونکہ بیٹی کی موجودگی میں بھی وہ وارث بنتے ہیں اور اگر موصی کی نہ بیٹی ہو اور نہ بیٹا تو اس صورت میں تمام وصیّت باپ شریک بھائیوں کے لیے ہو گا کیونکہ وہ وارث نہیں بنتے اور حقیقی بھائیوں یا ماں شریک بھائیوں کے لیے وصیّت درست نہ ہو گی کیونکہ یہ دونوں اس صورت میں وارث بنتے ہیں۔[5]

**دفعہ 83: ورثہ کی غیر موجودگی یا دیگر ورثہ کی اجازت کی صورت میں وارث کے لیے وصیّت جائز ہو گی۔[6]**

**وضاحت:**

---

1 القصص، ۲۸:۲۹
2 طه، ۲۰:۱۰
3 الجوہرۃالنیرۃ، ۲:۲۹۸
4 الفتاویٰ الهندیة، ۶:۱۱۷
5 العنایة، ۱۰:۴۲۴
6 الفتاویٰ الهندیة، ۶:۱۱۷

وارث کے لیے وصیّت کا عدمِ جواز دیگر ورثہ کے حق کی وجہ سے ہے لہٰذا اگر دیگر ورثہ بالکل نہ ہوں یا اگر ہوں لیکن اجازت دیں تو پھر وارث کے لیے بھی وصیّت جائز ہو گی لہٰذا اگر کسی عورت نے موت کے وقت صرف شوہر کو چھوڑا ہے اور اس کے لیے اپنے نصف مال کی وصیّت بھی کی ہے تو عورت کا پورا مال شوہر کو مل جائے گا۔ آدھا مال بوجہ میراث اور آدھا مال بوجہ وصیّت، کیونکہ شوہر کے علاوہ کوئی اور وارث ہے نہیں جس کے حق کا لحاظ کرتے ہوئے شوہر کے لیے وصیّت ناجائز قرار دی جائے۔[1]

**تقابل:**

پاکستانی قانون میں بھی یہ بات مذکور ہے کہ وارث کے لیے دیگر ورثا کی اجازت کے بغیر وصیت جائز نہیں ہے چنانچہ ۱۹۸۷ کے ایک عدالتی فیصلے میں ذکر کیا گیا ہے کہ وارث کے حق میں وصیت، موصی کی موت پر دیگر ورثا کی مرضی پر موقوف ہو گی اگر دیگر ورثا اجازت دے دے یا دیگر ورثا کا وجود ہی نہ ہو تو اس صورت مین وارث کے لیے بھی وصیت جائز ہو گی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان میں وصیت سے متعلقہ فیصلے اسلامی اصولوں کے مطابق کیے جاتے ہیں۔[2]

**دفعہ 84: وصیّت میں بنو فلاں کا لفظ اگر قبیلے کے لیے بولا ہے تو اس قبیلے کے مذکر اور مونث سب کو یہ وصیّت شامل ہو گی اور اگر خاص شخص کے لیے بولا ہے تو صرف اسی کی مذکر اولاد مراد ہو گی۔**[3]

**وضاحت:**

بنو فلاں کا لفظ دو موقعوں پر بولا جاتا ہے بعض اوقات پورا قبیلہ ایک شخص کے نام سے مشہور ہوتا ہے جیسے بنو تمیم بنو ہاشم اور اس وقت بنو فلاں کا لفظ بولا جائے تو پورا قبیلہ مراد ہوتا ہے اور بعض اوقات ایک خاص شخص کی طرف نسبت کر کے بنو فلاں کا لفظ بولا جاتا ہے اس وقت صرف اسی شخص کی اولاد مراد ہوتی ہے۔

وصیّت کے باب میں اگر بنو فلاں کہہ کر قبیلے کی طرف نسبت کی گئی تو اب اس قبیلے کی افراد قابلِ شمار ہوں گے یا نہیں ہوں گے تو اگر افراد قابلِ شمار ہوں تو اس قبیلے کے تمام مذکر اور مونث کو یہ وصیّت شامل ہو گی اور ثلثِ مال ان تمام مذکر و مونث میں برابر تقسیم کی جائے گی کیونکہ بنو کا لفظ اگرچہ مذکر کا لفظ ہے لیکن جب مذکر اور مونث افراد ایک ساتھ رہتے ہوں تو مذکر کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے مونث افراد بھی اس میں مخاطب ہوتے ہیں جیسے قرآن کریم میں مردوں کو خطاب کرتے ہوئے عورتوں کو بھی اس میں شامل کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ"[4]

تم نماز قائم کرو اور زکوۃ دیا کرو۔

1 العقودالدریۃ، ۲:۲۸۱

2 1987 CLC , P# 745

3 الفتاوی الھندیۃ، ۶:۱۱۷

4 البقرۃ، ۲:۴۳

اگر اس قبیلے کے افراد بہت زیادہ ہوں اور قابلِ شمار نہ ہوں تو یہ وصیّت باطل ہو جائے گی کیونکہ کل افراد میں وصیّت نافذ کرنا ممکن نہیں ہے اور بعض کو بعض پر ترجیح بھی نہیں دے سکتے الّا یہ کہ اگر صرف اس قبیلے کے فقرا مراد ہوں تو پھر وصیّت درست ہو جائے گی کیونکہ اس قبیلے کے چند فقرا میں بھی وصیّت نافذ کرنے سے وصیّت پوری ہو جائے گی۔

اگر وصیّت کے وقت بنو فلاں کہہ کر ایک خاص شخص کی طرف نسبت کی گئی ہو تو اس صورت میں اس شخص کے صرف مذکر اولاد مراد ہوں گے کیونکہ بنون یا بنین ابن کی جمع ہے اور ابن کا حقیقی معنٰی ہے بیٹا اور جب تک مجاز کی طرف جانے کے لیے کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو حقیقی معنٰی کو نہیں چھوڑا جاتا لہٰذا اس شخص کے صرف مذکر اولاد میں یہ وصیّت نافذ کی جائے گی۔[1]

## دفعہ 85: لفظِ ولد کے ساتھ وصیّت کی صورت میں موصی کے مذکر اور مونث سب اولاد وصیّت میں شامل ہو گی۔[2]

**وضاحت:**

لفظِ ولد مطلق اولاد کو کہا جاتا ہے اور اولاد میں بیٹے اور بیٹیاں سب داخل ہوتی ہیں لہٰذا اگر کسی موصی نے کہا کہ میں اپنے ثلث مال کی فلاں کے اولاد کے لیے وصیّت کرتا ہوں تو اس وصیّت میں فلاں کے بیٹے اور بیٹیاں سب شامل ہوں گے اور دونوں کو برابر وصیّت ملے گی اور اس وصیّت میں حمل کو بھی حصہ ملے گا جیسا کہ اسے میراث میں حصہ ملتا ہے اور حقیقی بیٹا، بیٹی کی موجودگی میں اس وصیّت میں پوتے کو حصہ نہیں ملے گا کیونکہ لفظِ ولد حقیقی بیٹا، بیٹی کو بطورِ حقیقت شامل ہے اور پوتے کو بطورِ مجاز، لہٰذا جب تک حقیقت پر عمل ممکن ہو مجاز کی طرف نہیں جائیں گے اور اگر حقیقی بیٹا، بیٹی نہ ہو تو پھر بطورِ مجاز یہ وصیّت پوتوں کو ملے گی تاکہ وصیّت باطل ہونے سے بچ جائے اور نواسے اس وصیّت میں شامل نہیں ہوں گے کیونکہ ان کی نسبت اپنے باپ یا باپ کے باپ یعنی دادا کی طرف کی جاتی ہے نہ کہ ماں کے باپ کی طرف، لہٰذا جب ان کی نسبت ماں کے باپ کی طرف نہیں کی جاتی تو اس کی طرف منسوب وصیّت میں بھی اس کا حصہ نہیں ہو گا۔[3]

## دفعہ 86: وصیّت میں لفظِ ورثہ یا میراث ذکر کرنے کی صورت میں موصی بہ، موصی کے ورثہ کے درمیان میراث کے قواعد کی رو سے تقسیم ہو گی۔[4]

**وضاحت:**

موصی کا اپنی وصیّت میں لفظِ ورثہ یا میراث کو ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ موصی اپنی وصیّت میں لڑکوں کو لڑکیوں پر ترجیح دینا چاہتا ہے اور ترجیح کا طریقہ یہی ہے کہ ورثہ میں للذکر مثل حظ الانثیین (مرد کو عورت کے مقابلے میں دگنا دینا) کے مطابق وصیّت تقسیم کی جائے لہٰذا اگر کسی موصی نے کہا کہ میں اپنے ثلث مال کا فلاں کے ورثہ کے لیے وصیّت کرتا ہوں یا میں فلاں کے اولاد

---

1 البحر الرائق، ۸:۵۱۱
2 الفتاوی الهندیة، ۶:۱۱۸
3 الاختیار لتعلیل المختار، ۵:۸۲
4 الفتاوی الهندیة، ۶:۱۱۸

کے لیے اپنے ثلثِ مال کا بطورِ میراث وصیّت کرتا ہوں تو یہ وصیّت ورثہ میں میراث کے قواعد کی رو سے للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق تقسیم ہو گی۔[1]

**دفعہ 87: بناتِ فلاں (فلاں کی بیٹیاں) کے لیے وصیّت کی صورت میں صرف بیٹیاں ہی مراد ہوں گی۔**[2]

**وضاحت:**

بنات، بنت کی جمع ہے جو بیٹی کو کہاں جاتا ہے اور بنت اس مونث اولاد کو کہا جاتا ہے جو بغیر کسی واسطے کے ہو لہذا اگر کسی موصی نے بناتِ فلاں کے لیے وصیّت کی تو اس سے حقیقی اور صلبی بیٹی ہی مراد ہو گی، پوتیاں مراد نہیں ہوں گی۔ بیٹی بول کر پوتی مراد لینا مجاز ہے اور جب تک حقیقی معنیٰ بیٹی موجود ہو تو مجاز یعنی پوتی کو وصیّت شامل نہ ہو گی اور اگر حقیقی بیٹی نہ ہو تو پھر پوتیاں مراد ہوں گی لیکن نواسیاں پھر بھی مراد نہیں ہوں گی کیونکہ نواسیوں کی نسبت اپنے باپ اور دادا کی طرف ہوتی ہے ماں کے باپ کی طرف نہیں ہوتی لہذا ماں کے باپ کی طرف منسوب وصیّت میں نواسیوں کا حصہ بھی نہیں ہو گا۔[3]

**دفعہ 88: آباءِ فلاں یعنی فلاں کے آباء کے لیے وصیّت کی صورت میں باپ اور ماں دونوں وصیّت میں داخل ہوں گے۔**[4]

**وضاحت:**

عرب کی اصطلاح میں لفظِ آباء باپ اور ماں دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ماں اور باپ دونوں کے لیے لفظ ابوین استعمال ہوا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ"[5]

ترجمہ: اور ماں اور باپ میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہو گا۔

لہذا اگر کسی موصی نے کسی شخص کے آباء کے لیے وصیّت کی تو یہ وصیّت اس شخص کے ماں اور باپ دونوں کو شامل ہو گی۔[6]

**دفعہ 89: بنو فلاں کے لیے وصیّت کر کے اپنے گمان کے مطابق ان کی تعداد بیان کرنے کے بعد اگر حقیقت میں ان کی تعداد کم ہو تو پوری وصیّت حقیقت میں موجود بیٹوں کے لیے ہو گی۔**[7]

**وضاحت:**

اگر کوئی موصی بنو فلاں کے لیے وصیّت کرنے کے بعد اپنے گمان کے مطابق ان بنو فلاں کے لیے تعداد بیان کر دیں لیکن حقیقت میں ان کی تعداد بیان کردہ تعداد سے کم ہو تو یہ پوری وصیّت حقیقت میں موجود بیٹوں کے لیے ہو گی کیونکہ تعداد بیان کرنے

---

1 الجوہرۃالنیرۃ، ۲:۳۰۱
2 الفتاویٰالھندیۃ، ۶:۱۱۸
3 شرح السیر الکبیر، ۱:۴۲۹۔۔۔۔الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، ۳:۲۹۸
4 الفتاویٰالھندیۃ، ۶:۱۱۸
5 النساء، ۴:۱۱
6 شرح السیر الکبیر، ۱:۳۳۳
7 الفتاویٰالھندیۃ، ۶:۱۱۸

میں جو غلطی کی ہے وہ غلطی لغو ہو جائے گی اور کالعدم شمار ہو گی۔ گویا کہ اس غلط تعداد پر موصی نے تکلم ہی نہیں کیا ہے اور گویا کہ ایسا ہو گیا کہ موصی نے موجود اور معدوم چیز کو جمع کر کے وصیّت کی ہے لہذا موجود چیز کے لیے وصیّت درست ہو جائے گی اور معدوم چیز کے لیے درست نہ ہو گی کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ وصیّت میں موجود اور معدوم جمع ہونے کی صورت میں پوری وصیّت موجود کے لیے ہو گی اور معدوم کے لیے کچھ بھی نہ ہو گی۔[1]

مثلاً کسی موصی نے بنو فلاں کے لیے وصیّت کرتے ہوئے کہا: میں اپنے تہائی مال کا فلاں کے بیٹوں کے لیے وصیّت کرتا ہوں جو کہ سات ہیں جب کہ حقیقت میں بیٹوں کی تعداد پانچ تھیں تو یہ پوری وصیّت ان پانچ بیٹوں کے لیے ہو گی کیونکہ پانچ سے زیادہ بیٹے معدوم ہیں اور معدوم کے لیے وصیّت درست نہ ہو گی اور اگر موصی نے بنو فلاں کی تعداد کم مثلاً تین بیان کر دی اور حقیقت میں بنو فلاں کی تعداد زیادہ یعنی پانچ تھی تو اس صورت میں وصیّت کم تعداد یعنی تین بیٹوں کے لیے نافذ ہو گی اور ان کے انتخاب کا اختیار وارثانِ موصی کو ہو گا۔[2]

## دفعہ 90: وصیّت میں موصی بہ کے مقدار میں غلطی کرنے کی وجہ سے اصل وصیّت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔[3]

**وضاحت:**

وصیّت کا صحیح ہونا موصی بہ کے مقدار بیان کرنے پر موقوف نہیں ہے۔ اسی طرح موصی بہ کے مقدار میں غلطی کرنے کی وجہ سے اصل وصیّت پر کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ وہ درست رہے گی۔ لہذا اگر کسی شخص نے اپنے ثلثِ مال کی وصیّت کی اور پھر موصی بہ کی مقدار بیان کر کے کہا کہ وہ ثلث ایک ہزار ہے یا اس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ ثلثِ مال یہ ہے لیکن حقیقت میں ثلثِ مال اس مشار الیہ ایک ہزار سے زیادہ بنتا ہو تو کل مال کا ثلث دیا جائے گا اور موصی بہ کا نام لینا یا اشارہ کرنا لغو ہو جائے گا کیونکہ موصی نے اس میں غلطی کی ہے اور وصیّت ثلث مال کے ساتھ متعلق ہو جائے گا۔

اگر موصی نے کہا کہ میں اپنے تمام بکریوں کی وصیّت کرتا ہوں اور وہ سو بکریاں ہیں جب کہ حقیقت میں وہ بکریاں سو سے زیادہ تھیں اور پورے مال کا ثلث بنتی تھی تو ان تمام بکریوں کی وصیّت جائز ہو جائے گی کیونکہ اس نے تمام بکریوں کی وصیّت کی ہے اور پھر مقدارِ موصی بہ میں غلطی کی ہے لہذا اس غلطی کا اعتبار نہیں ہو گا اور اس نے جتنا وصیّت کیا ہے وہ درست قرار دی جائے گی۔

اگر موصی نے موصی بہ کا مقدار بیان کرنے میں تسمیہ (نام لینا) اور اشارہ دونوں کو جمع کیا تو اس صورت میں اشارے کا اعتبار ہو گا کیونکہ تعیین میں اشارہ، تسمیہ سے اقویٰ ہے اور مشار الیہ موصی بہ، موصی لہ کو دیا جائے گا۔ اگر چہ اس مشار الیہ موصی بہ کے مقدار میں غلطی ہوئی ہو مثلاً کسی موصی نے کہا کہ میں فلاں شخص کے لیے اپنے بکریوں کی وصیّت کرتا ہوں اور وہ بکریاں یہ ہیں حالانکہ حقیقت میں اس کی ان کے علاوہ بکریاں بھی ہیں جو پورے مال کا ثلث بن سکتی ہیں لیکن چونکہ موصی نے اشارہ کر کے اس موصی بہ کو متعین کیا لہذا وصیّت انہی مشار الیہ بکریوں کے ساتھ متعلق ہو گی ان کے علاوہ بکریوں کو وصیّت شامل نہ ہو گی۔

---

1 بدائع الصنائع، ۷: ۳۸۱

2 بدائع الصنائع، ۷: ۳۸۱

3 الفتاوی الهندیة، ۶: ۱۱۹

اگر موصی نے اس طرح وصیّت کی کہ فلاں شخص کے لیے میر اثلث مال ہو اور وہ ثلث مال یہ ہے جب کہ حقیقت میں اس کا اس مال کے علاوہ اور بھی مال ہو جو پورے مال کا ثلث بن سکتا ہو اس صورت میں موصی لہ تمام مال کے ثلث کا مستحق ہو گا اور اشارے کا اعتبار نہیں ہو گا کیونکہ یہ الفاظ اشارہ اس نے ثلثِ مالی کے الفاظ کے بعد ذکر کیا ہے اور ثلث ایک پھیلے ہوئے غیر متعین حصے کا نام ہے جب کہ اشارہ تعیین کا تقاضا کرتا ہے لہذا ثلث یا ربع جیسے الفاظ کے بعد اسمائے اشارہ ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔ پس یہ اشارہ صحیح نہیں ہوا۔ اس لیے اس کا اعتبار نہ ہو گا اور موصی لہ کو پورے مال کا ثلثِ مال ملے گا۔[1]

**دفعہ 91: عمومی غیر متعین موصی لہ ذکر کرنے کی صورت میں موصی کے افراد قابلِ احصاء (قابلِ شمار) ہو تو سب پر عدد دِ رؤوس کے اعتبار سے وصیّت تقسیم کی جائے گی اور قابل شمار نہ ہو تو اگر موصی لہ کے نام کے الفاظ سے احتیاج اور فقر کی طرف اشارہ ملتا ہو تو اسی موصی لہ کے جنس کے فقرا کو دیا جائے گا ورنہ وصیّت باطل ہو گی۔**[2]

**وضاحت:**

موصی نے اگر وصیّت کرتے وقت عمومی غیر متعین اسماذکر کر کے موصی لہ کو بیان کیا جس میں بہت سارے افراد شریک ہو سکتے ہوں جیسے بنو فلاں کے یتیم، اندھوں کے لیے، اپاہج کے لیے، بیواؤں کے لیے، کسی بستی کے شیعہ حضرات یا کسی اور فرقے کے لوگوں کے لیے وصیّت کی تو اگر اس مسمی کے افراد قابل شمار ہو تو وصیّت سب پر تقسیم کی جائے گی۔ مالدار اور فقیر، مذکر اور مونث کا کوئی فرق نہیں ہو گا اور اگر افراد قابلِ شمار نہ ہوں بلکہ اس قدر کثیر ہوں کہ سب پر وصیّت کا تقسیم کرنا مشکل ہو تو اگر موصی لہ کے نام کے الفاظ سے عرف یا لغت میں احتیاج اور فقر کی طرف اشارہ ملتا ہو جیسے یتامٰی، بیوہ، اپاہج اور اندھا وغیرہ تو اس وصیّت کو اس موصی لہ کے جنس کے افراد میں سے صرف فقرا پر تقسیم کی جائے گی کیونکہ جب وصیّت فقرا کے لیے ہو گیا تو یہ صدقہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات معلوم ہے اور موصی بہ کے نام کے الفاظ سے احتیاج اور فقر کا کوئی معنٰی نہ نکلتا ہو تو پھر یہ وصیّت باطل ہو جائے گی کیونکہ موصی لہ کے تمام افراد پر وصیّت کو تقسیم کرنا مشکل ہے اور بعض افراد کو بعض پر ترجیح دینا بھی درست نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کسی موصی نے عام مسلمانوں کے لیے وصیّت کرتے ہوئے کہا: میں اپنے تہائی مال کی مسلمانوں کے لیے وصیّت کرتا ہوں۔ تو یہ وصیّت درست نہیں ہو گی کیونکہ تمام مسلمان قابلِ شمار نہیں ہیں اور نہ لفظِ مسلمان میں کوئی ایسا اشارہ موجود ہے جو فقر واحتیاج پر دلالت کرتا ہو لہذا یہ وصیّت مجہول افراد کے لیے ہو گیا اور مجہول افراد کو مالک بنانا ممکن نہیں ہے اور اگر کہا کہ میں اپنے ثلثِ مال کا فقیر مسلمانوں کے لیے وصیت کرتا ہوں تو یہ وصیّت درست ہو گی کیونکہ لفظ فقیر ذکر کرنے کی وجہ سے یہ وصیّت صدقہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے لیے ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی ذات معلوم ہے تو یہ مجہول کو مالک بنانا نہیں ہوا۔[3]

---

1 بدائع الصنائع، ۷:۳۸۱

2 الفتاوی الہندیة، ۶:۱۱۹

3 تحفة الفقہاء، ۳:۲۱۶

اِحصاء (شمار) کا حد امام محمدؒ کے ہاں سو افراد ہیں۔ اگر افراد سو سے زیادہ ہوں تو یہ قابلِ شمار نہیں ہوں گے یہی قول عامۃ الناس کے لیے آسان ہے جب کہ بعض فقہا نے کہا ہے کہ قابلِ شمار ہونے اور نہ ہونے میں قاضی کے رائے کا اعتبار ہوگا اور اسی قول پر فتوٰی ہے۔[1]

**دفعہ 92: وصیّت میں لفظِ جار پڑوسی سے مراد موصی کے گھر کے ساتھ متصل پڑوسی ہوتے ہیں۔**[2]

**وضاحت:**

پڑوسی کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک جارِ قرابت جس سے رشتہ داری کا پڑوس ہو۔ دوسرا جارِ ارض، زمین کا پڑوسی اور تیسرا جارِ دار یعنی گھر کا پڑوسی۔ اگر کسی موصی نے لفظ جار کو استعمال کرتے ہوئے وصیّت کی تو تمام جیران کی طرف اس وصیّت کو پھیرنا متعذر ہے لہذا اس میں تخصیص کی جائے گی۔ جارِ قرابت اور جارِ ارض اس میں داخل نہیں ہوں گے اور جارِ دار میں بھی وہ پڑوسی مراد ہوں گے جن کا گھر موصی کے گھر سے متصل اور ملاصق ہوں ان کے دروازے قریب ہوں یا دور ہوں کیونکہ لفظ جار مجاورۃً سے مشتق ہے اور مجاورۃ حقیقت میں ملاصقت اور اتصال کو کہتے ہیں لہذا جن کا گھر موصی کے گھر کے ساتھ متصل ہو انہی کے واسطے وصیّت ہوگی یہی وجہ ہے کہ شفعہ کا مستحق بھی جارِ ملاصق ہی ہوتا ہے اور اس کے ہوتے ہوئے محلہ یا مسجد کے پڑوسی مستحقِ شفعہ نہیں ہوتے لہذا جارِ ملاصق جس طرح دیگر پڑوسیوں کو حقِ شفعہ سے محروم کر دیتا ہے اسی طرح یہ دوسروں کو وصیّت سے بھی محروم کر دے گا۔[3]

اس وصیّت میں مالکِ مکان اور کرایہ دار، مسلمان اور ذمی، مرد اور عورت، بچہ اور بالغ سب برابر کے شریک ہوں گے کیونکہ سب پر لفظِ جار صادق آرہا ہے جب کہ غلام اور باندھیاں اس وصیّت میں داخل نہیں ہوں گے کیونکہ وہ اپنے مال کے مالک نہیں ہوتے ان کے لیئے وصیّت جائز قرار دینا ان کے آقاوں کے لیے وصیّت جائز قرار دینا ہے اور ان کے آقا تو اس پڑوس میں نہیں ہیں۔[4]

**دفعہ 93: سسرالی رشتہ کے لیے وصیّت کرنے کی صورت میں اس وصیّت میں موصی کی اپنی بیوی کا ہر ذی رحم محرم رشتہ دار، موصی کے والد اور بیٹے کی بیوی کا ہر ذی رحم محرم رشتہ دار اور موصی کے ہر ذی رحم محرم رشتہ دار کی بیوی کے ذی رحم محرم رشتہ دار داخل ہوں گے۔**[5]

**وضاحت:**

سسرالی رشتہ کے لیے عربی میں لفظ "اصہار" استعمال ہوتا ہے جو صہر کی جمع ہے جس کے معنی ہیں "خسر" یعنی بیوی کا باپ اور اہل عرب کے عرف میں اصہار سے مراد شوہر کی بیوی کے تمام ذی رحم محرم رشتہ دار، والد کی بیوی کے تمام ذی رحم محرم رشتہ دار اور بیٹے کی بیوی کے تمام ذی رحم محرم رشتہ دار ہوتے ہیں یعنی اس کی بیوی کے اہل قرابت میں سے وہ مرد اصہار میں داخل ہوں گے

---

1 البنایۃ، ۱۳: ۴۷۳
2 الفتاوی الھندیۃ، ۶: ۱۱۹
3 البنایۃ، ۱۳: ۴۷۳
4 فتح القدیر، ۱۰: ۴۷۶
5 الفتاوی الھندیۃ، ۶: ۱۲۰

جس کی قرابت اس کی زوجہ کے ساتھ اس طرح ہو کہ شرعاوہ اس کا محرم ہو یعنی اس کی زوجہ کا ان کے ساتھ نکاح کرنا دائمی طور پر حرام ہو جیسے زوجہ کا باپ، بھائی، ماموں اور چچا وغیرہ۔[1]

اصہار سے مذکورہ رشتہ دار مراد لینے پر حضرت جویرہ بنت الحارث کے نکاح کا واقعہ دلیل ہے کہ اس نکاح کے نتیجے میں تمام صحابہ کرام نے اس کے قبیلے کے تمام قیدیوں کو یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ یہ لوگ تو اب رسول اللہ ﷺ کے اصہار ہیں۔[2]

اصہار وصیّت کے مستحق اس وقت ہوں گے کہ جب موصی کا انتقال ہو اور اس وقت عورت اس کے نکاح میں ہو یا اس وقت وہ طلاقِ رجعی کی عدت میں ہو کیونکہ موصی کے موت کے وقت نکاح کا باقی رہنا ضروری ہے لہٰذا طلاقِ بائن یا طلاقِ مغلّظہ کی عدت گزارنے والی عورت کے رشتہ دار وصیّت کے مستحق نہیں ہوں گے۔[3]

اصہار کا یہ مصداق اہلِ عرب اور اہلِ کوفہ کے ہاں ہیں جب کہ ہمارے ہاں اصہار سے مراد شوہر کی بیوی کے صرف والد اور والدہ ہیں جیسا کہ در مختار میں ہے:

قِيلَ هَذَا فِي عُرْفِهِمْ. وَفِي عُرْفِنَا الصِّهْرُ أَبُو الْمَرْأَةِ وَأُمُّهَا[4]

ترجمہ: یہ ان کے عرف میں ہے اور ہمارے عرف میں صہر صرف بیوی کا والد اور والدہ ہے۔

**دفعہ 94: دامادی رشتے کے لیے وصیّت کرنے کی صورت میں موصی کے ہر ذی رحم محرم رشتہ دار عورت کا شوہر مراد ہو گا۔[5]**

**وضاحت:**

دامادی رشتے کو عربی زبان میں اختان کہا جاتا ہے۔ اختان ختن کی جمع ہے جس کے معنی ہیں داماد یعنی بیٹی کا شوہر اور اہلِ عرب کے عرف میں اختان سے مراد کسی شخص کے تمام ذی رحم محرم رشتہ دار عورتوں کے شوہر ہیں جیسے بیٹیوں کے شوہر، بہنوں کے شوہر، پھوپھیوں کے شوہر، خالاؤں کے شوہر، لہٰذا اگر کسی موصی نے اپنے اختان کے لیے وصیّت کی تو یہ وصیّت موصی کے تمام ذی رحم محرم رشتہ دار عورتوں کے شوہروں کو شامل ہو گی۔ اسی طرح اگر عورت نے اپنے دامادی رشتے کے لیے وصیّت کی ہے تو عورت کے شوہر کے تمام ذی رحم محرم رشتہ دار اس وصیّت میں داخل ہوں گے۔[6]

اختان کا مذکورہ مصداق اہلِ عرب اور اہلِ کوفہ کے ہاں تھا تاہم ہمارے ممالک میں ختن سے مراد صرف بیٹی کا شوہر ہی ہو گا۔[7] اگر موصی کی بیوی کا کسی اور شوہر سے بیٹی ہو تو اس بیٹی کا شوہر موصی کا ختن نہیں ہو گا کیونکہ یہ حقیقت میں موصی کی بیٹی نہیں ہے۔[1]

---

1 الهداية في شرح بداية المبتدي، ۴: ۵۳۰

2 سنن ابی داؤد، ۴: ۲۲، حدیث: ۳۹۳۱ (البانی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

3 البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۸: ۵۰۲

4 الدر المختار، ۶: ۶۸۴

5 الفتاوی الهندية، ۶: ۱۲۰

6 العناية شرح الهداية، ۱۰: ۴۷۷

7 اللباب، ۴: ۱۸۰

## فصل دوم: کتاب الوصایا الباب السابع اور الباب الثامن کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ

## باب ۷: رہائش، خدمت و کرایہ، حاصلاتِ باغ و زمین اور جانورانِ سواری کی سواری وغیرہ کی وصیّت کے بیان میں

**دفعہ 95: اعیان کو اپنی ملکیت میں چھوڑ کر صرف ان کے منافع کی وصیّت بھی جائز ہے۔[2]**

**وضاحت:**

انسان جس طرح اپنی زندگی میں اپنی چیز کے منافع کا مالک دوسروں کو بنا سکتا ہے۔ مثلاً اپنی چیز کسی کو اجارہ یا عاریت پر دیتا ہے۔ اسی طرح انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی موت کے بعد کسی کو اپنی چیز کے منافع کا مالک بنا دے کیونکہ جس طرح اعیان کی وصیّت پیش آتی ہے اسی طرح ان کے منافع کی وصیّت کی حاجت بھی پیش آتی ہے۔ اسی وجہ سے شریعتِ مطہرہ میں منافع کی وصیّت کو جائز قرار دیا گیا ہے اور عاریت کی طرح چند ایام کے لیے منافع کی وصیّت بھی جائز ہے اور ہمیشہ کے لیے بھی جائز ہے۔[3]

جس طرح منافع کی وصیّت جائز ہے اسی طرح وہ منافع کسی کو اجرت پر دے کر اس اجرت اور کرایہ کا کسی کے لیے وصیّت کرنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ کرایہ اور آمدنی منافع کا بدل ہے تو جب منافع کی وصیّت جائز ہے تو اس کے بدل کی وصیّت بھی جائز ہو گی۔[4]

اگر کوئی موصی اپنے گھر کے رہائش یا کرایہ یا اپنے غلام کی خدمت یا آمدنی یا زمین اور باغ کے پیداوار جانوروں کے دودھ یا اون کا کسی کے لیے وصیّت کرتا ہے تو یہ وصیّت جائز ہو گی اور اس وصیّت کے نفاذ کا طریقہ یہ ہو گا کہ موصی بہ کے منافع کی وصیّت متعین وقت کے لیے ہو گی یا غیر متعین وقت کے لیے، اور موصی بہ کے علاوہ موصی کے پاس دیگر مال ہو گا یا نہیں ہو گا؟ یعنی یہ موصی بہ موصی کے پورے مال کا ثلث بنتا ہو گا یا نہیں بنتا ہو گا۔ گویا کہ کل چار صورتیں ہوئیں:

۱: اگر موصی بہ کے منافع مثلاً گھر کی رہائش کی وصیّت متعین وقت کے لیے ہے مثلاً کہا ہے کہ ۲۰۱۹ء کے لیے میں اپنے گھر کے رہائش کی وصیّت خالد کے لیے کرتا ہوں اب اگر یہ متعین وقت موصی کے موت سے پہلے گزر گیا ہے تو وصیّت باطل ہو جائے گی کیونکہ وصیّت کا حکم تو موصی کے موت کے بعد ثابت ہوتا ہے۔ اگر متعین وقت میں سے کچھ وقت گزرنے کے بعد موصی کا انتقال ہو گیا یا اس متعین وقت کے شروع ہونے سے پہلے موصی کا انتقال ہو گیا تو اب موصی بہ کو دیکھیں گے۔ اگر موصی بہ موصی کے باقی مال کے ثلث کے برابر ہو یا ثلث سے زیادہ ہو لیکن ورثہ نے اجازت دے دی تو یہ گھر موصی لہ کو رہائش کے لیے حوالہ کیا جائے گا اور متعین سال میں سے جتنا وقت باقی ہے یا اگر پورا باقی ہے تو اتنا رہائش اختیار کر کے موصی لہ، موصی کے وصیّت کو پورا کرے گا۔

---

1 البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۸:۵۰۶

2 الفتاوی الهندیة، ۶:۱۲۰

3 فتح القدیر، ۱۰:۴۸۵

4 العنایة شرح الهدایة، ۱۰:۴۷۷

۲: اگر موصی بہ ثلث سے زیادہ ہو اور ورثہ ثلث سے زیادہ وصیّت کی اجازت نہیں دے رہے ہو تو چونکہ موصی بہ چیز ورثہ اور موصی لہ کے درمیان مشترک ہے جس میں سے دو ثلث ورثہ کا حصہ ہے اور ایک ثلث موصی لہ کا حصہ ہے لہذا موصی بہ گھر کو باعتبار اجزا تقسیم کیا جائے گا یعنی دو ثلث حصہ رہائش کے لیے ورثہ کو اور ایک ثلث حصہ رہائش کے لیے موصی لہ کو دیا جائے گا اور اجزا کے ذریعے تقسیم کرنا اعدل ہے کیونکہ اس طریقے میں ذات کے اعتبار سے بھی برابری ہے کہ دونوں فریقوں کو مکان مل گیا اور زمان کے اعتبار سے بھی کہ دونوں فریقوں کو ایک جیسے زمانہ میں گھر مل گیا ہے اور اگر باعتبارِ اجزا کے تقسیم کرنے میں گھر سے فائدہ حاصل کرنا ممکن نہ ہو یعنی گھر چھوٹا ہو تو پھر مہایاۃ کا طریقہ اختیار کیا جائے گا یعنی باری باری فائدہ حاصل کرنا، دو دن گھر ورثہ کے پاس رہے گا اور ایک دن موصی لہ کے پاس رہے گا یہاں تک کہ وہ متعین وقت ایک سال گزر جائے۔ اس کے بعد موصی بہ گھر موصی کے ورثہ کے حوالے کیا جائے گا۔

۳: اگر موصی نے موصی بہ سے منافع حاصل کرنے کا وقت غیر متعین بتایا ہو مثلاً کہا کہ میں ایک سال کے لیے اپنے گھر کے رہائش کی وصیّت خالد کے لیے کرتا ہوں اور سال متعین نہیں کیا اور موصی بہ گھر پورے مال کا ثلث بنتا ہو یا ثلث سے زیادہ ہو لیکن ورثہ نے اجازت دی ہو تو موصی بہ گھر، موصی لہ کو ایک سال کے لیے رہائش کے لیے حوالہ کیا جائے گا۔

۴: اگر موصی بہ گھر ثلث سے زیادہ ہو اور ورثہ ثلث سے زیادہ کی اجازت نہ دیں تو گزشتہ اصول کے مطابق گھر کی رہائش دو دن ورثہ کے لیے اور ایک دن موصی لہ کے لیے ہو گی اور تین سال تک یہ ترتیب چلتی رہے گی تاکہ موصی لہ کو اپنا ایک سال وصیّت کا حق پورا مل جائے۔

وصیّت کا یہی طریقہ کار غلام کی خدمت یا آمدنی کی وصیّت میں بھی ہو گا۔[1]

**دفعہ 96: عین (چیز) کی وصیّت ایک شخص کے لیے اور اس کے منافع کی وصیّت دوسرے شخص کے لیے جائز ہے۔**[2]

**وضاحت:**

عین کی وصیّت ایک شخص کے لیے کرنا اور اس کے منافع کی وصیّت دوسرے شخص کے لیے کرنا جائز ہے کیونکہ اس صورت میں ہر موصی لہ کے لیے الگ الگ اور متعین چیز کا ایجاب ہے لہذا دونوں میں سے ہر وصیّت اپنی جگہ پر صحیح رہے گی لہذا اگر کسی موصی نے ایک موصی لہ کے لیے گھر کی وصیّت کر دی اور دوسرے کے لیے ایک سال تک اس گھر کے رہائش کی وصیّت کر دی تو یہ دونوں وصیّتیں درست ہیں۔ موصی لہ اول گھر کا مالک بن جائے گا اور موصی لہ ثانی ایک سال تک صرف اس میں رہائش اختیار کرے گا۔ پھر موصی لہ اول کے حوالے کرے گا۔ اسی طرح اگر زید نے خالد کے لیے ایک جانور کی وصیّت کر دی اور اس کے حمل کی جو اس کے پیٹ میں ہے بکر کے لیے وصیّت کی اور یہ جانور تہائی ترکہ سے نکل سکتا ہو تو جانور خالد کا ہو جائے گا اور حمل بکر کے لیے ہو گا۔ اسی طرح خالد کے لیے انگوٹھی کی وصیّت اور بکر کے لیے اس کے نگینے کی وصیّت یا خالد کے لیے ٹوکری کی وصیّت اور بکر کے لیے اس ٹوکری میں موجود کھجوروں کی وصیّت کرنا جائز ہے کیونکہ یہ دونوں الگ الگ وصیّتیں ہیں اور ہر ایک اپنی جگہ پر جائز ہے۔[3]

---

1 المبسوط، ۲۷: ۱۸۲

2 الفتاوی الهندية، ۶: ۱۲۱

3 بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ۷: ۳۵۴

**دفعہ 97: موصی لہ کے لیے گھر کے کرایہ یا غلام کے مزدوری کی وصیت کی صورت میں اس گھر میں موصی لہ کا خود رہائش اختیار کرنا یا غلام سے خود خدمت لینا جائز نہیں ہو گا اور اس کا عکس بھی جائز نہیں ہو گا۔**[1]

**وضاحت:**

موصی اگر موصی لہ کے لیے اپنے گھر کے کرایہ یا غلام کے مزدوری کی وصیّت کرتا ہے اور وہ موصی لہ اس گھر میں خود رہائش اختیار کرتا ہے یا غلام سے خود خدمت لیتا ہے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ موصی بہ آمدنی ہے نہ کہ عین منافع، اور ان دونوں میں تغایر ہے۔ اس لیے کہ آمدنی دراہم و دنانیر ہوں گے اور یہی موصی بہ ہے اور خود استعمال میں لانے سے یہ موصی بہ نہیں رہے گا۔ اسی طرح ورثہ کے حق میں بھی دونوں میں تفاوت ہے وہ اس طرح کہ اگر موصی لہ ان سے آمدنی حاصل کرلے اور اتفاق سے کہیں سے موصی پر قرضہ ظاہر ہو جائے تو ورثہ کے لیے جائز ہے کہ موصی لہ سے آمدنی کو واپس لے کر قرض ادا کر دے اور اگر موصی خود منافع حاصل کرنا شروع کر دے تو منافع کو واپس لینا ممکن نہیں لہٰذا قرض کی ادائیگی بھی ممکن نہیں ہو گی۔ اس کے برعکس اگر موصی نے موصی لہ کے لیے اپنے گھر میں رہائش یا غلام کی خدمت کی وصیّت کی اور موصی لہ خود استعمال کرنے کی بجائے آگے کسی اور کو اجارہ پر دیتا ہے تو یہ جائز نہیں ہو گا کیونکہ وصیّت موت کے بعد بغیر بدل کی تملیک ہے موصی نے موصی لہ سے اس تملیک کا کوئی بدل اور عوض نہیں لیا ہے تو موصی لہ کو بھی یہ حق نہیں ہو گا کہ وہ دوسروں کو بدل اور عوض کے ساتھ اس کا مالک بنا دیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ منافع مال نہیں ہے اور منافع کو مال کے ذریعے حاصل کرنے میں منافع میں مالیت کی صفت پیدا کرنا ہے اور منافع میں مالیت کی صفت صرف دو فریق پیدا کرسکتے ہیں ایک جو عقدِ معاوضہ کی وجہ سے منافع کا مالک ہوا ہو جیسے مستاجر (کرایہ پر لینے والا) تو اس کو آگے بھی اجارہ پر دینے کا حق ہو گا۔ اور جو منافع کا مالک، ملکِ رقبہ کی تبعیت اور ضمن میں ہوا ہو جیسے مشتری اور وارث تو یہ لوگ دوسروں کو بھی منافع کا مالک مال کے ساتھ بنا سکتے ہیں اور جو شخص فقط منافع کا مالک بنا ہو اور وہ بھی بغیر عوض کے تو اس کو یہ حق نہ ہو گا کہ عوض کے ساتھ دوسروں کو اس کا مالک بنائے۔[2]

**دفعہ 98: منافع کی وصیّت میں اگر وقت کی تعیین نہیں کی تو موصی لہ پوری زندگی اس وصیّت کا فائدہ اٹھائے گا۔**[3]

**وضاحت:**

منافع کی وصیّت میں اگر وقت کی تعیین نہ کی جائے تو یہ وصیّت پوری زندگی کے لیے شمار کی جائے گی مثلاً کسی موصی نے موصی لہ کے لیے اپنے گھر کی رہائش یا اپنے باغ کے پیداوار کی وصیّت کی اور اس نفع اٹھانے کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں کیا تو اگر یہ باغ یا گھر پورے مال کے ثلث سے نکل سکتا ہو تو موصی لہ پوری زندگی اس رہائش اور پیداوار سے نفع اٹھائے گا۔ ثلث کا اعتبار کرنے میں صرف موصی بہ کا اعتبار ہو گا پیداوار کی قیمت اس کے ساتھ نہیں ملائی جائے گی۔[4]

---

1 الفتاوى الهندية، ٦:١٢٢
2 العناية شرح الهداية، ١٠:٤٨٧
3 الفتاوى الهندية، ٦:١٢٢
4 تحفة الفقهاء، ٣:٢٠٨

موصی کے موت کے بعد اور موصی لہ کے موت سے پہلے جتنا پیداوار ہو گا وہ موصی لہ یا اس کے ورثہ کا حق ہو گا اور جو موصی لہ کے موت کے بعد حاصل ہو وہ موصی کے ورثہ کا حق ہو گا۔[1]

**دفعہ 99: لفظِ ثمر (پھل) کے ساتھ وصیّت کا اطلاق صرف موصی کے موت کے وقت موجود پھل پر ہو گا اور لفظ غلہ (پیداوار یا آمدنی) کے ساتھ وصیّت کا اطلاق موجودہ اور آئندہ تمام پیداوار پر ہو گا۔[2]**

**وضاحت:**

ثمر (پھل) عرف میں اس کو کہتے ہیں جو موجود ہو لہذا اس میں آئندہ پیدا ہونے والا پھل شامل نہ ہو گا کیونکہ وہ فی الحال معدوم ہے اور لفظِ غلہ (پیداوار) اپنی وضع کے اعتبار سے موجود اور اس معدوم کو بھی شامل ہے جو موجود ہو سکتا ہے لہذا وصیّت کے دوران اگر لفظِ غلہ بولا جائے تو وہ عرفاً موجود اور غیر موجود دونوں کو شامل ہو گا مزید کسی لفظ کے اضافے کی ضرورت نہیں ہو گی اور اگر لفظ ثمر (پھل) مطلق بولا ہے تو اس سے صرف وہ پھل مراد ہو گا جو موجود ہے اور آئندہ پیدا ہونے والے پھل کو اس میں شامل کرنے کے لیے لفظِ ابد وغیرہ کے اضافے کی ضرورت ہو گی لہذا اگر کسی موصی نے اپنے باغ کے غلہ (پیداوار) کی کسی کے لیے وصیّت کر دی تو موجودہ اور آئندہ پیدا ہونے والی سب پیداوار موصی لہ کے لیے ہو گی اور اگر اپنے باغ کے پھل کی کسی کے لیے وصیّت کر دی اور لفظ ابد (ہمیشہ) کا اضافہ نہیں کیا ہے تو صرف موصی کے موت کے وقت موجود پھل موصی لہ کو ملیں گے اور اگر لفظ ابد (ہمیشہ) کا اضافہ بھی کیا ہے تو موصی لہ کے موت تک پیدا ہونے والی تمام پیداوار کا موصی لہ مستحق ہو گا۔[3]

مطلق لفظِ ثمر استعمال کرنے کی صورت میں اگر موصی کے موت کے وقت باغ میں پھل موجود ہی نہ ہو تو قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ وصیّت باطل ہو جائے لیکن استحساناً اس وصیّت کو درست قرار دیا گیا اور موصی کے موت کے بعد جو پھل پیدا ہوں گے وہ موصی لہ کو ملیں گے تاکہ موصی کے کلام پر حتی الوسع عمل ہو سکے۔[4]

اگر وصیّت والا باغ ثلث سے نہ نکلتا ہو اور موصی لہ نے اس وصیّت والے باغ کی پیداوار ورثہ کے ساتھ تقسیم کر دی اور موصی لہ یا ورثہ کے حصہ میں مزید نئے درخت پیدا ہو گئے اور ان پر پھل آ گیا تو وہ پھل بھی ورثہ اور موصی لہ کے درمیان شریک ہوں گے اور مذکورہ اصول کے مطابق تقسیم ہوں گے۔

ورثہ کے لیے اجازت ہے کہ اگر ان کے اپنے دو ثلث فروخت کرنے سے موصی لہ کے پیداوار میں کوئی فرق نہ آتا ہو تو وہ وصیّت والے باغ میں سے اپنے دو ثلث فروخت کر سکتے ہیں۔ اس لیے مشتری اور موصی لہ آپس میں پیداوار میں شریک ہو جائیں گے لیکن کل باغ کا فروخت کرنا جائز نہ ہو گا کیونکہ ثلث کے ساتھ موصی لہ کا حق متعلق ہے۔

اگر وصیّت والے باغ میں درخت وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں باغ کسی کو کرایہ پر دیا جائے گا اور آنے والا کرایہ، ورثہ اور موصی لہ کے درمیان تقسیم ہو گا۔

---

1 البحر الرائق، ۸:۵۱۴

2 الفتاوی الهندية، ۶:۱۲۲

3 درر الحکام، ۲:۴۴۵

4 البناية شرح الهداية، ۱۳:۴۹۲

لفظِ غلہ استعمال کرتے ہوئے اگر باغ کے پیداوار کی وصیّت کی تو اس صورت میں اس باغ کا تمام پیداوار قوائم واوراق وایندھن اور پھل سب وصیّت میں داخل ہوں گے۔[1]

**دفعہ 100: شریعتِ مطہرہ میں جن معدوم چیزوں کا بیع اور اجارہ جائز ہے ان کی وصیّت بھی جائز ہو گی اور جن کا بیع اور اجارہ جائز نہیں ان کی وصیّت بھی جائز نہیں۔**[2]

**وضاحت:**

اگر کسی موصی نے اپنے جانوروں کے اون، اولاد اور دودھ کی کسی موصی لہ کے لیے وصیّت کر دی تو موصی کے موت کے دن جو اون جانوروں کے پشتوں پر ہو، جو بچے ان کے بطون میں ہو اور جو دودھ ان کے تھنوں میں ہو وہ موصی لہ کے لیے ثابت ہو جائے گی خواہ موصی نے بوقتِ وصیّت ابداً کہا ہو یا نہ کہا ہو۔ اس لیے کہ وصیّت موت کے وقت ہی ایجاب شمار ہو تا ہے تو ان اشیا کے اسی دن قیام کا اعتبار ہو گا نہ کہ اس کے بعد، بخلاف ثمرہ اور غلہ والے مسئلہ کے کہ غلہ میں تو خود ہی تابید (ہیشگی) کا معنی ہے اور ثمرہ میں لفظِ ابد کا اضافہ کرنے کی وجہ سے ہیشگی پیدا ہو جاتی ہے۔ دونوں مسئلوں میں فرق یہ ہے کہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ معدوم کی تملیک صحیح نہ ہو کیونکہ معدوم چیز جب ملک کو قبول نہیں کرتا تو اس کا دوسروں کو مالک کیسے بنایا جا سکتا ہے لیکن شریعتِ مطہرہ نے مساقات اور اجارہ میں پھلوں کے سلسلے میں معدوم کے عقد اور معاملے کو جائز قرار دیا ہے تو اسی پر قیاس کرتے ہوئے ان کی وصیّت بھی جائز قرار دی گئی جب کہ اون، دودھ اور جانوروں کی اولاد یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن پر معدوم ہونے کی صورت میں شریعت میں کوئی عقد ثابت نہیں ہے اور نہ کسی عقد سے ان کا استحقاق ثابت ہو سکتا ہے اس لیے ان چیزوں کے معدوم ہونے کی صورت میں وصیّت بھی درست نہ ہو گی لہٰذا صرف موصی کے موت کے وقت موجود اشیا میں وصیّت ثابت ہو جائے گی۔[3]

**دفعہ 101: ورثہ کا موصی بہ کو چھڑانے کے لیے موصی لہ کے ساتھ مال کے بدلے صلح کرنا جائز ہے۔**[4]

**وضاحت:**

موصی کے موت کے بعد موصی لہ، موصی بہ یا منافعِ موصی بہ کا مالک ہو جاتا ہے اب موصی لہ اپنی ملکیت میں موصی بہ میں ہر قسم تصرف کا حق رکھتا ہے چاہے موصی بہ کو خود استعمال کرے یا فروخت کرے یا کسی کو ہبہ کرے یا اجرت وعاریت پر دے لہٰذا اگر موصی کے ورثہ موصی لہ کے ساتھ موصی بہ کو چھڑانے کے لیے مال کے بدلے صلح کر لیں تو موصی لہ کے لیے یہ صلح جائز ہو گی۔ منافع اور حقوق کی بیع مستقل طور پر جائز نہیں لیکن وصیّت کے باب میں موصی بہ کو چھڑانے کے لیے بطورِ صلح مال دینا جائز ہے۔ جو اگرچہ بظاہر منافع کی بیع نظر آ رہی ہے کہ ایک طرف سے مال دیا جا رہا ہے اور دوسری طرف سے منافع واپس کیے جا رہے ہیں۔[5]

---

1 قرہ عین الأخیار لتکملۃ ردالمحتار، ۷: ۲۷۹

2 الفتاوی الھندیۃ، ۶: ۱۲۳

3 البنایۃ شرح الھدایۃ، ۱۳: ۴۹۲

4 الفتاوی الھندیۃ، ۶: ۱۲۳

5 قرہ عین الأخیار لتکملۃ ردالمحتار، ۷: ۲۷۹

**دفعہ 102: کپڑوں کی وصیت کی صورت میں عمومی اور عرفی لباس مراد ہو گا اور لباس کے بدلے میں اس کی قیمت بھی دی جا سکتی ہے۔**[1]

**وضاحت:**

ہر معاشرے اور علاقے کا اپنا مخصوص لباس ہوا کرتا ہے اور پھر بعض لباس ایسے ہیں جن کو عمومی طور پر سب لوگ استعمال کرتے ہیں جیسے شلوار، قمیص، چادر، جبہ، واسکٹ اور بنیان۔ بعض لباس ایسے ہیں جن کو خاص لوگ استعمال کرتے ہیں جیسے ٹوپی موزے اور جراب وغیرہ۔ اگر کسی موصی نے کپڑوں کی وصیّت کی تو اس سے اس معاشرے اور عرف کی وہ لباس مراد ہو گی جن کو عام لوگ پہنتے ہیں اور وہ مراد نہیں ہو گی جن کو خاص خاص لوگ پہنتے ہیں۔

کپڑوں کی وصیّت کی صورت میں موصی لہ کو ان کپڑوں کی قیمت بھی دی جا سکتی ہے کیونکہ مقصود موصی لہ کی ضرورت پوری کر کے اجر و ثواب حاصل کرنا ہے اور وہ ضرورت قیمت کی صورت میں بھی پوری ہو سکتی ہے۔[2]

اگر کسی موصی نے اپنے لباس کا کسی کے لیے وصیّت کیا تو لباس سے متعلقہ تمام چیزیں قمیص، شلوار، ٹوپی اور موزے اس میں داخل ہوں گے لیکن اس شخص کا تلوار اور پیٹی اس میں داخل نہ ہو گی کیونکہ یہ چیزیں لباس سے متعلق نہیں ہیں اور اگر اپنے ساز و سامان کا کسی کے لیے وصیّت کیا تو پھر یہ چیزیں بھی وصیّت میں داخل ہوں گی کیونکہ ساز و سامان سے مراد موصی کے جسم سے متعلق ہر چیز ہوا کرتی ہیں۔[3]

**دفعہ 103: وصیّت کے دوران زمین کے پیداوار اور آمدنی کا خراج (حکومتی ٹیکس) پیداوار حاصل کرنے والے پر ہو گا۔**[4]

**وضاحت:**

خراج (حکومتی ٹیکس) کا لزوم زمین سے پیدا حاصل کرنے کے اعتبار سے ہوتا ہے لہذا جس شخص نے زمین کا پیداوار کاٹ کر حاصل کیا ہو اسی پر اس کا خراج ہو گا۔ موصی نے اگر موصی لہ کے لیے باغ کے پھل یا زمین کے کھیتی کی وصیّت کی لیکن ابھی کاٹا نہیں ہے تو اس کا خراج موصی لہ پر آئے گا کیونکہ وہ ہی اس کو کاٹ کر پیداوار حاصل کرے گا اور اگر موصی نے پھل توڑ کر یا کھیتی کاٹ کر اس کے بعد موصی لہ کے لیے اس کی وصیّت کی تو خراج موصی یا اس کے ورثہ پر آئے گا کیونکہ پیداوار اس نے حاصل کی۔[5]

**دفعہ 104: وصیّت میں موصی بہ کے تابع اور متصل چیزیں بھی وصیّت میں داخل ہوں گی۔**[6]

**وضاحت:**

---

1 الفتاوى الهندية، ٦: ١٢٣

2 البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ٨: ٤٨٣

3 ایضا، ٨: ٤٦٣

4 الفتاوى الهندية، ٦: ١٢٤

5 المبسوط، ٣٠: ١٩٦

6 الفتاوى الهندية، ٦: ١٢٤

معاملات کے دوران توابع چیزیں بھی اصل کے ضمن میں عقد میں شامل ہوا کرتی ہیں لہٰذا جو چیز بھی عرف وعادت میں دوسری چیز کا تابع شمار کیا جاتا ہے اور اس کے بغیر اس چیز کا وجود نہیں ہوتا تو وہ تابع بھی اصل کے ساتھ عقد میں شمار کی جائے گی جیسا کہ سرکہ، گھی، شہد وغیرہ جس برتن (بوتل وغیرہ) میں ہوا کرتی ہے یہ برتن عرف وعادت میں ان چیزوں کے تابع ہے۔ اسی طرح تلوار کا نیام اور پرتلہ عرف عادت میں تلوار کے تابع شمار کیا جاتا ہے لہٰذا اگر کسی موصی نے ان اصل چیزوں کی وصیّت کی تو اس وصیّت میں یہ توابع بھی داخل ہوں گے اور جو چیز عرف وعادت میں دوسری چیز کا تابع شمار نہیں کیا جاتا بلکہ کبھی کبھی اس کے بغیر بھی وہ چیز پایا جاتا ہے تو وہ چیز عقد میں اصل کے ساتھ داخل نہیں ہوگا جیسے گندم کی بوری، گھر کا سامان، قرآن کا غلاف وغیرہ۔ یہ چیزیں اپنی اصل کے ساتھ عرف وعادت میں لازم نہیں ہے۔ گندم بغیر بوری کے، گھر بغیر سامان کے اور قرآن بغیر غلاف کے پایا جاتا ہے لہٰذا یہ چیزیں عقد میں اصل کے ساتھ شامل نہیں ہوں گی۔[1]

اگر کسی موصی نے ایک مٹکہ سرکہ کی وصیّت کی تو سرکہ ساتھ مٹکہ کے ملے گا کیونکہ مٹکہ سرکہ کے تابع ہے اور اگر دارِ چارپاياں کی وصیّت کی یا اناج کے کشتی کی وصیّت کی تو صِرف دار اور اناج کی وصیّت ہوگی چارپائے اور کشتی وصیّت میں داخل نہیں ہوں گے کیونکہ یہ توابع نہیں ہیں۔[2]

## دفعہ 105: ایک چیز کے مختلف اجزا کا مختلف موصی لھم کے لیے وصیّت کرنا جائز ہے ۔[3]

**وضاحت:**

اگر کسی موصی نے کسی چیز کے مختلف متعین اجزا کا مختلف موصی لھم کے لیے وصیّت کی تو یہ وصیّت درست ہوگی مثلاً بکری کے گوشت کی وصیّت ایک شخص کے لیے کر دی اور اس کے کھال کی وصیّت دوسرے شخص کے لیے کر دی یا گندم کے خوشوں میں موجود گندم کی وصیّت ایک شخص کے لیے کر دی اور اس کے بھوسہ کی وصیّت دوسرے شخص کے لیے کر دی تو یہ دونوں وصیّتیں درست ہوں گی اور اگر دونوں موصی بہ کو حاصل کرنے کے لیے خرچہ یا محنت کرنا پڑتا ہو تو وہ دونوں موصی لہ برداشت کریں گے مثلاً ذبح شدہ بکری میں گوشت اور کھال کو حاصل کرنے کے لیے جانور کا کھال اتارنا دونوں موصی لھم کی ذمہ داری ہوگی اسی طرح گندم اور بھوسے کو حاصل کرنے کے لیے گندم کے گاہنے کی محنت اور اس کا خرچہ بھی دونوں پر آئے گا۔

اگر خرچہ صرف ایک موصی بہ کے حاصل کرنے پر آتا ہے دوسرا موصی بہ بغیر محنت اور خرچہ کے بھی حاصل ہو سکتا ہو تو پھر صرف محنت طلب موصی بہ والے موصی لہ پر خرچہ آئے گا جیسے اگر زندہ بکری کے گوشت کا ایک موصی لہ کے لیے وصیّت کیا اور اس کی کھال دوسرے کے لیے تو اب اس بکری کے ذبح کرنے کی ذمہ داری صرف گوشت والے موصی لہ پر آئے گی کیونکہ ذبح کرنا گوشت حاصل کرنے کے لیے ہی ہوتا ہے کھال تو بغیر ذبح کے بھی حاصل ہو سکتی ہے کہ جانور مردار ہو جائے اور اس کا کھال اتارا جائے۔ ذبح کی ضرورت ہی نہ آئے لہٰذا اس صورت میں کھال والے موصی لہ پر ذبح کی ذمہ داری نہیں ہوگی۔[4]

---

1 بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ۷:۳۵۷

2 الفتاوى الهندية، ۶:۱۲۴

3 الفتاوى الهندية، ۶:۱۲۷

4 المحيط البرهاني في الفقه النعماني فقه الإمام أبي حنيفة رضي الله عنه، أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (المتوفى: 616هـ)، ۳:۵۹۱، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، طبعة أولى 1424ھ/2004ء۔

اگر اس چیز کے اجزا کو الگ الگ حاصل کرنا مشکل ہو اور بغیر ضرر کے جدا نہ ہو سکتے ہوں تو زیادہ قیمت والا جزر کھنے والا، کم قیمت والے جز کا ضمان دے کر پورے چیز کا مالک ہو جائے گا۔ مثلاً انگوٹھی کے حلقے کی وصیّت ایک شخص کے لیے کی اور نگینے کی وصیّت دوسرے کے لیے کی تو یہ وصیّت درست ہے لیکن اگر حلقہ اور نگینہ الگ الگ موصی لھم کو حوالہ کرنا مشکل ہو تو اگر نگینہ کی قیمت زیادہ اور حلقہ کی کم ہے تو نگینہ والا موصی لہ، حلقہ کی قیمت دے کر پوری انگوٹھی لے لیں۔ [1]

1 مجمع الضمانات، أبو محمد غانم بن محمد البغدادي الحنفي (المتوفى: 1030هـ)، ١: ٤٥٠، دار الكتاب الإسلامي، بيروت، س ن

**دفعہ 106: دنیوی معاملات میں ذمی کی وصیّت مطلقاً جائز ہے۔**[1]

**وضاحت:**

کافر کی تین قسمیں ہیں:

**۱:** ذمی: ایسا کافر جو مستقل طور پر دارالاسلام (مسلمانوں کے ملک) میں رہتا ہو۔

**۲:** مستامن: ایسا کافر جو امان اور ویزہ لے کر کچھ وقت کے لیے دالاسلام آیا ہو۔

**۳:** حربی: ایسا کافر جو دار الحرب (کافروں کے ملک) میں رہتا ہو۔

دنیوی معاملات میں ذمی کی وصیّت مطلقاً جائز ہے کیونکہ دارالاسلام میں رہنے کی وجہ سے اس نے اس ملک کے تمام قوانین کو ماننے کا اقرار کیا ہے اور دنیوی معاملات میں ان کے ساتھ اس ملک کے دیگر مسلمانوں جیسا سلوک کیا جاتا ہے لہذا وصیّت کے معاملے میں بھی جن شرائط کے ساتھ مسلمانوں کے لیے وصیّت جائز ہے، دنیوی معاملات میں انہی شرائط کے ساتھ ذمی کے لیے بھی وصیّت جائز ہو گی جس طرح مسلمان کی وصیّت، ثلث سے زیادہ، ورثہ کی اجازت کے بغیر جائز نہیں اور ورثہ کے لیے وصیّت جائز نہیں یہی احکام ذمی کے لیے بھی ہوں گے۔[2]

**دفعہ 107: دینی معاملات میں ذمی کی وصیّت کی دو صورتیں بنتی ہیں:**

**۱: ذمی کا متعین اور قابلِ شمار قوم کے لیے وصیّت کرنے کی صورت میں ہر قسم کی وصیّت جائز ہو گی۔**

**۲: ذمی کا غیر متعین اور ناقابلِ شمار قوم یا افراد کے لیے وصیّت کرنے کی صورت میں صرف ایسے کام کی وصیّت جائز ہو گی جو ان کے نزدیک قربت ہو۔**[3]

**وضاحت:**

وصیّت کے مفہوم میں تین معانی پائے جاتے ہیں:

**۱: قربت:** وصیّت کے ذریعے موصی اپنے مرنے کے بعد اپنے مال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسی وجہ سے معصیت والے کاموں میں وصیّت جائز نہیں ہوتی کیونکہ قربت کا معنیٰ مفقود ہوتا ہے۔

**۲: استخلاف:** کسی کو اپنے مال میں خلیفہ اور نائب مقرر کرنا استخلاف کہلاتا ہے۔ موصی بھی موصی لہ کو اپنے موصیٰ بہ مال کا خلیفہ اور نائب بناتا ہے۔

**۳: تملیک:** تملیک کا معنیٰ ہے مالک بنانا، موصی، موصیٰ لہ کو اپنے موصی بہ مال کا مالک بناتا ہے۔

---

1 الفتاوی الہندیۃ، ۶: ۱۳۱

2 نفس مصدر

3 الفتاوی الہندیۃ، ۶: ۱۳۱

وصیّت کی جن صورتوں میں قربت والا معنیٰ متحقق ہو سکتا ہے ان صورتوں میں بطور قربت کے وصیّت جائز ہو گی اور جن صورتوں میں قربت والا معنیٰ متحقق نہیں ہو سکتا مثلاً ذمی کافر نے ایسے کام کی وصیّت کی ہو جو ان کے ہاں ان کے مذہب میں تو قربت وعبادت شمار ہو تا ہو لیکن دینِ اسلام میں وہ معصیت ہو تو ایسی صورتوں میں استخلاف اور تملیک والے معنیٰ کو ملحوظ رکھتے ہوئے وصیّت جائز قرار دی جائے گی جن صورتوں میں موصی لہ غیر متعین اور ناقابلِ شمار ہونے کی وجہ سے مجہول ہو ان صورتوں میں وصیّت جائز نہ ہو گی کیونکہ مجہول کو مالک بنانا صحیح نہیں ہے۔

ذمی کی وصیّت کل چار قسم پر ہے:

**۱:** ذمی ایسی چیز کی وصیّت کرے جو ہمارے مذہب میں معصیت ہو اور ذمیوں کے مذہب میں قربت ہو جیسے اپنے گھر کو کنیسا بنانے کی وصیّت۔ یہ وصیّت جائز ہے۔ اسی طرح یہ وصیّت کی کہ میرے خنزیروں کو ذبح کر کے مشرکوں کو کھلا دینا، تو یہ وصیّت بھی جائز ہے۔[1]

**۲:** ذمی ایسی چیز کی وصیّت کرے جو ان کے مذہب میں قربت نہ ہو اور ہمارے مذہب میں قربت ہو جیسے ذمی کہے کہ میرے مال سے حج کرا دینا یا مسلمانوں کی مساجد میں لائٹنگ کا انتظام کر دینا، تو اگر وہ لوگ جن کے لیے وصیّت کی ہو ناقابلِ شمار ہو تو یہ وصیّت باطل ہو گی اور اگر قابلِ شمار قوم کے لیے وصیّت کی ہو تو وصیّت جائز ہو گی اور ہم یہ سمجھ لیں گے کہ موصی نے اس معین قوم کو اس مال کا مالک بنا دیا ہے اور جو جہت اس نے بیان کی ہے کہ اس کو حج وغیرہ میں خرچ کیا جائے یہ اس کا مشورہ ہے۔ وہ قوم اس کی مالک بن جائے گی اور اس مال کا جو چاہے کرے۔[2]

**۳:** ذمی ایسی چیز کی وصیّت کرے جو ہمارے نزدیک بھی قربت ہو اور ان کے نزدیک بھی قربت ہو تو یہ وصیّت جائز ہے، مثلاً یوں کہا کہ میرے مال میں سے بیت المقدس میں لائٹنگ کا انتظام کیا جائے۔ یہاں قوم کے قابلِ شمار ہونے اور ناقابلِ شمار ہونے سے کوئی بحث نہیں۔[3]

**۴:** ذمی نے ایسے کام کی وصیّت کی جو کسی کے نزدیک بھی باعثِ اجر وثواب نہ ہو، جیسے وصیّت کرتے ہوئے کہا کہ میرا اتنا مال گانے والی عورتوں یا نوحہ کرنے والی عورتوں کو دے دیں تو یہ وصیّت باطل ہے۔ اس لیے کہ بطورِ قربت اس کو صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ بطورِ تملیک کے۔ اس لیے کہ وہ لوگ غیر محصور ہونے کی وجہ سے مجہول ہیں اور مجہول کو مالک بنانا صحیح نہیں ہے، تاہم اگر کسی معین اور قابلِ شمار قوم کے نوحہ کرنے والی یا گانے والی عورتوں کے لیے وصیّت کی تو اب یہ وصیّت تملیک اور استخلاف کی حیثیت سے درست ہو جائے گی قربت کی حیثیت سے نہیں۔[4]

**دفعہ 108: وصیّت کے باب میں بدعتی شخص اگر حدِ کفر تک پہنچا ہو تو وہ مرتد کے حکم میں ہے ورنہ مسلمان کے حکم میں ہو گا۔**[5]

---

1 البنایة، ۱۳: ۴۹۴

2 الهدایة، ۴: ۲۳۷

3 مجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر، ۲: ۷۱۷

4 البحر الرائق، ۸: ۵۱۹

5 الفتاوی الهندیة، ۶: ۱۳۲

**وضاحت:**

بدعتی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے دین میں اپنی طرف سے باتیں گھڑی ہو اور ان کو دین سمجھتا ہو ایسے شخص کی بدعت اگر حدِ کفر تک پہنچی ہوئی ہو تو وہ مرتد کے حکم میں ہے اور اس کے تصرفات موقوف ہوں گے اور اگر حدِ کفر تک پہنچی ہوئی نہ ہو تو وہ مسلمانوں کے حکم میں ہے، چونکہ مرتد کو یا تو قتل کیا جاتا ہے یا مسلمان ہو جاتا ہے اور اپنی ارتداد پر باقی نہیں رہتا، اس لیے مرتد ذمی کے درجہ میں نہیں ہوگا۔[1]

**دفعہ 109: حربی مستأمن کا مسلمان اور ذمی کے لیے اور مسلمان اور ذمی کا حربی مستأمن کے لیے وصیت جائز ہے۔**[2]

**وضاحت:**

حربی کافر جب امان لے کر دار الاسلام آجائے تو اس کا حکم ذمی کی طرح ہو جاتا ہے تو جس طرح ذمی کا مسلمان کے لیے اور مسلمان کا ذمی کے لیے وصیّت کرنا جائز ہے اسی طرح حربی مستأمن کا مسلمان اور ذمی کے لیے اور مسلمان اور ذمی کا حربی مستأمن کے لیے وصیّت جائز ہوگی اور جو اصول اور شرائط ذمی کی وصیّت کے لیے ہیں وہی مستأمن کے لیے بھی ہوں گے لیکن اگر مستأمن کے ساتھ ورثہ دار الاسلام نہ آئے ہوں وہ دار الحرب میں ہوں یا اس کا وارث ہی نہ ہو تو حربی کا اپنے مال کی ثلث سے زیادہ کی وصیّت کرنا بھی جائز ہوگا کیونکہ ثلث سے زیادہ کی وصیّت کا ممتنع ہونا ورثہ کے حق کی وجہ سے ہے اور حربی مستأمن کے ورثہ کے لیے کوئی ایسا حق نہیں جس کی رعایت کی جائے کیونکہ دار الحرب میں ہونے کی وجہ سے حربیین ہمارے حق میں مردہ ہے اور مستأمن کے مال کی حرمت امان اور ویزہ کے اعتبار سے ہے اور یہ امان مستأمن کا حق ہے نہ کہ اس کے ورثہ کا تاہم اگر مستأمن کے ساتھ ورثہ دار الاسلام آئے ہوں تو پھر ثلث سے زیادہ کی وصیّت ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوگی کیونکہ امان لے کر مستأمن نے اسلامی احکام اپنے لیے ثابت کر دیئے ہیں۔[3]

اگر حربی نے دار الحرب میں وصیّت کی پھر دار الحرب کے لوگ مسلمان ہوگئے یا سب ذمی ہوگئے اور انہوں نے قاضی کے پاس اس وصیّت کے نافذ کرنے کا مقدمہ پیش کیا تو اگر وصیّت کی چیز موجود ہو تو قاضی اس وصیّت کو نافذ کر دے اور اگر ان کے مسلمان ہونے سے پہلے وہ چیز تلف ہوگئی ہے تو قاضی اس وصیّت کو باطل قرار دے دیں گے۔

حربی مستأمن نے اگر ذمی یا مسلمان کے واسطے اپنے بعض مال کی وصیّت کی ہے اور دار الاسلام میں انتقال کر گیا تو بقیہ مال اس کے وارثانِ دار الحرب کو واپس کیا جائے گا۔[4]

**دفعہ 110: وصیّت کرنے کے بعد موصی کے مرتد ہونے کی صورت میں وصیت موقوف ہوگی اور مرتدہ کی وصیّت صحیح ہوگی۔**[5]

**وضاحت:**

---

1 تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ۶:۲۰۵

2 الفتاوی الهندية، ۶:۱۳۲

3 بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ۷:۳۳۵

4 الموسوعة الفقهية، ۴۳:۲۳۷

5 الفتاوی الهندية، ۶:۱۳۲

مرتد شخص کا چار قسم کے احوال سے سامنا کرنا ممکن ہوتا ہے۔ یا تو مطمئن ہو کر دوبارہ اسلام قبول کر لیتا ہے یا اپنے طبعی موت مر جاتا ہے یا قبولیتِ اسلام سے انکار کی وجہ سے قتل کیا جاتا ہے یا دار الحرب والوں کے ساتھ جاملتا ہے۔ دوبارہ اسلام قبول کرنے کی صورت میں اس کی ملکیت اپنے اموال پر برقرار رہے گی اور اس کے تمام تصرفات نافذ ہو جائیں گے کیونکہ ارتداد کی وجہ سے اپنے اموال سے اس کی ملکیت محلِ زوال میں تھی اور اس کے تمام تصرفات موقوف ہو گئے تھے۔

حالتِ ارتداد میں خود مر جانے، قتل کیے جانے یا دار الحرب کے ساتھ جاملنے کی وجہ سے وقتِ ارتداد سے اس کی ملکیت اپنے اموال سے زائل ہو جائے گی اور تمام موقوف تصرفات باطل ہو جائیں گے۔ مرنے اور قتل کیے جانے کی صورت میں تو ملکیت کا زائل ہونا واضح ہے لیکن دار الحرب کے ساتھ الحاق کی صورت میں ملکیت کا زائل ہونا اس وجہ سے ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے یہ حکم لگایا ہے کہ جب مرتد شخص دار الحرب کے ساتھ مل جائے اور قاضی اس کے دار الحرب کے ساتھ مل جانے کا فیصلہ سنادے تو یہ مرنے کے قائم مقام ہے اور موت کے احکام اس پر لاگو ہو جاتے ہیں۔[1] لہذا اگر کسی شخص نے وصیّت کی اور پھر مرتد ہو گیا تو اس کی وصیّت موقوف رہے گی۔ اس پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر دوبارہ اسلام میں داخل ہو گیا تو یہ وصیّت درست قرار دے کر نافذ کی جائے گی اور اگر اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تو اس کی سزا دینِ اسلام میں قتل ہے۔ اب خود مر جانے یا قتل کیے جانے یا دار الحرب کے ساتھ مل جانے کی صورت میں یہ وصیّت باطل ہو جائے گی کیونکہ ان احوال کے پیش آنے کی وجہ سے وقتِ ارتداد سے اس کی ملکیت اپنے اموال سے زائل شمار کی جاتی ہے اور وصیّت کا حکم تو ان احوال کے پیش آنے کے وقت ثابت ہوتا ہے اور اس وقت وہ موصی بہ اس کی ملکیت سے نکل چکا ہے لہذا موصی بہ معدوم ہونے کی وجہ سے وصیّت باطل قرار دی جائے گی۔[2]

مرتدہ عورت نے اگر وصیّت کی ہو تو جس قوم اور مذہب کی طرف وہ مرتد ہوئی ہے ان کے اعتبار سے جو وصایا صحیح ہوا کرتی ہیں وہی وصایا اس مرتدہ عورت کی طرف سے بھی صحیح قرار دے کر نافذ کیے جائیں گے کیونکہ مرتدہ کو قتل نہیں کیا جاتا لہذا اس کا ارتداد اس کے اموال سے ملکیت کے زوال کا سبب نہیں بنتا لہذا اس کے تصرفات جائز ہوں گی۔[3]

## مسائلِ متفرقہ

### دفعہ 111: کسی بیماری کے دوران مطلق وصیّت کرنے کی صورت میں وہ وصیّت اسی بیماری کے ساتھ مقید نہیں ہوگی۔[4]

### وضاحت:

وصیّت کے ثبوت کا تعلق موصی کے موت کے ساتھ ہے چاہے وہ جب بھی وفات پائے لہذا اگر کسی موصی نے بیماری کے دوران وصیّت کی اور وصیّت کرتے وقت اسی بیماری کا قید نہیں لگایا کہ اگر اسی بیماری سے میں مر گیا تو میں یہ وصیّت کرتا ہوں تو اس وصیّت کا تعلق موصی کے موت کے ساتھ ہوگا چاہے اس بیماری سے مر جائے یا اس بیماری سے تندرست ہونے کے بعد کئی سال بعد

---

1 بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ۷:۱۳۶
2 تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ۶:۲۰۵
3 بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ۷:۱۳۷
4 الفتاوی الهندیة، ۶:۱۳۲

وفات پا جائے اور اگر وصیّت کے دوران اسی بیماری کا قید لگایا تو یہ وصیّت اسی بیماری کے ساتھ مقید ہو گی تندرست ہونے کے بعد، بعد میں مرنے سے یہ وصیّت نافذ نہیں ہو گی۔[1]

**دفعہ 112: کلام پر قادر نہ ہونے کی صورت میں اشارہ سے وصیّت کرنا جائز ہو گی۔**[2]

**وضاحت:**

جو شخص کسی مستقل عذر کی وجہ سے بات کرنے پر قادر نہ ہو تو معاملات میں اس کا اشارہ اس کے کلام کے قائم مقام ہو تا ہے بہ شرط یہ کہ وہ شخص خود اشارات کو سمجھتا ہو اور لوگ بھی اس کے اشارات کو سمجھتے ہوں جیسے گونگا اور کسی بیماری جیسے فالج وغیرہ کی وجہ سے باتوں سے رک جانے والا شخص بات کرنے پر قادر نہیں ہو تا تو اس کا اشارہ اس کے بات کرنے کے قائم مقام ہو گا کیونکہ باتوں پر قدرت رکھنے والے کا اشارہ اس کا بیان اور کلام شمار کیا جاتا ہے تو باتوں سے عاجز شخص کا اشارہ تو بدرجہ اولی کلام کے قائم مقام ہو گا لہذا اگر کسی گونگے یا کلام پر غیر قادر شخص نے اشارہ کے ساتھ وصیّت کی تو یہ وصیّت درست ہو گی۔[3]

**دفعہ 113: زیورات کی وصیّت کرنے کی صورت میں ہر وہ چیز اس وصیّت میں داخل ہو گی جو عرف میں زیور شمار ہو تا ہو۔**[4]

**وضاحت:**

زیورات کی وصیّت کرنے کی صورت میں ہر وہ چیز اس وصیّت میں داخل ہو گی جو عرف میں زیور شمار ہو تا ہو۔ انگوٹھیوں میں سے جو انگوٹھی صرف مرد استعمال کرتے ہیں وہ اس وصیّت میں داخل نہ ہو گی۔ موتی، یاقوت، زبر جد کے پتھر اگر سونے چاندی میں جڑے ہوئے نہ ہو خالص پتھر کی صورت میں ہو تو وہ وصیّت میں داخل نہیں ہوں گے اور اگر سونے چاندی کے انگوٹھی، ہار یا کسی دوسرے زیور میں ان کو جوڑا گیا ہو تو یہ زیور شمار ہو کر وصیّت میں داخل ہوں گے۔[5]

---

1 الدر المختار، ۶:۶۳۶

2 الفتاوى الهندية، ۶:۱۳۳

3 البحر الرائق، ۸:۵۴۴

4 الفتاوى الهندية، ۶:۱۳۶

5 البحر الرائق، ۸:۴۸۳

## فصل سوم: کتاب الوصایا الباب التاسع اور الباب العاشر کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ

### باب ۹: وصی اور اس کے اختیارات کے بیان میں

**دفعہ 114: امانت دار وصی کو وصایت پر برقرار رکھا جائے گا اور نااہل وفاسق وصی کو وصایت سے معذول کیا جائے گا۔**[1]

**وضاحت:**

وصی اور موصی الیہ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو موصی کے موت کے بعد اس کے اموال کا نظم ونسق کرتا ہے۔ اپنی نگرانی میں اس کے وصایا کو نافذ کرتا ہے اور باقی اموال کو ورثہ میں تقسیم کرتا ہے۔

وصی تین قسم کے ہوتے ہیں:

**ا:** ایسا امانت دار وصی جو وصایت کے نافذ کرنے پر قادر بھی ہو ایسا وصی اپنے وصایت پر برقرار رہے گا۔ قاضی اسے معذول کر کے دوسرے کو وصی مقرر نہیں کر سکتا کیونکہ وصایت کا مقصود پورا کرنے پر وہ قادر ہے۔

**۲:** ایسا امانت دار وصی جو وصیّت کے نافذ کرنے پر قادر نہ ہو بلکہ وصیّت والے کام کی انجام دہی سے عاجز ہو ایسا وصی بھی اپنی وصایت پر برقرار رہے گا لیکن قاضی اس کے ساتھ اس کی اعانت اور مدد کے لیے دوسرے وصی مقرر کرے گا تاکہ موصی کا نقصان نہ ہو جائے اور وصایت کا مقصد پورا ہو جائے۔

**۳:** ایسا وصی جس میں وصایت کی اہلیت ہی نہ ہو یا جس سے موصی کو نقصان پہنچے کا اندیشہ ہو جیسے فاسق یا کافر یا غلام شخص کو وصی بنایا گیا ہے تو قاضی پر واجب ہے کہ ایسے وصی کو وصایت سے معذول کر کے اس کی جگہ دوسرا وصی مقرر کر دے کیونکہ فاسق خیانت کے ساتھ متہم ہے اور کافر کو بھی دینی دشمنی اس بات پر ابھار سکتی ہے کہ مسلمان کے لیے شفقت والے رویئے کو چھوڑ کر اس کو نقصان پہنچا دے اور غلام کی ولایت اس کے آقا کی اجازت پر موقوف ہے۔ اس کو خود کوئی اختیار حاصل نہیں ہے چنانچہ ان صورتوں میں موصی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے لہذا قاضی ان کو وصایت سے معذول کر کے دوسرے امانت دار وصی کو وصایت کے لیے مقرر کرے گا۔[2]

فاسق وصی نے اگر قاضی کے اخراج سے پہلے پہلے ترکہ میں ایسا تصرف کیا جس طرح دیگر وصی کرتے ہیں تو یہ تصرفات جائز ہوں گے اسی طرح اگر قاضی کے اخراج سے پہلے فسق سے توبہ کر کے صالح ہو گیا تو قاضی اس کو بحالِ خود وصی چھوڑ دے گا۔[3]

**دفعہ 115: وصی کا موصی کی زندگی میں اس کے سامنے وصایت قبول کرنے کی صورت میں موصی کے موت کے بعد اس وصایت کو رد کرنے کا اختیار نہ ہو گا۔**[4]

---

1 الفتاوى الهندية، ٦: ١٣٧
2 الاختيار لتعليل المختار، ٥: ٦٧
3 العقد الدرية، ٢: ٣٠١
4 الفتاوى الهندية، ٦: ١٣٧

**وضاحت:**

وصایت (وصی بنانے) کا مقصد موصی کے موت کے بعد اس کے اموال کے نظم ونسق وحفاظت اور منصفانہ تقسیم کے بارے میں اطمینان حاصل کرنا ہوتا ہے یعنی موصی کسی کو وصی اس لیے مقرر کرتا ہے تاکہ اس کی موت کے بعد اس کا مال محفوظ اور صحیح طریقے سے ورثہ اور موصی لہ کے درمیان تقسیم ہو جائے لہذا اگر کسی موصی نے کسی شخص کو وصی بنایا اور اس نے موصی کے سامنے اس وصایت کو قبول کر لیا تو موصی کے موت کے بعد وصی کو اس وصایت سے انکار کرنے کا اختیار نہیں ہو گا کیونکہ موصی کے سامنے قبول کر کے اس نے موصی کو اطمینان دلا کر یقین دہانی کرادی کہ آپ اپنے مال کے بارے میں بے فکر رہے۔ موصی بھی وصی پر اعتماد کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو چکا ہے لہذا موصی کے موت کے بعد انکار کرنے کی صورت میں موصی کا ضررِ شدید اور اس کو دھوکا دینا ہے جو کہ حرام ہے۔[1]

اگر وصی نے موصی کے سامنے وصایت کو رد کیا یا موصی کے کہنے (ایجاب) کے بعد خاموشی اختیار کی نہ رد کیا اور نہ قبول کیا اور موصی کے موت کے بعد وصایت کو رد کرتا ہے تو اس کو یہ اختیار حاصل ہے اور رد کرنا صحیح ہو گا کیونکہ موصی کو وصی پر ولایتِ الزام حاصل نہیں ہے کہ وہ اس پر کوئی بات لازم کر دے اور وصی نے موصی کو بوقتِ وصایت قبول کر کے کوئی یقین دہانی بھی نہیں کرائی ہے کہ اس کے ساتھ دھوکہ کرنا لازم آجائے۔[2]

اگر وصی نے موصی کے سامنے بوقتِ وصایت خاموشی اختیار کی تو موصی کے موت کے بعد وصی کو قبول کرنے اور رد کرنے دونوں کا اختیار ہو گا اور اگر موصی کے مرنے کے بعد ایک دفعہ انکار کر دیا اور پھر کہتا ہے کہ میں قبول کرتا ہوں تو اگر قاضی نے اسے وصایت سے خارج نہ کیا ہو تو اسے وصایت قبول کرنے کا حق ہے اور اگر خارج کیا ہو تو پھر قبول کرنے کا حق نہیں ہو گا کیونکہ جب تک قاضی کا فیصلہ نہیں آیا تو میت کے فائدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے وصایت کو باقی رکھا گیا لیکن جب قاضی کا فیصلہ آگیا تو وصایت باطل ہو گئی اب اس کے بعد قبول کرنے کا اعتبار نہیں ہو گا۔[3]

موصی نے اگر کسی کو وصی بنایا اور اس نے موصی کے سامنے قبول کیا تو موصی کو اختیار ہے کہ وصی کی غیر موجودگی میں اس کو وصایت سے خارج کر دے لیکن وصی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ موصی کی غیر موجودگی میں اس وصایت سے انکار کر دے۔[4]

**دفعہ 116: وصی کا موصی کے ترکہ میں تصرف کرنا قبول کرنے کے قائم مقام ہے۔**[5]

**وضاحت:**

موصی کا کسی کو وصی بنانے کے بعد وصی کی طرف سے اس وصایت کو قبول کرنا ضروری ہے یہ قبول کرنا صراحتاً کلام کے ذریعے بھی ہو سکتا ہے اور موصی کے ترکہ میں کوئی تصرف کرنے کے ذریعے بھی ہو سکتا ہے یعنی یہ تصرف قبول کے قائم مقام ہو گا۔ اگرچہ وصی کا یہ تصرف کرنا وصایت کے علم کے بغیر ہو۔[1]

---

1 اللباب، ۴:۱۶۹

2 العنایة، ۱۰:۴۹۷

3 مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر، ۲:۷۱۹

4 مجمع الضمانات، ۱:۴۲۰

5 الفتاویٰ الھندیة، ۶:۱۳۷

ایک شخص نے دو آدمیوں کو وصی بنایا ایک نے وصایت قبول کیا اور دوسرے نے خاموشی اختیار کی۔ موصی کے موت کے بعد اگر خاموشی اختیار کرنے والے وصی نے موصی کے ترکہ میں کوئی تصرف کیا یا رضامندی ظاہر کرنے والا کوئی کلام کیا تو یہ اس کی طرف سے قبولِ وصایت شمار ہوگی۔[2]

**دفعہ 117: وصایت لازم ہونے کے بعد قاضی کے اخراج کے بغیر کسی وصی کو وصایت سے خارج نہیں کیا جاسکتا اور نہ وہ خود خارج ہوسکتا ہے۔[3]**

**وضاحت:**

موصی نے اپنی زندگی میں جس شخص پر اعتماد کرتے ہوئے اس کو وصی بنایا ہو اور وصی نے بھی وصایت کو قبول کر کے موصی کو اطمینان دلایا ہو۔ اب اگر وصی اس وصایت سے خود خارج ہونا چاہے یا ورثہ اس کو خارج کرنا چاہے تو خارج نہیں کر سکتے کیونکہ اس میں موصی میت اور اس کے ورثہ کا ضرر ہے۔ اگر واقعتاً وصی کو وصایت سے کوئی عذر ہو یا ورثہ کو اس پر کوئی اعتراض ہو تو وہ قاضی کے سامنے اپنی بات پیش کریں گے۔ قاضی تحقیق کرے گا اگر تحقیق کے بعد قاضی کے سامنے اس کی عاجزی یا کثرتِ مشغولیت ظاہر ہو جائے یا ورثہ کے دعوٰی کے مطابق اس کی کوئی خیانت ظاہر ہو جائے تو قاضی اس کو وصایت سے خارج کر کے اس کی جگہ دوسرا وصی مقرر کر دے گا تاکہ وصی اور میت کے ورثہ دونوں کی رعایت ہو سکے اور اگر وصی تصرفات پر قادر ہونے کے ساتھ ساتھ امین ہو تو قاضی اسے وصایت سے خارج نہیں کرے گا کیونکہ یہ وصی میت کا بنایا ہوا ہے تو جو دوسرا اس کی جگہ منتخب کیا جائے گا وہ اس کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر موصی نے اپنے باپ کی موجودگی میں کسی کو وصی مقرر کر دیا تو یہ وصی ولایت میں باپ سے مقدم ہوگا اگرچہ باپ میں کامل شفقت موجود ہے۔[4]

**دفعہ 118: وصی کا اہلِ ولایت میں سے ہونا ضروری ہے۔[5]**

**وضاحت:**

وصایت میں وصی کے لیے بطورِ خلافت ولایت اور اختیار ثابت کرنا ہوتا ہے اور کافر کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا"[6]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مسلمانوں پر کوئی اختیار نہیں دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"الإِسْلاَمُ يَعْلُو وَلاَ يُعْلَى"[1]

---

1 مجمع الضمانات، ۱:۴۲۰
2 البحر الرائق، ۸:۵۲۵
3 الفتاویٰ الهندية، ۶:۱۳۷
4 تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ۶:۲۰۸
5 الفتاویٰ الهندية، ۶:۱۳۸
6 النساء، ۴:۱۴۱

ترجمہ: اسلام غالب رہے گا مغلوب نہیں ہو گا۔

کافر کو وصی بنانے میں اس کو ولایت اور اختیار دینا لازم آتا ہے لہذا مسلمان کا کسی قسم کے کافر چاہے وہ ذمی ہو یا حربی مستأمن ہو یا غیر مستأمن کسی کو بھی وصی بنانا جائز نہیں ہے اور ذمی کافر بھی حربی کافر کو وصی نہیں بنا سکتا کیونکہ ذمی، حربی کے مقابلے میں ایسا ہے جیسا کہ مسلمان، ذمی کے مقابلے میں اور مسلمان اگر ذمی کو وصی بناتا ہے تو ناجائز ہے لہذا ذمی کا بھی حربی کافر کو وصی بنانا جائز نہیں ہو گا۔[2]

ذمی، ذمی کو وصی بنا سکتا ہے کیونکہ ان میں سے آپس میں ایک دوسرے پر ولایت حاصل ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے وارث بھی بنتے ہیں لہذا آپس میں ایک دوسرا کا وصی بننا بھی جائز ہو گا۔

حربی کافر، مسلمان اور ذمی دونوں کو وصی بنا سکتا ہے کیونکہ مسلمان اور ذمی دونوں کافر کے لیے اہل ولایت میں سے ہیں۔[3]

اگر مسلمان نے حربی یا مرتد کو وصی بنایا اور موصی کے موت سے پہلے پہلے وہ مسلمان ہو گئے تو ان کی وصایت بر قرار رہے گی کیونکہ جس علت کی وجہ سے ان کی وصایت باطل ہو رہی تھی وہ علت باقی نہیں رہی۔[4]

موصی نے عاقل شخص کو وصی بنایا لیکن اسے جنون ہو گیا اور مجنون اہل ولایت میں سے نہیں ہے تو اب وہ وصایت کے قابل نہیں رہا۔ قاضی اس کی جگہ پر دوسرا وصی مقرر کر دے گا تاہم قاضی کے وصی کے مقرر کرنے سے پہلے پہلے اسے جنون سے افاقہ ہو گیا تو اس کی وصایت بر قرار رہے گی اور اگر موصی نے شروع ہی سے بچے معتوہ یا مجنون کو وصی بنایا تو وصیّت جائز نہیں ہو گی بعد میں افاقہ ہو یا نہ ہو کیونکہ یہ لوگ بوقتِ وصایت، اہلِ ولایت نہیں ہے۔[5]

**دفعہ 119: کئی وصیوں میں سے ایک وصی کا تصرف، ورثہ کو نقصان پہنچنے یا صراحۃ ہر ایک کو تصرف کا اختیار دینے کی صورت میں جائز ہو گا۔**[6]

**وضاحت:**

وصایت کا مقصد موصی کے ترکہ کی حفاظت اور اس کے اموال کا نظم و نسق سنبھالنا ہوتا ہے۔ موصی کے وصایا کو نافذ کرنا اور باقی ترکہ کو ورثہ پر تقسیم کرنا وصایت کے اغراض میں داخل ہے۔ بعض اوقات ترکہ زیادہ ہوتا ہے یا ورثہ اور وصایا زیادہ ہوتے ہیں۔ ایک وصی کے لیے اس کا نظم و نسق سنبھالنا مشکل ہوتا ہے تو موصی دو یا دو سے زیادہ وصی مقرر کر لیتا ہے تاکہ باہمی تعاون اور غور و فکر سے یہ وصی اچھے طریقے سے اس کے مال کا نظم و نسق سنبھال سکے۔ موصی کو ایک وصی کے انتظام پر اطمینان نہیں ہوتا اس لیے وہ زیادہ مقرر کرتا ہے لہذا موصی کے موت کے بعد یہ تمام وصی مل کر موصی کے ترکہ میں تصرف کریں گے کسی ایک وصی کو باقی کی

---

1 صحیح البخاری، ۲:۹۳

2 الفتاوی الهندیة، ۶:۱۳۷

3 المبسوط، ۲۸:۲۵

4 الفتاوی الهندیة، ۶:۱۳۸

5 البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۸:۵۲۳

6 الفتاوی الهندیة، ۶:۱۵۸

اجازت کے بغیر تصرف کا حق نہیں ہو گا کیونکہ موصی کو ایک وصی کے تصرف پر اطمینان نہیں ہے[1] تاہم بعض امور ایسے ہیں جس میں تمام وصیوں کا انتظار کرنے اور تاخیر کرنے سے موصی کے ورثہ کو نقصان یا ترکہ کے ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے یا وہ امور ایسے آسان اور متعین ہوں کہ ان میں غور وفکر اور رائے قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تو ان میں تمام وصیوں کو جمع کرنے اور انتظار کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ایک وصی کو بھی وصیّت نافذ کرنے اور تصرف کرنے کا حق حاصل ہو گا مثلاً میت کے کفن دفن کا انتظام، موصی کے چھوٹے بچوں کے لیے کھانا اور کپڑے خریدنا، موصی کے پاس رکھی ہوئی متعین امانت واپس کرنا، اموالِ موصی کی حفاظت کرنا، ترکہ میں سے خراب ہونے والی چیزوں کو فروخت کرنا۔ ان امور میں ایک وصی بھی دوسرے کے اجازت کے بغیر تصرف کر سکتا ہے کیونکہ انتظار کی صورت میں لاش کے سڑنے، بچوں کے نقصان یا ترکہ کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اور ان امور میں ایک دوسرے سے رائے لینے اور غور وفکر کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔[2]

دو وصیوں میں سے اگر ایک فوت ہو جائے تو قاضی اس کی جگہ ایک وصی اور مقرر کر دے کیونکہ موصی کا مقصد یہ تھا کہ دو شخص میرے خلیفہ ہو کر میرے حقوق میں تصرف کرے اور موصی کا یہ مقصد پورا کیا جا سکتا ہے اور اگر قاضی سمجھتا ہو کہ زندہ موصی اکیلے وصایت کے فرائض انجام دے سکے گا تو اسے اکیلے ہی تصرف کرنے کا اختیار دے دے گا۔[3]

اگر مرنے والے وصی نے خود ہی دوسرے شخص کو وصی بنایا تو جائز ہے اور یہ وصی موصی اول کی طرف سے بھی وصی ہو گا اور اس موصی ثانی کی طرف سے بھی اس کے اپنے مال کے لیے وصی ہو گا۔ قاضی کو نیا وصی بنانے کی ضرورت نہیں ہو گی کیونکہ وصی کو وصی بنانے کا اختیار ہوتا ہے۔ جو ولایت موصی کو حاصل ہوتی ہے وہی ولایت بطور خلافت وصی کی جانب منتقل ہو جاتی ہے اور اسی ولایت کے تحت وصی تصرف کرتا ہے۔ موصی کو حق تھا کہ کسی کو وصی مقرر کر دے تو اسی طرح وصی کو بھی یہ حق ہو گا کہ وہ کسی کو وصی مقرر کر دے۔[4]

## دفعہ 120: وصی نابالغ ورثہ کی صورت میں بوقتِ ضرورت ترکہ میں سے سامان اور زمین ہر چیز کو فروخت کر سکتا ہے۔[5]

### وضاحت:

وصی کو اختیار ہے کہ جب وارث لوگ نابالغ ہوں تو بوقتِ ضرورت ترکہ کی ہر چیز کو فروخت کر دے۔ ماسوائے زمین کی بیع تو حفاظت کی ضرورت کی وجہ سے جائز ہے کیونکہ ثمن کی حفاظت کرنا سامان کی حفاظت کے مقابلے میں آسان ہے اور زمین کی بیع بھی بوقتِ ضرورت جائز ہو گی مثلاً میت پر اس قدر قرضہ ہو کہ بدوں زمین کے فروخت کرنے اور اس کے ثمن سے ادا کرنے کے ادا نہ ہو سکے یا نابالغ ورثہ کو ایسی ضرورت ہو کہ بغیر ثمنِ زمین کے وہ حاجت پوری نہ ہو یا مشتری کو اس زمین کی جانب ایسی رغبت ہو کہ دوچند قیمت دے کر خریدتا ہو یا ترکہ میں ایسی وصیّت ہو کہ اس کے پورا کرنے کے لیے زمین کی قیمت کی حاجت ہو یا زمین کا فروخت کرنا ان

---

1 الهداية، ۴: ۵۳۹

2 الجوهرة النيرة، ۲: ۲۹۱

3 البناية، ۱۳: ۵۰۹

4 فتح القدير، ۱۰: ۵۰۲

5 الفتاوى الهندية، ۶: ۱۴۴

یتیموں کے حق میں بہتر ہو مثلاً زمین کا خرچہ پیداوار سے زیادہ آتا ہو یا دکان اور گھر گرنے اور خراب ہونے کے قریب ہو۔ ان تمام صورتوں میں اگر زمین بیچنے کے بغیر ضرورت پوری نہ ہو تو زمین کو برابر قیمت پر یا معمولی نقصان پر فروخت کرنا جائز ہو گا زیادہ نقصان کے ساتھ یتیم کے لیے کوئی بھی تصرف جائز نہ ہو گی۔[1]

**دفعہ 121: وصی، بالغ ورثہ کے لیے بوقتِ ضرورت ماسوائے زمین کے باقی ترکہ کو فروخت کر سکتا ہے۔**[2]

**وضاحت:**

ورثہ اگر سب بالغ اور حاضر ہو تو وصی کا وارثانِ مذکور کی اجازت کے بغیر ترکہ میں سے کسی چیز کو بھی فروخت کرنا جائز نہیں ہو گا کیونکہ فروخت کرنا تو حفاظت کے لیے ہوتا ہے اور ورثہ خود بالغ اور حاضر ہے خود اپنے والد کے ترکہ کی حفاظت کر سکتے ہیں اور وارثانِ بالغ غائب ہوں تو وصی کا بوقتِ ضرورت ماسوائے زمین ترکہ کو فروخت کرنا یا ان سب کو اجارہ پر دینا جائز ہے کیونکہ مالِ غائب کی حفاظت کا وصی کو اختیار ہے اور سامان کا فروخت کرنا حفاظت میں شمار ہوتا ہے جب کہ زمینیں خود ہی محفوظ ہوتے ہیں ان کے فروخت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی البتہ اگر زمین بھی ایسی جگہ ہو کہ اس کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں زمینیں بھی بمنزلہ سامان کے ہو کر اس کا فروخت کرنا جائز ہو جائے گا۔ یہ سب اس وقت ہے کہ ترکہ اور میت پر قرضہ نہ ہو اگر میت پر قرضہ ہو تو بقدرِ قرضہ ترکہ کو فروخت کیا جائے گا کیونکہ قرض ادا کرنا، وصیّت نافذ کرنے اور تقسیمِ ترکہ سے مقدم ہے۔[3]

**دفعہ 122: میت پر کسی کے حق کے ثابت ہونے سے پہلے اس کے ترکہ سے وہ حق نہیں دیا جا سکتا ورنہ دینے والا ضامن ہو گا۔**[4]

**وضاحت:**

میت کے ترکہ پر اگر کسی نے قرض کا دعویٰ کیا تو گواہی کے ذریعے اپنے دعویٰ کو ثابت کرے گا تب اسے اپنا حق ملے گا اور اگر حق پہلے وصول کر لیا اور گواہی بعد میں دے رہا ہے تو یہ گواہی قبول نہ ہو گی اور حق دینے والا دیگر قرض خواہوں کے لیے ضامن ہو گا کیونکہ اس نے ثبوتِ حق سے پہلے حق دیا ہے اور اگر قضائے قاضی کے بعد قرض خواہ کو اس کا قرض دیا ہے تو دینے والا ضامن نہیں ہو گا۔[5]

**دفعہ 123: وصی، موصی کا خلیفہ ہوتا ہے موصی کے اختیارات وصی کو حاصل ہوں گے۔ موصی لہ، میت کا خلیفہ نہیں ہوتا۔**[6]

**وضاحت:**

---

1 مجمع الضمانات، ۱:۴۰۷
2 الفتاوی الهندية، ۶:۱۴۴
3 مجمع الضمانات، ۱:۴۰۷
4 الفتاوی الهندية، ۶:۱۴۰
5 العقود الدرية، ۱:۳۲۸
6 الفتاوی الهندية، ۶:۱۴۸

وصی، موصی کا خلیفہ اور نائب ہوتا ہے لہذا موصی کے ورثہ کے حق میں وصی کو ان امور کا اختیار ہو گا جن کا اختیار موصی کو تھا لیکن موصی لہ میت کا خلیفہ نہیں ہوتا لہذا اس کو ان امور کا اختیار نہ ہو گا جن کا اختیار موصی کو تھا۔

وصی، موصی کے ورثہ کی جانب سے ان کی غیر موجودگی میں نمائندہ بن کر ترکہ کا تقسیم کر سکتا ہے کیونکہ وصی اور وارث دونوں میت کے خلیفہ ہیں اور ایک خلیفہ اور نائب دوسرے خلیفہ اور نائب کی طرف سے تصرف کر سکتا ہے۔ وصی کے ہاتھ میں اگر وارث کا وہ مال جو وصی نے اس کے لیے تقسیم میں لیا تھا ہلاک ہو گیا تو اب وارث کو یہ حق نہ ہو گا کہ وہ موصی لہ کے ساتھ شریک ہو جائے کیونکہ وصی کا وصول کرنا وارث کا وصول کرنا ہے گویا کہ وارث نے اپنا حق وصول کر لیا ہے لیکن وصی، موصی لہ کا نائب بن کر تقسیم نہیں کر سکتا کیونکہ موصی لہ موصی کا خلیفہ نہیں ہے اور موصی لہ کی غیر موجودگی میں اگر وصی نے اس کے لیے تقسیم کر کے اس کا مال لے لیا اور وہ مال وصی کے پاس ہلاک ہو گیا تو چونکہ وصی کا موصی لہ کی طرف سے یہ تقسیم صحیح نہیں تھا لہذا ایسا سمجھا جائے گا کہ تقسیم ہوئی ہی نہیں ہے اور موصی لہ کو مابقیہ کا ثلث ملے گا کیونکہ موصی لہ وارث کا شریک ہے اور شرکت کا تقاضہ یہ ہے کہ مالِ مشترکہ میں سے جو مال ہلاک ہو وہ بھی مشترک اور جو باقی ہو وہ بھی مشترک باقی ہو گا۔[1] دونوں صورتوں میں وصی اس ہلاک شدہ مال کا ضامن نہیں ہو گا کیونکہ وصی امین ہے اور امین پر ضمان نہیں آتا۔[2]

موصی نے اگر مشتری سے کوئی چیز خریدی تھی اور پھر مر گیا تو وصی اور ورثہ عیب کی وجہ سے وہ چیز موصی کے بائع پر رد کر سکتے ہیں جس طرح موصی کو خود رد کرنے کا حق تھا کیونکہ وصی اور ورثہ اس کے خلیفہ ہیں۔ اسی طرح موصی کے فروخت کردہ چیز کو عیب کی وجہ سے مشتری، ورثہ اور وصی کو واپس لٹا سکتے ہیں جیسا کہ خود موصی کو واپس لٹایا جا سکتا تھا کیونکہ یہ اس کے خلیفہ اور نائب ہے لیکن موصی لہ، موصی کے بیع کے کسی قسم کے حقوق کا ذمہ دار نہیں ہو گا۔ کیونکہ موصی لہ، موصی کا خلیفہ نہیں ہے۔[3]

---

1 الهداية، ۴: ۵۴۱

2 الموسوعة الفقهية، ۴۳: ۲۱۳

3 البناية شرح الهداية، ۱۳: ۵۱۴

**دفعہ 124: وصی کے تقرر کی گواہی وصی کی رضامندی اور دعویٰ پر موقوف ہو گی۔**[1]

**وضاحت:**

وصیّت کے باب میں وصی اس شخص کو کہتے ہیں جو موصی کے موت کے بعد اس کے اموال کا نظم و نسق سنبھالتا ہے۔ گواہی کے باب میں اگر گواہی سے خود گواہوں کو فائدہ پہنچنے کا وہم پیدا ہوتا ہو تو اس گواہی کو رد کیا جاتا ہے لہذا اگر کسی موصی مثلاً زید نے دو وصی خالد اور بکر مقرر کیے تھے اب وہ دونوں وصی خالد اور بکر اس بات کی گواہی دے کہ موصی زید نے ہمارے ساتھ تیسرے شخص ساجد کو بھی وصی بنایا تھا تو اس گواہی کا قابلِ قبول ہونا اس تیسرے شخص ساجد کے دعویٰ اور رضامندی پر موقوف ہو گا اگر ساجد خود وصایت سے انکار کرتا ہو تو پھر یہ شہادت قبول نہ ہو گی۔ باطل ہو جائے گی اس لیے کہ یہاں دونوں وصی اپنی شہادت اپنے لیے وصایت کے معاملے میں معین اور مددگار ثابت کرنے کی وجہ سے متہم ہے اور متہم کی شہادت قبول نہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے:

''لَا شَهَادَةَ لِخَصْمٍ وَلَا ظَنِينٍ قَالَ أَبُو دَاوُدَ: الظَّنِينُ: الْمُتَّهَمُ،''[2]

ترجمہ: خصم اور متہم شخص کی گواہی قابلِ قبول نہیں۔ ابوداؤدؒ نے فرمایا ہے کہ ظنین کا معنیٰ متہم ہے۔

اگر تیسرا شخص ساجد بھی وصایت کا دعویٰ کرتا ہو تو ان کی شہادت استحساناً قبول کی جائے گی کیونکہ اس صورت میں وصیوں کی شہادت نہیں رہی بلکہ ان پر تہمت کا شبہ کیا جائے اور قاضی کو اپنی طرف سے ابتداءً بھی وصی مقرر کرنے کا اختیار ہے خواہ یہ دونوں وصی شہادت بھی نہ دیں البتہ جس کو قاضی وصی مقرر کرنا چاہتا ہو اس کی رضامندی درکار ہوتی ہے لہذا صورتِ مذکورہ میں بھی قاضی ان کی شہادت کو قبول کرے گا۔ اس تیسرے شخص ساجد کو وصی مقرر کر دے گا اور یہ ایسا ہو گا گویا کہ وصی ثالث کا تقرر قاضی نے کیا ہے البتہ ان دونوں وصیوں کی شہادت کی وجہ سے قاضی تعیین کی مشقت سے بچ گیا۔[3]

اگر موصی کے دو بیٹوں نے گواہی دی کہ ہمارے باپ نے فلاں شخص مثلاً ساجد کو اپنا وصی مقرر کیا تھا اور ساجد وصایت سے انکار کرتا ہو تو یہ شہادت بھی باطل ہو گی کیونکہ یہ دونوں لڑکے اپنی شہادت میں متہم ہے یعنی اپنی فائدہ کے لیے گواہی دے رہے ہیں تاکہ کوئی ترکہ کی حفاظت اور نگرانی کرنے والا مل جائے اور اگر ساجد نے خود بھی وصایت کا دعویٰ کیا ہے تو پھر یہ شہادت قابلِ قبول ہو گی۔[4]

---

1 الفتاوی الهندیة، ۶: ۱۵۸

2 المراسيل، أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي السِّجِسْتاني (المتوفى: 275هـ)، ص: ۲۸۶، حديث: ۳۹۶، مؤسسة الرسالة، بيروت، طبع اول، 1408ھ

3 فتح القدير، ۱۰: ۵۱۱

4 الهداية في شرح بداية المبتدي، ۴: ۵۴۴

اگر میت پر دو شخصوں کا قرضہ ہو اور وہ دو شخص گواہی دے کہ میت نے فلاں شخص کو وصی مقرر کیا ہے اور وہ شخص بھی وصایت کا دعوٰی کرتا ہو تو استحساناً اس گواہی کو قبول کر کے اس فلاں شخص کو وصی مقرر کیا جائے گا اور اگر وہ شخص وصایت سے انکار کرتا ہو تو پھر یہ شہادت رد کی جائے گی کیونکہ ان دونوں شخصوں پر تہمت موجود ہے کہ یہ اپنے قرض کی خلاصی کے لیے وصایت کا دعوٰی کر رہے ہیں۔[1]

اگر دو ایسے افراد نے تیسرے شخص کے لیے وصایت کی گواہی دی جن پر موصی کا قرضہ ہے تو یہ گواہی قبول کی جائے گی اور اس شخص کو وصی مقرر کیا جائے گا کیونکہ ان کی گواہی میں ذاتی فائدے کا کوئی تہمت نہیں ہے بلکہ وصی ان سے میت کے قرض کا مطالبہ کریں گے۔[2]

**دفعہ 125: بیٹوں کا اپنے باپ کے بارے میں وصی ہونے کی گواہی، باپ کے دعوٰی اور رضامندی پر موقوف ہوگی۔**[3]

**وضاحت:**

گواہی سے اگر خود گواہوں یا ان کے والدین کو فائدہ پہنچتا ہو تو ایسی گواہی رد کی جاتی ہے لہٰذا اگر بیٹوں نے اپنے باپ کے بارے میں گواہی دی کہ موصی نے ہمارے والد کو وصی مقرر کیا تھا اب چونکہ وصایت کی وجہ سے خود وصی کو بھی فائدہ پہنچتا ہے کہ اس کو موصی کے ترکہ میں تصرف کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے لہٰذا اگر باپ بھی وصایت کو چاہتا ہو اور وصایت کا دعوٰی دار ہو تو یہ گواہی قابلِ قبول نہ ہوگی کیونکہ اس میں اپنے آپ کو فائدہ پہنچانے کا وہم موجود ہے اور اگر باپ وصایت سے انکار کرتا ہو اپنے لیے موصی کے ترکہ میں تصرف کے اختیار حاصل ہونے کا خواہش مند نہ ہو تو پھر یہ گواہی قبول کی جائے گی کیونکہ اس صورت میں ذاتی فائدے کا کوئی وہم موجود نہیں ہے اور اگر وصی کے بیٹوں نے اپنے باپ کی وصایت سے معزولی کے بارے میں گواہی دی تو تہمت نہ ہونے کی وجہ سے یہ گواہی قبول ہوگی۔[4]

**دفعہ 126: دو وصیوں کا اپنے موصی کے نابالغ وارث کے لیے کسی بھی قسم کے مال کے ثبوت کا گواہی دینا باطل ہوگا اور بالغ وارث کے لیے صرف مالِ میت میں گواہی باطل ہوگی۔**[5]

**وضاحت:**

بچے یعنی نابالغ وارث کے مال میں تصرف کرنے کا اختیار وصی کو ہوتا ہے خواہ بچے کا وہ مال موصی کے ترکہ میں سے ہو یا اس کے علاوہ اور مال ہو لہٰذا اگر کسی موصی کے دو وصی اس کے نابالغ وارث کے لیے کسی قسم کے مال کے بارے میں گواہی دیں کہ یہ فلاں مال بچے کا ہے تو یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ دونوں اس شہادت میں متہم ہیں ان کا مقصد اس گواہی سے اس مال میں جس کے متعلق یہ گواہی دے رہے ہیں اپنے لیے ولایتِ تصرف ثابت کرنا ہے۔ اسی طرح اگر بالغ وارث کے لیے مالِ میت میں گواہی دے

---

1 المبسوط، ۲۸:۸۱
2 العناية شرح الهداية، ۷:۴۳۰
3 الفتاوى الهندية، ۶:۱۵۹
4 المحيط البرهاني في الفقه النعماني فقه الإمام أبي حنيفة رضي الله عنه، ۸:۳۵۳
5 الفتاوى الهندية، ۶:۱۵۹

دیں کہ یہ مال فلاں وارث کا ہے تو یہ گواہی بھی قابلِ قبول نہ ہو گی کیونکہ وارث کبیر کے مال کی حفاظت کی ولایت بھی وصی کو حاصل ہوتی ہے اور وارثِ کبیر کے غائب ہونے کی صورت میں اس کے مالِ منقول کو بیچنے کی ولایت وصی کو حاصل ہوتی ہے لہذا مالِ میت میں سے مزید مال وارثِ کبیر کے لیے گواہی سے ثابت کر کے اس میں اپناولایتِ تصرف ثابت کرنا چاہتے ہیں اس تہمت کی وجہ سے ان کی گواہی قبول نہ ہو گی اور وارثِ کبیر کے مالِ میت کے علاوہ مال میں وصی کا ولایتِ تصرف نہیں ہو تالہذا اگر وارثِ کبیر کے لیے مالِ میت کے علاوہ اور کسی مال میں گواہی سے ملکیت ثابت کر رہے ہیں تو یہ شہادت قبول ہو گی کیونکہ اس صورت میں اپنے لیے ولایت ثابت کرنے کا تہمت موجود نہیں ہے۔[1]

**دفعہ 127: گواہان کے دو گروہ کا آپس میں ایک دوسرے کے لیے میت پر قرض اور وصیّت کے بارے میں گواہی دینے کی صورت میں قرض والی گواہی قابلِ قبول ہو گی اور وصیّت والی گواہی قابلِ قبول نہ ہو گی۔**

**یا**

**فریقین کا ایک دوسرے کے لیے اشتراک ثابت کرنے کے لیے ایک دوسرے کے لیے گواہی دینا باطل ہے۔**[2]

**وضاحت:**

دَین (قرض) واجب فی الذمہ ہوتا ہے۔ کسی متعین مال میں واجب نہیں ہو تا یعنی قرض کا ادا کرنا مقروض کے ذمے لازم ہوتا ہے چاہے کسی بھی مال سے ادا کرے۔ کسی متعین مال سے دینا لازم نہیں ہو تا جب کہ وصیّت واجب فی الذمہ نہیں ہوتی بلکہ اس کا تعلق عینِ ترکہ یعنی متعین مال کے ساتھ ہو تا ہے لہذا اگر کئی لوگ میت پر قرض کا دعویٰ کریں تو ان سب کا قرض اس کے ذمے لازم ہو گا لیکن کسی متعین مال کے ساتھ وہ لزوم متعین نہیں ہو گی لہذا ان قرض داروں کے لیے کسی متعین مال میں اشتراک بھی ثابت نہیں ہو گی لیکن اگر کئی لوگ میت کی طرف سے وصیّت کا دعویٰ کرے اور گواہ پیش کرے تو ان سب کے وصیّت کا تعلق متعین مال یعنی ترکہ کے ساتھ ہو گا لہذا ان سب کے لیے ترکہ میں شراکت ثابت ہو جائے گی اور یہ قاعدہ ہے کہ جہاں بھی گواہ اپنے لیے شراکت ثابت کر رہے ہوں اور بذریعۂ شرکت اپنا حصہ وصول کرنا چاہتے ہوں تو تہمت کی وجہ سے ایسے گواہوں کی گواہی قابلِ قبول نہ ہو گی۔ مثلاً دو فریقوں میں سے ہر ایک نے دوسرے فریق کے حق میں میت پر ایک جتنے مقدار مثلاً ایک ہزار درہم قرض کی گواہی دی تو یہ گواہی قبول ہو گی کیونکہ قرض کی صورت میں ایک دوسرے کے لیے شراکت ثابت کرنے کا وہم موجود نہیں ہے اور اگر ہر فریق نے دوسرے فریق کے حق میں ایک جتنے مقدار مثلاً ایک ہزار درہم وصیّت کی گواہی دی تو یہ گواہی قبول نہ ہو گی کیونکہ وصیّت کی صورت میں ایک دوسرے کے لیے مالِ وصیّت میں شراکت ثابت کرنے کا وہم موجود ہے۔[3]

اگر ایک فریق نے دوسرے فریق کے لیے میت کی طرف سے الگ موصی بہ مثلاً بیل کی گواہی دی اور دوسرے فریق نے پہلے فریق کے لیے الگ موصی بہ مثلاً گائے کی گواہی دی تو یہ شہادت بھی ثبوتِ شراکت کی تہمت نہ ہونے کی وجہ سے جائز ہو گی۔[4]

---

1 مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، ۲:۲۷۴

2 الفتاوى الهندية، ۲:۱۵۹

3 البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ۸:۵۳۷

4 فتح القدير، ۱۰:۵۱۴

اگر گواہوں کے ایک فریق نے دوسرے فریق کے لیے میت کی طرف سے ثلثِ مال کے وصیّت کی گواہی دی اور دوسرے نے بھی پہلے کے لیے میت کی طرف سے ثلثِ مال کے وصیّت کی گواہی دی تو موصی بہ ایک ہونے کی وجہ سے ثبوتِ شراکت کے تہمت کی وجہ سے یہ شہادت باطل ہوگی۔ فریقِ اول نے فریقِ ثانی کے لیے غلام کے وصیّت کی گواہی دی اور فریقِ ثانی نے اول کے لیے ثلثِ مال کے وصیّت کی گواہی دی تو یہ شہادت بھی باطل ہوگی کیونکہ یہ غلام بھی ثلثِ مال ہی میں داخل ہوگا تو موصی بہ ایک ہونے کی وجہ سے ثبوتِ شراکت کے تہمت کی وجہ سے شہادت باطل ہوجائے گی۔[1]

**دفعہ 128: تحریری وصیّت نامہ پر کسی کو گواہ بنانے کے لیے، تحریر ان کے سامنے لکھنا یا ان کو پڑھ کر سنانا ضروری ہوگا۔**[2]

**وضاحت:**

گواہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس چیز کی گواہی دے رہے ہوں اس چیز کا اس کو علم ہو بغیر علم کے کسی چیز کے بارے میں گواہی دینا صحیح نہیں ہوگا لہٰذا اگر کوئی شخص کسی قوم کو ایک تحریری وصیّت نامہ پر گواہ بنا رہا ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ تحریر ان کے سامنے لکھیں یا ان کو پڑھ کر سنائیں اور پھر ان سے کہے تم گواہ رہو یہ تحریر وصیّت نامہ ہے۔ تاکہ وہ جان لے کہ تحریر میں کیا وصیّت لکھی ہوئی ہے اور وہ کس چیز پر گواہی دے رہے ہیں۔ اگر نہ ان کے سامنے لکھا اور نہ ان کو پڑھ کر سنایا تو یہ گواہ بنانا اور اس قوم کا آگے گواہی دینا جائز نہیں ہوگا۔[3]

---

1 البنایۃشرح الهدایۃ، ۱۳:۵۲۷

2 الفتاوی الهندیۃ، ۶:۱۵۹

3 المبسوط، ۲۸:۱۲

## خلاصۂ باب

اس باب میں فتاویٰ عالمگیری کے کتاب الوصایا باب ششم تا بابِ دہم کی دفعہ کی گئی ہے۔ یہ باب تین فصول پر مشتمل ہے۔

فصلِ اول میں باب ششم کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ اس باب میں اقارب، اہلِ بیت، پڑوسیوں، بنو فلاں، یتیموں، شیعہ و اہلِ علم وحدیث وغیرہ کے حق میں وصیّت کرنے کا بیان ہے۔ اس باب میں کل ۲۴ دفعات ہیں۔

فصلِ دوم میں فتاویٰ عالمگیری کے کتاب الوصایا ساتویں اور آٹھویں باب کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ ساتویں باب میں رہائش، خدمت و کرایہ، پیداوارِ باغ و زمین اور جانورانِ سواری کی سواری وغیرہ کی وصیّت کا بیان ہے۔ اس باب میں کل ۱۱ دفعات ہیں۔ آٹھواں باب ذمی اور حربی کافر کی وصیّت کے بیان میں ہے۔ اس باب میں کل آٹھ دفعات ہیں۔

فصلِ سوم میں فتاویٰ عالمگیری کے کتاب الوصایا کے نویں اور دسویں باب کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ نویں باب میں وصی اور اس کے اختیارات کا بیان ہے۔ یہ باب کل ۱۰ دفعات پر مشتمل ہے۔ دسویں باب میں وصیّت پر گواہی کا بیان ہے۔ اس باب میں کل پانچ دفعات ہیں۔

مقالۂ ہٰذا کا بابِ سوم کل ۵۰ دفعات پر مشتمل ہے اور ایک مقام پر وضعی قانون کے ساتھ تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

## باب چہارم: فتاویٰ عالمگیری کے کتاب الفرائض الباب الاول تا الباب التاسع کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ

- **فصل اول:** کتاب الفرائض الباب الاول تا الباب الثالث کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ
- **فصل دوم:** کتاب الفرائض الباب الرابع تا الباب السادس کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ
- **فصل سوم:** کتاب الفرائض الباب السابع تا الباب التاسع کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ

**خلاصۂ باب**

## **فصل اول:** کتاب الفرائض الباب الاول تا الباب الثالث کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ

### **کتاب الفرائض: باب ا: فرائض کی تعریف اور ترکہ کے متعلقات کے بیان میں**

**دفعہ 1: میّت کا مال، ورثہ کی طرف بطورِ خلافت منتقل ہونا، ارث (وراثت) کہلاتا ہے۔**[1]

**وضاحت:**

علم المیراث کو علم الفرائض بھی کہا جاتا ہے۔ فرائض فریضۃ کی جمع ہے جو کہ فرض سے مأخوذ ہے اور فرض کے معنی لغت میں تقدیر (مقرر کرنے)، قطع (کاٹنے) اور بیان کرنے کے آتے ہیں۔ قرآن کریم میں بھی لفظِ فرض ان معانی میں استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ"[2]

ترجمہ: آدھا حصہ اس کا جو تم نے مقرر کیا ہے۔

فرض کا لفظ قرآن مجید میں بیان کے معنیٰ میں بھی مستعمل ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا"[3]

ترجمہ: یہ ایک سورت ہے جو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم اس کو بیان کرتے ہیں۔

یہ لفظ کلامِ عرب میں قطع یعنی کاٹنے کے معنیٰ میں بھی مستعمل ہے چنانچہ عرب والے کہتے ہیں:

"فَرَضَتِ الفَأرَةُ الثَّوبَ"

ترجمہ: چوہے نے کپڑے کو کاٹ دیا۔[4]

شریعت کی اصطلاح میں لفظِ فرض اس عمل کو کہا جاتا ہے جو ایسی دلیلِ قطعی سے ثابت ہو جس میں کوئی شبہ نہ ہو اور اس کا منکر کافر اور تارک مستحقِ عذاب ہوتا ہے۔[5] علم الفرائض کو بھی فرائض اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس میں ورثہ کے لیے دلائل قطعیہ سے ثابت شدہ اور مقررہ حصے بیان کیے جاتے ہیں۔

**علم الفرائض کی اصطلاحی تعریف:**

الدرّ المختار میں ہے:

"هُو علمٌ بِاصُولٍ مِن فِقهٍ وحِسَابٍ تُعرَفُ حَقُّ كُلٍّ مِّنَ التَّرِكةِ"[1]

---

1 الفتاوی الهندية، ٦:٤٤٧

2 البقرة، ٢:٢٣٧

3 النور، ٢٤:١

4 الاختيار لتعليل المختار، ٥:٨٥

5 التعريفات، ١:١٦٥

ترجمہ: یہ فقہ اور حساب کے ان اصولوں کے جاننے کا علم ہے جس کے ذریعے ترکہ میں سے ہر شخص کا حق معلوم ہو جاتا ہے۔

الشریفیۃ شرح السراجیۃ میں ہے:

"ھو علم بقواعد تعرف بھا کیفیۃ صرف الترکۃ الی الوارث بعد معرفتہ"[2]

ترجمہ: یہ ان قواعد کے جاننے کا علم ہے جن کے ذریعے ترکہ کو ورثہ کی طرف پھیرنے کا طریقہ معلوم ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خود علم میراث کا یہ نام رکھا ہے۔ ورثہ کے حصے اور تقسیم بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ"[3]

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ قانون ہے۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے علم میراث سیکھنے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

" يَا أَبَا هُرَيْرَةَ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوهَا، فَإِنَّهُ نِصْفُ الْعِلْمِ وَهُوَ يُنْسَى، وَهُوَ أَوَّلُ شَيْءٍ يُنْزَعُ مِنْ أُمَّتِي"[4]

ترجمہ: اے ابوہریرہؓ تم علم الفرائض خود سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ کیونکہ یہ آدھا علم ہے اور سب سے پہلے بھلایا جائے گا اور میرے امت سے سب سے پہلے اٹھایا جائے۔

علم المیراث اِرث سے ماخوذ ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے باقی رہنا، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے:

"فَإِنَّكُمْ عَلَى إِرْثٍ مِنْ إِرْثِ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ"[5]

ترجمہ: کیونکہ تم اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام کے شریعت پر باقی ہو۔

وارث کو بھی وارث اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ مورث کے بعد باقی رہ جاتا ہے۔

شریعت کی اصطلاح میں ارث کا معنی ہے: میّت کے مال کا ورثہ کی طرف بطورِ خلافت منتقل ہو جانا ارث کہلاتا ہے۔ اس کو علم المیراث، ارث کے لغوی معنیٰ کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ وارث کے باقی رہنے کی وجہ سے مورث کا بقیہ مال اس کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔[6]

بطورِ خلافت منتقل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مدار ورثہ کے قبول کرنے پر نہیں ہوتا بلکہ بغیر قبول کرنے کے خود بخود شریعت کی طرف سے جبراً یہ منتقل ہو جاتی ہے اور اس ترکہ سے متعلق جتنے حقوق میّت کے ساتھ متعلق تھے بطورِ خلافت بغیر قبول کرنے کے وہ تمام حقوق ورثہ کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔[7]

---

1 الدر المختار، ۵:۵۳۴

2 الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص ۳

3 النساء، ۴:۱۱

4 سنن ابن ماجۃ، ۲:۹۰۸، حدیث: ۲۷۱۹

5 السنن الصغری للنسائي، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (المتوفی: 303ھ)، ۵: ۲۵۵، حدیث: ۳۰۱۴، مکتب المطبوعات الإسلامیۃ، حلب، طبعۃ ثانیۃ، 1986/1406

6 الاختیار لتعلیل المختار، ۵:۸۵

7 الھدایۃ، ۴:۵۱۴

**دفعہ 2: میّت کے ترکہ سے بالترتیب چار طرح کے حق متعلق ہوتے ہیں:**

**۱: میّت کی تجہیز و تکفین　　۲: قرضہ　　۳: وصیّت　　۴: تقسیم میراث۔**[1]

**وضاحت:**

مالِ منقولہ اور غیر منقولہ جس کو چھوڑ کر آدمی مر جائے ترکہ کہلاتا ہے۔ مرنے والے کو مورث جب کہ باقی رہنے والے زندہ قریبی رشتہ داروں کو ورثہ کہا جاتا ہے۔

میّت کے ترکہ سے ترتیب وار چار طرح کے حقوق متعلق ہوتے ہیں:

**۱: پہلا حق:**

سب سے پہلے ترکہ سے میّت کے تجہیز و تکفین کا خرچہ ادا کیا جائے گا۔ تجہیز و تکفین میں نہ بخل سے کام لیا جائے گا اور نہ فضول خرچی سے بلکہ حالتِ حیات پر قیاس کرتے ہوئے اس کی تجہیز و تکفین کی جائے گی۔ نہلانے کی چیزیں، مسنون کفن کی قیمت، قبر کے لیے جگہ خریدنے اور کھودنے کی قیمت (اگر کسی جگہ اس کا رواج ہو) تجہیز و تکفین کے مصارف میں داخل ہیں۔ کفنِ مسنون کی تعداد میں اضافہ کرنا، جنازہ میں شرکت کرنے والوں کی دعوت کرنا، غربا اور مساکین کو صدقے یا تحفے دینا، یہ سب فضول اور غیر شرعی مصارف ہیں۔ ترکہ میں سے ان چیزوں کو خرچ کرنے کی اجازت نہیں۔[2] نہایت گھٹیا پھٹے پرانے کپڑے میں کفن دینا یا کفنِ مسنون کی تعداد میں کمی کرنا بھی بخل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"إِذَا كَفَّنَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ، فَلْيُحَسِّنْ كَفَنَهُ"[3]

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفن پہنائے تو اسے اچھا کفن دے۔

کفن دفن کا خرچہ بمنزلہ نفقہ کے ہے۔ اسی وجہ سے عورت کا کفن شوہر کے ذمے ہے اگرچہ عورت مالدار ہو کیونکہ عورت کا نفقہ شوہر پر واجب ہے۔ اگر میّت مفلس ہو تو کفن کی ذمہ داری اس شخص پر ہوگی جس پر زندگی میں اس کا نفقہ واجب تھا۔ اگر ایسا شخص بھی موجود نہ ہو تو سرکاری خزانے سے کفن کا انتظام کیا جائے گا۔ ورنہ عام مسلمانوں پر اس کے کفن دفن کا انتظام ضروری ہوگا۔[4]

**۲: دوسرا حق:**

کفن دفن سے فارغ ہونے کے بعد باقی ترکہ سے میّت کا قرضہ ادا کیا جائے گا۔ پہلے حقوق العباد سے متعلق قرضہ ادا کیا جائے گا اور اس کے بعد حقوق اللہ سے متعلق قرضہ کی، اگر میّت نے ادا کرنے کی وصیّت کی ہو تو اسے تہائی مال سے ادا کیا جائے گا۔[5]

حقوق العباد کے قرض میں سے حالتِ صحت کے قرضے کو مرض الوفات کے قرضے سے پہلے ادا کیا جائے گا۔ مرض الوفات کا وہ قرضہ جو لوگوں کے مشاہدے اور گواہوں سے ثابت ہو جیسے علاج معالجے کا خرچہ ان کو بھی زمانہ صحت کے قرضوں کے ساتھ ادا کیا

---

1　الفتاوى الهندية، ٦: ٤٤٧

2　البحر الرائق، ٨: ٥٥٧

3　صحيح لمسلم، ٢: ٦٥١، حديث: ٩٤٣

4　الدر المختار، ١: ٦٣٩

5　الموسوعة الفقهية، ٢٣، ٢٩٦

جائے گا۔[1] اگر سب قرضے ایک ہی حالت سے تعلق رکھتے ہوں تو قرض کے استحقاق اور مطالبے میں سب قرض خواہ یکساں ہوں گے۔ کوئی کسی دوسرے پر مقدم نہیں ہو گا۔[2]

**۳: تیسرا حق:**

تجہیز و تکفین اور قرض کی ادائیگی کے بعد بقیہ مال کی تہائی سے وصیّتیں نافذ کی جائے گی۔ اگر میّت نے وصیّت کی ہو۔ پھر اگر وصیّتیں تہائی سے زائد ہوں اور ورثہ اجازت دے تو تہائی سے زائد وصیّت نافذ کی جائے گی۔ یہ وصیّت کا نفاذ اس صورت میں ہے۔ جب کہ میّت نے کسی خاص شے کی وصیّت کی ہو اور اگر وصیّت شائع (پورے ترکہ میں پھیلا ہوا) ہو۔ مثلاً تہائی مال، چوتھائی مال وغیرہ کی وصیّت کی ہو تو تقسیمِ میراث سے وصیّت مقدم نہ ہو گی بلکہ اس صورت میں موصی لہ بھی ورثہ کے ساتھ شریک ہو گا۔ ترکہ میّت کی زیادتی سے اس کا حق زیادہ بھی ہو سکتا ہے اور کم بھی۔[3]

**۴: چوتھا حق:**

تجہیز و تکفین، ادائیگی قرض اور نفاذِ وصیّت کے بعد بقیہ ترکہ ورثہ میں شریعتِ مطہرہ کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔[4]

**دفعہ 3: تین وجوہات کی وجہ سے آدمی میراث کا مستحق بنتا ہے:**

**۱: نسب (قرابت)　　　۲: سبب (زوجیت)　　　۳: ولاء (دوستی یا آزادی کا تعلق)**[5]

**وضاحت:**

شریعتِ مطہرہ میں میراث کا سبب تین چیزیں ہیں:

۱: قرابت　　　۲: ولاء

۳: زوجیت۔[6]

**۱: نسبِ (قرابت)۔** میّت کے ساتھ نسب اور ولادت کا تعلق ہونا

**۲: سببِ زوجیت۔** مرض الوفات کے وقت نکاح کا قائم ہونا ضروری ہے۔ عین موت کے وقت نکاح کا باقی رہنا ضروری نہیں۔ اگر مرض الوفات میں کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دیا اور اس کے عدت کے اندر اندر انتقال کر گیا۔ تو عورت کو میراث ملے گی کیونکہ مرض الوفات کے وقت نکاح قائم تھا اور عدت کے دوران بھی کچھ نہ کچھ نکاح قائم ہوتا ہے۔ نکاح بالکلیہ ختم نہیں ہوتا[7] اور جو جدائی عورت

---

1 الفتاوی الهندية، ۶:۴۴۷

2 درر الحكام فی شرح مجلة الاحكام، ۴:۱۵۰

3 البحر الرائق، ۸:۵۵۸

4 الفتاوی الهندية، ۶:۴۴۷

5 ایضا، ۶:۴۴۸

6 بدائع الصنائع، ۳:۲۱۸

7 ایضا، ۳:۲۱۹

کی طرف سے اس کی رضامندی سے آئی ہو اس صورت میں عورت میراث کا حق دار نہیں ہو گی جیسا کہ عنین (مقطوع الذکر) کی عورت کا اپنے آپ کو جدا کرنا یا عورت کا شوہر سے خلع لینا، ان صورتوں میں عورت کو میراث نہیں ملے گی۔[1]

**۳: ولاء:** ولاء کا معنی ہے تعلق اور دوستی، ولاء کی دو قسمیں ہیں:

**الف: ولائے عتاقہ:** اگر کسی شخص نے ایک غلام کو آزاد کیا اور پھر وہ غلام ترکہ چھوڑ کر مر گیا اور اس کا کوئی وارث موجود نہیں ہے تو اس کا ترکہ آزاد کرنے والے آقا کو ملتا ہے۔ اسے ولائے عتاقہ کہا جاتا ہے اور آقا کو مولائے عتاقہ کہا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

إِنَّ الوَلاَءَ لِمَنْ أَعْتَقَ[2]

ترجمہ: ولاء اس شخص کے لیے ہے جس نے آزاد کیا ہے۔

ولاء آقا کو ملنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے غلام پر احسان کر کے اسے آزاد کر دیا ہے تو اسے کسی چیز کے مالک بننے اور دیگر کئی نعمتوں کا شرف حاصل ہوا۔ اگر آقا آزاد نہ کرتا تو وہ کسی چیز کا مالک نہ بن سکتا۔[3]

**ب: ولائے موالات:** ولائے موالات یہ ہے کہ ایک شخص کا کوئی وارث نہ ہو اور وہ کسی شخص سے کہہ دیں کہ آپ میرے مولا اور کفیل بن جائیں مجھ سے اگر مجھ سے موجبِ دیت جنایت ہو جائے تو آپ میری طرف سے اس دیت کو ادا کریں گے اور میں آپ کو اپنا وارث بناتا ہوں۔ یہ اس کی طرف سے ایجاب ہے اور دوسرا شخص اسے قبول کرے تو یہ عقدِ موالات ہے اور قبول کرنے والا مولی الموالات کہلاتا ہے۔ یہ عقد جانبین سے بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں دونوں ایک دوسرے کے مولی الموالات اور وارث ہوں گے۔[4]

موالات کرنے والے کے لیے چند شرطیں ہیں:

۱: آزاد، عاقل اور بالغ ہو۔

۲: عربی یا کسی عربی کا آزاد کیا ہوا نہ ہو۔

۳: کسی دوسرے شخص کا مولائے عتاقہ نہ ہو۔

۴: کسی اور شخص سے عقدِ موالات نہ کر چکا ہو، جس نے اس کا خون بہا بھی ادا کیا ہو۔ اس لیے کہ تاوان ادا کرنے کے بعد معاہدہ توڑنا جائز نہیں۔

قبول کرنے والے کے لیے صرف عاقل ہونا شرط ہے۔[5]

## دفعہ 4: دس قسم کے لوگ ترتیب وار ترکہ کے مستحق بنتے ہیں:

**۱: ذوی الفروض　　۲: عصبہ نسبی　　۳: عصبہ سببی　　۴: مولائے عتاقہ کے عصبہ**

**۵: ذوی الفروض نسبی پر دوبارہ رد کرنا　　۶: ذوی الارحام　　۷: مولی الموالات**

1 بحر الرائق، ۸:۵۵۸
2 صحیح البخاری، ۱:۹۸، حدیث: ۴۵۶
3 بدائع الصنائع، ۴:۱۶۰
4 الجوھرۃ النیرۃ، ۲:۱۱۶
5 الدر المختار، ۶:۱۲۵

**۸: وہ شخص جس کے لیے غیر پر نسب کا اقرار کیا گیا ہو**

**۹: تمام مال کا موصٰی لہ**

**۱۰: بیت المال۔**[1]

**وضاحت:**

ورثہ کے درمیان میّت کے ترکہ کی تقسیم درج ذیل ترتیب سے ہو گی:

**۱:** ترکہ تقسیم کرتے وقت سب سے پہلے اصحاب الفروض کو شریعتِ مطہرہ کے مطابق اپنا مقررہ حصہ دیا جائے گا۔

**۲:** اگر اصحاب الفروض نہ ہو یا ان کو دینے کے بعد ترکہ بچ جائے تو دوسرے نمبر پر عصبہ ٔنسبی (باپ، دادا، بیٹا، پوتا، بھائی بھتیجا، چچا اور چچا زاد) کو ترکہ دیا جائے گا۔

**۳:** اگر نہ اصحاب الفروض ہوں اور نہ عصبہ ٔنسبی یا ان کو دینے کے بعد ترکہ بچ گیا ہو تو عصبہ ٔسببیہ کو دیا جائے گا اور اس سے مراد مولائے عتاقہ (غلام یا باندی کو آزاد کرنے والا آقا) ہے۔

**۴:** اگر مولائے عتاقہ (میّت غلام کو آزاد کرنے والا) بھی فوت ہو گیا ہو تو اس کے عصبہ بنفسہ (بیٹا، باپ، بھائی، بھتیجا، چچا، چچازاد) کو ترکہ ملے گا۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو آزاد کرنے والے کا آزاد کرنے والا آقا ترکہ کا حق دار ہو گا۔ اگر وہ پہلے غلام رہا ہو۔

**۵:** اگر عصبہ بالکل نہ ہو تو باقی ترکہ ذوی الفروضِ نسبی (زوجین کے علاوہ باقی ذوی الفروض) کو دوبارہ ان کے حصوں کے بقدر دیا جائے گا۔ اسے میراث کی اصطلاح میں رد کہتے ہیں۔

**۶:** اصحاب الفروض اور عصبات کی مکمل غیر موجودگی میں ذوی الارحام (نواسے، نواسیاں، بھانجے، بھانجیاں، بھتیجے، بھتیجیاں، پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں) کو ترکہ ملے گا۔

**۷:** ذوی الارحام بھی موجود نہ ہو تو ترکہ مولی الموالات کو دیا جائے گا۔

**۸:** مذکورہ افراد میں سے کوئی بھی نہ ہو تو ترکہ اس شخص کو دیا جائے گا جس کے لیے میّت نے کسی غیر پر نسب کا اقرار کیا ہو اور اس غیر نے نسب کا اقرار نہ کیا ہو اور یہ مقر موت تک اپنے اقرار پر برقرار ہو تو وہ مقرلہ، میّت کا بھائی یا چچا ہونے کی حیثیت سے وارث ہو کر میراث کا مستحق بن جائے گا، جیسے کہا کہ یہ فلاں میرا بھائی ہے یعنی میرے باپ کا بیٹا ہے اور باپ نے اس فلاں کے لیے اپنے بیٹے ہونے کا اقرار نہیں کیا تو میّت اپنے اقرار پر ماخوذ ہو کر اس کے ترکہ میں فلاں کو بھائی کی حیثیت سے حصہ ملے گا۔

**۹:** اگر مذکورہ افراد میں سے کوئی بھی نہ ہو یا ان سے ترکہ بچ جائے تو جس کے لیے میّت نے تہائی سے زیادہ کی وصیّت کی ہے تو اسے ترکہ دیا جائے گا۔

**۱۰:** اگر مذکورہ مصارف میں سے کوئی بھی نہ ہو تو میّت کا ترکہ سرکاری خزانہ میں جمع کیا جائے گا۔[2]

---

1 الفتاوی الهندية، ٦: ٤٤٨

2 الدرر المختار، ٦: ٧٦٢؛ الاختيار لتعليل المختار، ٥: ٨٦

**دفعہ 5: شریعتِ مطہرہ میں جن ورثہ کے متعین حصے بیان کیے گئے ہیں انہیں اصحاب الفروض کہا جاتا ہے۔**[1]

**وضاحت:**

شریعتِ مطہرہ (کتاب اللہ، سنتِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور اجماعِ امت) میں جن ورثہ کا حصہ متعین ہو ان کو اصحاب الفروض یا ذوی الفروض کہا جاتا ہے۔ اصحاب الفروض کل بارہ افراد ہیں، جن میں سے چار مرد اور آٹھ عورتیں ہیں۔ چار مرد یہ ہیں:

۱: باپ
۲: جدِ صحیح (دادا) اوپر تک تمام دادا اس میں شامل ہیں۔
۳: اخیافی (ماں شریک) بھائی
۴: شوہر

آٹھ عورتیں یہ ہیں:

۱: بیوی
۲: بیٹی
۳: پوتی (نیچے تک تمام پوتیاں)
۴: حقیقی بہن (ماں اور باپ شریک)
۵: علاتی (باپ شریک) بہن
۶: اخیافی بہن
۷: ماں
۸: جدہ صحیحہ (دادی اور نانی) اوپر تک تمام دادیاں اور نانیاں اس میں شامل ہیں۔

جدِ صحیح سے مراد وہ دادا ہیں جس کا میّت کے ساتھ رشتہ جوڑنے میں مؤنث کا واسطہ نہ آتا ہو جیسے دادا (باپ کا باپ)، پردادا (باپ کے باپ کا باپ) اور جد فاسد سے مراد وہ دادا ہے جس کا میّت کی طرف نسبت کرنے میں درمیان میں مؤنث آتا ہو جیسے نانا (ماں کا باپ) جدہ صحیحہ اس دادی کو کہا جاتا ہے جس کا میّت کی طرف نسبت کرنے اور رشتہ جوڑنے میں درمیان میں جدِ فاسد نہ آتا ہو جیسے دادی (باپ کی ماں)، نانی (ماں کی ماں) پردادی (دادا کی ماں) اور جدۂ فاسدہ اس دادی کو کہا جاتا ہے جس کا میّت کی طرف نسبت کرنے میں درمیان میں جدِ فاسد آتا ہو جیسے نانا کی ماں۔

اصحاب الفروض میں سے شوہر اور بیوی ذوی الفروض سببی ہیں جب کہ باقی دس ذوی الفروض نسبی ہیں۔[2]

**اصحاب الفروض کے احوال کی تفصیل:**

**دفعہ 6: میّت کے باپ کے تین احوال ہیں: ۱) اولاد کی موجودگی میں صرف فرض چھٹا حصہ لے گا۔**
**۲) اولاد کی غیر موجودگی میں صرف عصبہ بنے گا۔**
**۳) صرف مؤنث اولاد کی صورت میں فرض (چھٹا حصہ) اور عصبہ دونوں ملے گا۔**[3]

**وضاحت:**

تقسیمِ میراث کے حوالے سے شریعت مطہرہ میں میّت کے باپ کے تین احوال مذکور ہیں:

---

1 الفتاوی الهندیة، ۶: ۴۴۸
2 الاختیار لتعلیل المختار، ۵: ۸۶
3 الفتاوی الهندیة، ۶: ۴۴۸

۱: اگر میّت نے مرنے کے بعد باپ کے ساتھ اپنی کوئی مذکر اولاد، بیٹا، پوتا، پڑپوتا بھی چھوڑی ہو تو باپ کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ[1]"

ترجمہ: والدین میں سے ہر ایک کو ترکہ میں سے چھٹا حصہ ملے گا اگر میّت کی اولاد ہو۔

۲: اگر میّت کی اولاد بالکل نہ ہو اور صرف باپ وارث بن رہا ہو تو باپ تنہا ہونے کی صورت میں پورا ترکہ بطورِ عصبہ کے لے لے گا اور اگر دوسرے ذوی الفروض ساتھ ہو تو ذوی الفروض کو دینے کے بعد باقی بچا ہوا ترکہ بطورِ عصبہ کے لے لے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ"[2]

ترجمہ: اگر میّت کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس نے والدین ورثہ چھوڑے ہوں تو اس کے ماں کو ایک تہائی ملے گا۔

اس آیت میں صرف ماں کا حصہ بیان کیا گیا ہے۔ باپ کا نہیں لہذا ماں کو تہائی بطورِ فرض کے دینے کے بعد باقی باپ کو بطورِ عصبہ ملے گا۔

۳: اگر میّت نے باپ کے ساتھ صرف مؤنث اولاد (بیٹی، پوتی، پڑپوتی) چھوڑی ہو تو باپ کو ترکہ میں سے فرض (چھٹا حصہ) بھی ملے گا اور عصبہ بھی ہو گا۔ اسے اصطلاحِ میراث میں فرض مع التعصیب کہتے ہیں۔[3] رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"فَمَا تَرَكَتِ الفَرَائِضُ فَلِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ"[4]

ترجمہ: جو ترکہ اصحاب الفروض سے بچ جائے وہ مذکر عصبہ کے لیے ہے۔

**تقابل:**

مروجہ وضعی قوانین میں بھی میراث سے متعلق فیصلے اسلامی قوانین کے مطابق ہوتے ہیں چنانچہ پاکستانی قانون میں کئی ایسے فیصلہ موجود ہیں جن میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب کبھی کسی مسلمان میّت کے ترکہ کی بابت تنازعہ عدالت کے روبرو پیش ہو تو ایسی صورت میں تقسیمِ ترکہ KHYBER PAKHTUNKHWA MUSLIAM PERSONAL LAW (SHARIAT) APPLICATION ACT, 1935 کے تحت ہو گا جس کی رو سے اس کے ورثہ اسلامی قانون کے مطابق حصہ رسدی پائیں گے۔[5]

**دفعہ 7: باپ کی غیر موجودگی میں دو مسائل کے علاوہ دادا کو میراث میں باپ کی طرح حصہ ملے گا۔**[6]

**وضاحت:**

---

1 النساء، ۴:۱۱

2 النساء، ۴:۱۱

3 المبسوط، ۲۹:۱۴۴

4 صحیح البخاری، ۸:۱۵۳، حدیث: ۶۷۴۶

5 2017 CLC, Page # 436; 2016 YLR, Page # 263; 2014 MLD, Page # 106; 2014 YLR, Page # 1441; 2013 SCMR, Page # 299

6 الفتاوی الهندیة، ۶:۴۴۸

دادا سے مراد جدِ صحیح ہے، جدِ فاسد ذوی الارحام میں شمار ہوتا ہے۔ باپ کی موجودگی میں دادا میراث سے محروم ہوتا ہے کیونکہ یہ علمِ میراث کا قاعدہ ہے کہ وارث اگر کسی واسطے کے ذریعے میّت کی طرف منسوب ہو تو اس واسطے کی موجودگی میں وارث میراث سے محروم ہوگا اور اگر وہ واسطے موجود (زندہ) نہ ہو تو پھر اس وارث کو حصہ ملے گا۔ دادا بھی اپنے میّت پوتے کی طرف باپ کے واسطے سے منسوب ہے لہٰذا باپ جو کہ واسطہ ہے اس کے موجودگی کی صورت میں دادا میراث سے محروم ہوگا۔

اگر باپ موجود نہ ہو تو دادا باپ کے درجے میں ہے کیونکہ قرآن کریم میں دادا پر باپ کا اطلاق کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ"[1]

ترجمہ: جیسا کہ اس نے تمھارے والدین کو جنت سے نکالا۔

دادا کے بھی باپ کی طرح تین احوال ہوں گے۔

**۱:** میّت کے مذکر اولاد یا مذکر اور مؤنث دونوں کے موجود ہونے کی صورت میں دادا کو صرف فرض یعنی چھٹا حصہ ملے گا۔

**۲:** میّت کا اگر بالکل اولاد نہ ہو تو اس صورت میں دادا کو صرف بطورِ عصبہ کے حصہ ملے گا۔

**۳:** اگر میّت نے صرف مؤنث اولاد چھوڑی ہوں تو دادا کو فرض یعنی چھٹا حصہ اور عصبہ والا حصہ دونوں ملے گا۔

چار احوال ایسے مشہور ہیں کہ جن میں باپ اور دادا کی حالت میں فرق ذکر کیا گیا ہے تاہم ان میں سے دو حالتیں مفتی بہ قول کے مطابق باپ ہی کی طرح ہیں لہٰذا فرق والے احوال صرف دو (۲) رہ جاتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

**۱:** باپ کی وجہ سے جدہ (دادی) میراث سے محروم ہو جاتی ہے لیکن دادا کی وجہ سے محروم نہیں ہوتی۔

**۲:** اگر میّت کے ورثہ میں سے ماں باپ باقی ہوں اور میاں بیوی میں سے کوئی ایک موجود ہو تو شوہر یا بیوی کا حصہ نکالنے کے بعد ماں کو باقی کا تہائی ملے گا لیکن باپ کی بجائے دادا ہو تو ماں کو پورے ترکہ کا تہائی ملے گا۔

مزید مشہور دو حالتیں درج ذیل ہیں:

**۱:** حقیقی اور علاتی بھائی بہن، باپ کی موجودگی میں بالاتفاق محروم ہو جاتے ہیں جب کہ صاحبین کے نزدیک دادا کے موجودگی میں یہ محروم نہیں ہوتے البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دادا کے موجودگی میں بھی محروم ہو جاتے ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔

**۲:** معتِق (آزاد کرنے والے) کے بیٹے کی موجودگی میں نہ معتِق کے باپ کو ولاء ملے گی اور نہ معتِق کے دادا کو، پوری ولاء بیٹے کو ملے گی۔ اسی پر فتویٰ ہے البتہ امام ابویوسفؒ کے نزدیک معتِق کے باپ کو ولاء کا چھٹا حصہ ملے گا اور باقی ترکہ بیٹے کو ملے گا۔[2]

### دفعہ 8: میّت کے اخیافی (ماں شریک) بھائی بہنوں کے تین احوال ہیں:

### ۱: اصول و فروع کی غیر موجودگی میں ایک اخیافی بھائی بہن کو چھٹا حصہ ملے گا۔

### ۲: اصول و فروع کی غیر موجودگی میں دو یا دو سے زیادہ اخیافی بھائی بہن کو تہائی حصہ ملے گا۔

---

1 الاعراف، ۷:۲۷

2 السراجی فی المیراث، شیخ سراج الدین محمد بن محمد بن عبدالرشید السجاوندی، ص۵۸، مکتبۃ البشریٰ، کراچی، ۱۴۳۹ھ

**۳: میّت کے اصول یا فروع کی موجودگی میں اخیافی بھائی بہن محروم ہوں گے۔** [1]

**وضاحت:**

میّت کے والدین (اوپر تک) کو اصول کہا جاتا ہے کیونکہ یہ لوگ میّت کے لیے اصل (بنیاد) اور پیدائش کا ذریعہ ہوتے ہیں اور اولاد (نیچے تک) کو فروع کہا جاتا ہے۔ صرف ماں شریک بھائی بہن کو اخیافی بھائی بہن یا اولاد الام کہا جاتا ہے۔ ان کے تقسیمِ میراث کے تین احوال ہیں:

**ا:** میّت کا ایک اخیافی بھائی یا بہن ہو اور میّت کے اصول یا فروع نہ ہو تو اسے چھٹا حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ"[2]

ترجمہ: اگر کوئی آدمی یا عورت کلالہ ہونے کی حالت میں مر جائے اور اس کا ایک بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

**۲:** دو یا دو سے زیادہ اخیافی بھائی بہن ہو اور میّت کے اصول یا فروع نہ ہو تو ان کو مشترکہ طور پر تہائی حصہ ملے گا اور یہ تہائی حصہ ان کے درمیان برابر برابر تقسیم ہو گا یعنی بھائی بہن کو برابر حصہ ملے گا۔ بھائی کو بہن سے دگنا نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ"[3]

ترجمہ: پس اگر وہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہو تو وہ تہائی میں شریک ہوں گے۔

**۳:** میّت کے اصول یا فروع کوئی بھی موجود ہو تو اخیافی بھائی بہن محروم ہوں گے کیونکہ ترکہ پہلے میّت کے اصول و فروع پر تقسیم ہوتا ہے ان کی موجودگی میں دوسرے لوگ محروم ہوتے ہیں۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں بھی میّت کے ساتھ کلالہ کا قید آیا ہے کہ درج بالا احوال تب ہوں گے جب میّت کلالہ ہو۔ کلالہ ایسے مرد یا عورت کو کہتے ہیں جس کے نہ والدین ہو اور نہ اولاد۔ صحیح بخاری میں ہے:

"وَالكَلاَلَةُ: مَنْ لَمْ يَرِثْهُ أَبٌ أَوِ ابْنٌ، "[4]

ترجمہ: کلالہ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو نہ باپ کو وارث چھوڑے اور نہ بیٹے کو۔

## دفعہ 9: شوہر کی دو حالتیں ہیں:

### ا: میّت کے اولاد کی موجودگی میں شوہر کو ربع ملے گا۔

### ۲: میّت کے اولاد کی غیر موجودگی میں شوہر کو نصف ملے گا۔ [5]

**وضاحت:**

شریعتِ مطہرہ میں شوہر کو میراث ملنے کے لحاظ سے دو حالتیں بیان ہوئی ہیں:

---

1 الفتاوی الهندية، ۶: ۴۴۹

2 النساء، ۴: ۱۲

3 النساء، ۴: ۱۲

4 صحیح البخاری، ۶: ۵۰

5 الفتاوی الهندية، ۶: ۴۵۰

۱:میّت کے اولاد کی موجودگی میں شوہر کو ربع (چوتھائی حصہ) ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ"[1]

ترجمہ: اگر بیویوں کی کوئی اولاد ہو تو تمہارے لیے ان کے ترکہ کا چوتھائی حصہ ہے۔

اولاد مذکر اور مؤنث دونوں کو شامل ہے اور اسی شوہر سے ہو یا پہلے شوہر سے البتہ میّت کے وفات کے وقت اولاد کا زندہ ہونا ضروری ہے جو اولاد پہلے وفات پاچکی ہو ان کا اعتبار نہیں ہوگا۔

۲:میّت کے اولاد موجود نہ ہونے کی صورت میں شوہر کو نصف (آدھا) ترکہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ"[2]

ترجمہ: اور تمہارے لیے تمہاری بیویوں کے ترکے کا آدھا ہے اگر ان کی کوئی اولاد نہ ہو۔

اولاد سے مراد بیٹے اور پوتے (نیچے تک) سب ہیں کیونکہ قرآن کریم میں پوتوں پر لفظ ابن (بیٹے) کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"يَا بَنِي آدَمَ"[3]

ترجمہ: اے آدمؑ کے بیٹو!۔

حالانکہ حقیقت میں امت محمدیہ آدمؑ کے پوتے ہیں بیٹے نہیں ہیں۔

## دفعہ 10: میّت کے بیویوں کی دو حالتیں ہیں:

**۱:میّت کے اولاد کی غیر موجودگی میں بیویوں کو ربع (چوتھائی) حصہ ملے گا۔**

**۲:میّت کے اولاد کی موجودگی میں بیویوں کو ثمن (آٹھواں) حصہ ملے گا۔**[4]

**وضاحت:**

شریعتِ مطہرہ میں بیویوں کو میراث ملنے کی دو حالتیں ہیں:

۱:میّت کے اولاد کی غیر موجودگی میں بیویوں کو ربع (چوتھائی) حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ"[5]

ترجمہ: اور بیویوں کے لیے تمہارے ترکہ میں سے ربع (چوتھائی) حصہ ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو۔

۲:میّت کے اولاد کی موجودگی میں بیویوں کو ثمن (آٹھواں) حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ"[6]

---

1 النساء،۴:۱۲

2 النساء،۴:۱۲

3 الاعراف،۷:۲۶

4 الفتاوی الهندیة،۶:۴۵۰

5 النساء،۴:۱۲

6 النساء،۴:۱۲

ترجمہ: اگر تمہاری اولاد ہو تو بیویوں کو تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ملے گا۔

بیویوں کی تعداد اگر ایک سے زیادہ ہو تب بھی یہی ربع اور ثمن بطورِ اشتراک ان کو ملے گا اور وہ آپس میں اسے برابر تقسیم کریں گے۔

مرض الوفات کے وقت نکاح قائم ہونا لازمی ہے۔ عین موت کے وقت نکاح کا باقی رہنا ضروری نہیں۔ اگر مرض الوفات میں کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے عدت میں انتقال کر گیا تو عورت کو میراث ملے گی کیونکہ مرض الوفات کے وقت نکاح قائم تھا اور عدت کے دوران بھی کچھ نہ کچھ نکاح کے احکام باقی رہتے ہیں۔ نکاح بالکلیہ ختم نہیں ہوتا۔[1]

جو جدائی عورت کی طرف سے اس کی رضامندی سے آئی ہو اس صورت میں عورت میراث کا حق دار نہیں ہو گی جیسا کہ عنین (مقطوع الذکر) سے عورت کا اپنے آپ کو جدا کرنا یا عورت کا شوہر سے خلع لینا۔ ان صورتوں میں عورت کو میراث نہیں ملے گی۔[2]

**تقابل:**

پاکستانی قانون میں بھی بیوی کو اولاد کی غیر موجودگی میں ہر قسم کے ترکہ میں چوتھائی حصہ دینا لازمی قرار دیا ہے تاہم ابتدا میں چند فیصلے ایف ڈی ملا کی کتاب محمڈن لا کے مطابق ہوئے تھے جس میں بیوی کے اولاد کی غیر موجودگی میں صرف ترکہ منقولہ میں چوتھائی حصہ لازمی قرار دیا ہے لیکن ایف ڈی ملا کی کتاب محمڈن لا کا یہ جزئیہ فقہ جعفری کے مطابق تھا جو کہ قرآن وسنت کے خلاف ہے اور اس پر کئی عدالتوں میں فیصلے بھی ہو چکے تھے تاہم ۲۰۱۶ء میں لاہور ہائی کورٹ میں اس جزئیہ کو چیلنج کیا گیا اور عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ یہ جزئیہ قرآن وسنت کے خلاف ہے۔ شریعت میں بیوی کو لاولد ہونے کی صورت میں منقولی اور غیر منقولی ہر قسم کے ترکہ کا چوتھائی حصہ ملتا ہے اس لیے ہائی کورٹ نے مذکورہ فیصلے کو کالعدم قرار دیتے ہوئے کہا کہ ایف ڈی ملا کی کتاب محمڈن لا صرف حوالے کی ایک کتاب ہے۔ یہ کوئی قانون نہیں ہے۔[3]

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ آج کل پاکستانی قانون میں بھی میراث کے حوالے سے بیوی کو شرعی قانون کے مطابق حصہ دیا جاتا ہے اور یہ اس بات پر بھی دلیل ہے کہ ملکی عدالتوں میراث سے متعلق فیصلے قرآن وسنت اور راجح فقہی مسلک کے مطابق کیے جاتے ہیں۔

**دفعہ 11: میّت کے بیٹیوں کی تین حالتیں ہیں:**

**۱: بیٹے کی غیر موجودگی میں ایک بیٹی کو نصف ملے گا۔**

**۲: بیٹے کی غیر موجودگی میں ایک سے زیادہ بیٹیوں کو ثلثان (دو تہائی حصہ) ملے گا۔**

**۳: بیٹوں کی موجودگی میں بیٹیاں عصبہ بن جائیں گی۔**[4]

---

1 بدائع الصنائع، ۳: ۲۱۹

2 البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۸: ۵۵۹

3 2016PLD,Lahore,Page#365

4 الفتاوی الهندية، ۶: ۴۴۸

**وضاحت:**

شریعتِ مطہرہ میں میّت کے بیٹیوں کی تقسیمِ میراث میں تین حالتیں بیان کی گئی ہیں:

**۱:** اگر میّت کی ایک بیٹی ہو اور بیٹا نہ ہو تو اس ایک بیٹی کو پورے ترکہ کا نصف ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ"[1]

ترجمہ: اگر بیٹی ایک ہو تو اسے نصف ملے گا۔

**۲:** اگر میّت کی دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں اور بیٹا نہ ہو تو ان بیٹیوں کو ترکے کا دو تہائی ملے گا اور اسے وہ بیٹیاں آپس میں برابر تقسیم کریں گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"إِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ "[2]

ترجمہ: اگر بیٹیاں دو سے زیادہ ہو تو ان کے لیے ترکہ کے دو تہائی ہوں گے۔

اگر صرف دو بیٹیاں ہوں تب بھی انہیں دو تہائی حصہ ملے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کلالہ کی دو بہنوں کے بارے میں فرمایا ہے:

" فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ"[3]

ترجمہ: اگر کلالہ کی دو بہنیں ہوں تو انہیں ترکہ میں سے دو ثلث ملے گی۔

جب بیٹیوں کی عدمِ موجودگی میں دو بہنوں کو دو تہائی ملتا ہے اور بیٹیاں بہنوں کی بنسبت میّت کے زیادہ قریب ہیں تو دو بیٹیوں کو بدرجہ اولیٰ دو تہائی ملے گا۔

**۳:** بیٹوں اور بیٹیوں کے جمع ہونے یعنی دونوں کے موجودگی کی صورت میں بیٹے، بیٹیوں کو عصبہ بنالیں گے اور ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو مال بچا ہے وہ ان کے درمیان اس طرح تقسیم کیا جائے گا کہ بیٹے کو بیٹی سے دوگنا حصہ مل جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ "[4]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں تمہاری اولاد کے بارے میں کہ مذکر کے لیے دو مؤنث کے حصے کے برابر ہے۔

**دفعہ 12: میّت کے پوتیوں کے چھ احوال ہیں:**

**۱: بیٹوں کے عدمِ موجودگی میں ایک پوتی کو نصف ملے گا۔**

**۲: بیٹوں کے عدمِ موجودگی میں ایک سے زیادہ پوتیوں کو دو تہائی حصہ ملے گا۔**

**۳: ایک بیٹی کی موجودگی میں پوتیوں کو سدس (چھٹا حصہ) ملے گا۔**

**۴: ایک سے زیادہ بیٹیوں کی موجودگی میں پوتیاں محروم ہوں گی۔**

---

1 النساء، ۴:۱۱
2 النساء، ۴:۱۱
3 النساء، ۴:۱۷۶
4 النساء، ۴:۱۱

**۵: پوتیوں کے ساتھ برابر کا پوتا یا نیچے والا پوتا، پوتیوں کو عصبہ بنادیں گے۔**

**۶: میّت کے بیٹے کی موجودگی میں پوتیوں محروم ہوں گی۔**[1]

**وضاحت:**

بنات الابن (پوتیوں) کے چھ احوال ہیں:

**۱، ۲:** بیٹے اور بیٹیوں کی عدمِ موجودگی میں ایک پوتی کو نصف ملے گا اور دو یا دو سے زیادہ پوتیوں کو دو تہائی ترکہ ملے گا کیونکہ بیٹیوں کی عدمِ موجودگی میں پوتیاں ان کے قائم مقام ہوتی ہیں لہذا وہی بیٹیوں والے حصے انہی دلائل کے ساتھ پوتیوں کو ملیں گے یعنی ایک کو آدھا اور ایک سے زیادہ کو ثلثان (دو تہائی) ملے گی۔

**۳:** میّت کا کوئی بیٹا موجود نہ ہو اور ایک بیٹی اور پوتیاں اس کے وارث ہوں تو بیٹی کا حصہ آدھا ہو گا اور پوتیوں کو مشترکہ طور پر چھٹا حصہ ملے گا تاکہ ثلثین یعنی دو تہائی پورا ہو جائے کیونکہ بیٹیوں اور پوتیوں کو مجموعی طور پر ثلثان (دو تہائی) سے زیادہ نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ "[2]

ترجمہ: اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو ان کو ترکہ کا دو ثلث ملے گا۔

اسی طرح عبد اللہ بن مسعودؓ کا قول ہے:

" لا يزيد الأخوات والبنات على الثلثين "[3]

ترجمہ: بیٹیوں اور بہنوں کا حصہ ثلثان سے زیادہ نہیں ہوتا۔

پوتیاں بھی بیٹیوں کے حکم میں ہے لہذا پوتیوں کا حصہ بھی زیادہ سے زیادہ دو تہائی ہو گا۔ اسی دو تہائی کو مکمل کرنے کے لیے نصف حصہ بٹی کو اپنا ذوی الفروض والا حصہ ملے گا اور پوتیوں کو مشترکہ طور پر چھٹا حصہ ملے گا تاکہ بیٹیوں اور پوتیوں کا مجموعی حصہ دو تہائی مکمل ہو جائے کیونکہ نصف اور سدس کا مجموعہ دو تہائی آتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر بیٹیاں دو یا دو سے زیادہ ہو تو ان کو ثلثان بطورِ ذوی الفروض ملنے کی وجہ سے پوتیاں ساقط ہو جاتی ہیں کیونکہ ثلثین پہلے سے لیا جا چکا ہے۔[4]

برابر درجے کے پوتے یا نچلے درجے کے پوتے کی موجودگی سے محروم پوتیاں بھی بطورِ عصبہ میراث کے حق دار ہو جائیں گی اور پوتے کو پوتی کے مقابلے میں دوگنا حصہ دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ "[5]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں تمہاری اولاد کے بارے میں کہ مذکر کے لیے دو مؤنث کے حصے کے برابر ہے۔

---

1 الفتاوی الهندیة، ۶: ۴۴۸

2 النساء، ۴: ۱۱

3 الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار، أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (المتوفى: 235هـ)، ۶: ۲۴۶، حديث: ۳۱۰۹۶، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة الأولى، 1409ء

4 الشریفیة شرح السراجیة، السید الشریف العالم الربانی علی الجرجانی، ص: ۴۸، مکتبہ حقانیہ، پشاور، س۔ن

5 النساء، ۴: ۱۱

مثلاً ایک میّت دو بیٹیاں، ایک پوتی اور ایک پوتا یا پڑپوتا چھوڑ کر مر گیا تو دو بیٹیوں کو ذوی الفروض والا حصہ دو تہائی مل جائے گا اور پوتی کے ساتھ برابر درجے کا پوتا یا نچلے درجے کا پڑپوتا موجود ہے تو اس کی وجہ سے اس پوتی کو بھی بطورِ عصبہ حصہ مل جائے گا۔ پوتے کو پوتی کے مقابلے میں دوگنا حصہ ملے گا اگر یہ پوتا موجود نہ ہوتا تو پوتی بالکل محروم ہو جاتی کیونکہ دو حقیقی بیٹیاں موجود ہیں اور وہ اپنا ثلثان وصول کر چکی ہے۔

بیٹیوں اور پوتیوں کا مجموعی حصہ بطورِ ذوی الفروض دو تہائی سے نہیں بڑھنا چاہیے تاہم بطورِ عصبہ کے ان کو مزید حصہ مل کر ان کا مجموعی حصہ دو تہائی سے بڑھ سکتا ہے جیسا کہ اس صورتِ مذکورہ میں ہوا۔[1]

| میّت | | | |
|---|---|---|---|
| دو بیٹیاں | ایک پوتی | ایک پوتا | ایک پڑپوتا |
| دو تہائی | عصبہ | | |

**دفعہ 13: میّت کے حقیقی بہنوں کی پانچ حالتیں ہیں:**

**۱: میّت کے اصول یا فروعِ مذکر کی موجودگی میں بہن بھائی محروم ہوں گے۔**

**۲: اصول و فروع مذکر کی غیر موجودگی میں ایک بہن کو نصف ملے گا۔**

**۳: اصول و فروع مذکر کی غیر موجودگی میں دو یا دو سے زیادہ بہنوں کو دو تہائی ملے گا۔**

**۴: حقیقی بھائی کی موجودگی میں بہنیں عصبہ بن جائیں گی۔**

**۵: فروعِ مؤنث کی موجودگی کی وجہ سے حقیقی بہنیں عصبہ بن جائیں گی۔[2]**

**وضاحت:**

تقسیمِ میراث کے حوالے سے میّت کے حقیقی بہنوں کی پانچ حالتیں ہیں:

**پہلی حالت:**

میّت کے اصول (اوپر تک) یا اولاد مذکر کی موجودگی میں ہر قسم کے بہن بھائی میراث سے محروم ہوں گے کیونکہ بہن کے وارث ہونے کے لیے میّت کا اولادِ مذکر نہ ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ"[3]

ترجمہ: اگر کوئی آدمی مر گیا اور اس کا بیٹا نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو بہن کو ترکے کا آدھا ملے گا۔

اس آیت کریمہ میں کلالہ میّت کا حکم بیان کیا جارہا ہے اور کلالہ وہی ہوتا ہے جس کے نہ والدین ہو اور نہ اولاد لہٰذا اگر کسی میّت کے والدین یا اولادِ مذکر موجود ہو تو وہ کلالہ نہیں ہے اور پھر یہ مذکورہ حکم بھی بہنوں کے لیے نہ ہوگا بلکہ وہ محروم ہوں گی۔

1 السراجی فی المیراث، ص: ۶۵

2 الفتاوی الہندیۃ، ۶: ۴۵۰

3 النساء، ۴: ۱۷۶

**دوسری حالت:**

اصول اور فروعِ مذکر کی غیر موجودگی میں ایک بہن کو نصف حصہ ملے گا۔ دلیلِ مذکور کی وجہ سے۔

**تیسری حالت:**

اصول اور فروع مذکر کی غیر موجودگی میں دو یا دو سے زیادہ بہنوں کو ثلثان ملے گا۔ آیت کلالہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ"[1]

ترجمہ: اگر دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کے لیے دو تہائی ہے۔

**چوتھی حالت:**

میّت کے حقیقی بھائی کی موجودگی میں حقیقی بہنیں عصبہ بن جائیں گی اور بھائی کو بہن سے دوچند حصہ ملے گا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ"[2]

ترجمہ: اگر کئی بھائی بہن ہو تو مذکر کو دو مؤنث کے حصے کے برابر ملے گا۔

**پانچویں حالت:**

میّت کے اولادِ مؤنث کی موجودگی کی وجہ سے حقیقی بہنیں عصبہ بن جائے گی۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ان سے بیٹی، پوتی اور بہن کے میراث کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے نبی کریم ﷺ کے فیصلے کے مطابق بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس دیا اور باقی ماندہ بطورِ عصبہ کے حقیقی بہن کو دے دیا چنانچہ ابو موسی الاشعریؓ[3] سے صحیح بخاری میں روایت ہے:

" سُئِلَ أَبُو مُوسَى عَنْ بِنْتٍ وَابْنَةِ ابْنٍ وَأُخْتٍ، فَقَالَ: لِلْبِنْتِ النِّصْفُ، وَلِلْأُخْتِ النِّصْفُ، وَأْتِ ابْنَ مَسْعُودٍ، فَسَيُتَابِعُنِي، فَسُئِلَ ابْنُ مَسْعُودٍ، وَأُخْبِرَ بِقَوْلِ أَبِي مُوسَى فَقَالَ: لَقَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ المُهْتَدِينَ، أَقْضِي فِيهَا بِمَا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لِلِابْنَةِ النِّصْفُ، وَلِابْنَةِ ابْنٍ السُّدُسُ تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ، وَمَا بَقِيَ فَلِلْأُخْتِ» فَأَتَيْنَا أَبَا مُوسَى فَأَخْبَرْنَاهُ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ، فَقَالَ: لاَ تَسْأَلُونِي مَا دَامَ هَذَا الحَبْرُ فِيكُمْ"[4]

ترجمہ: ابو موسی الاشعریؓ سے بیٹی، پوتی اور بہن کے میراث کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ بیٹی کے لیے نصف ہے اور بہن کے لیے نصف ہے اور ابن مسعودؓ کے پاس جاؤ، وہ بھی میرا جیسا جواب دے گا۔ ابن مسعودؓ سے پوچھا گیا اور ان کو ابو موسی

---

1 النساء، ۴:۱۷۶

2 النساء، ۴:۱۷۶

3 ابو موسی الاشعریؓ: عبد اللہ بن قیس بن موسی الاشعریؓ مکہ میں اسلام لائے اور پھر حبشہ ہجرت کی۔ پہلی مرتبہ فتح خیبر میں شریک ہوئے۔ فقیہ اور قاری تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت اچھی آواز دی تھی۔ سیدنا عمرؓ کے دور خلافت میں اصفہان کو فتح کیا۔ ۴۲ھ کو وفات پائی۔ ( الاصابة فی تمییز الصحابة، ۷:۳۲۲؛ الطبقات الکبری، ۴:۷۸)

4 صحیح البخاری، ۸:۱۵۱، حدیث: ۶۷۳۶

الاشعریؓ کے جواب کا خبر بھی دے دیا گیا تو فرمایا اگر میں نے ایسا فیصلہ کیا تو میں غلطی پر ہوں گا۔ میں اس بارے میں وہی فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا ہے۔ بیٹی کے لیے نصف اور پوتی کے لیے سدس دو تہائی کے تکمیل کے لیے اور جو باقی بچے تو وہ بہن کے لیے ہو گا (بطورِ عصبہ)۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم ابو موسیٰ الاشعریؓ کے پاس آئے اور انہیں ابن مسعودؓ کے فیصلہ کی خبر دی تو فرمایا مجھ سے مت پوچھو جب تک یہ بڑا عالم آپ کے درمیان موجود ہو۔

صاحبِ سراجی محمد بن محمد السجاوندی[1] نے اس حدیث کے مفہوم کو لے کر ایک جملہ (اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة) کو حدیث کہا حالانکہ ان الفاظ کے ساتھ احادیث کی کتابوں میں کوئی بھی حدیث موجود نہیں ہے۔ یہ مذکورہ جملہ حدیث کا مفہوم ہے۔

یہی بات الدر المختار میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی گئی ہے:

"جعله في السراجية وغيرها حديثا قال في سكب الأنهر: ولم أقف على من خرجه، لكن أصله ثابت بخبر ابن مسعود – رضي الله عنه – وهو ما رواه البخاري وغيره"[2]

ترجمہ: سراجی وغیرہ میں اسے حدیث قرار دیا گیا ہے۔ صاحبِ سکب الانھر فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی تخریج نہیں ملی لیکن عبد اللہ بن مسعودؓ کے خبر سے اس کا مفہوم ثابت ہے اور سیدنا عبد اللہ بن مسعودؓ کے اس خبر کو بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

**دفعہ 14: میّت کے علاتی (باپ شریک) بہنوں کی سات حالتیں ہیں:**

**۱: میّت کے اصول، فروعِ مذکر، حقیقی بھائی اور عصبہ ہونے والی حقیقی بہنوں کی موجودگی میں علاتی بھائی بہن محروم ہوں گے۔**

**۲: حقیقی بہن کی غیر موجودگی میں ایک علاتی بہن کو نصب ملے گا۔**

**۳: حقیقی بہن کی غیر موجودگی میں دو یا دو سے زیادہ علاتی بہنوں کو دو تہائی ملے گا۔**

**۴: ایک حقیقی بہن کی موجودگی میں علاتی بہن کو چھٹا حصہ ملے گا۔**

**۵: دو یا دو سے زیادہ حقیقی بہنوں کی موجودگی میں علاتی بہن محروم ہوں گی۔**

**۶: علاتی بھائیوں کی موجودگی میں علاتی بہنیں عصبہ ہو جائیں گی۔**

**۷: میّت کے فروعِ مؤنث کی وجہ سے علاتی بہنیں عصبہ ہو جائیں گی۔**[3]

---

1 محمد بن محمد بن عبد الرشید السجاوندی کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات معلوم نہیں تاہم ۵۸۳ھ سے پہلے آپ کے کتاب کی شرح لکھی جاچکی ہے۔ مسلکاً حنفی تھے۔ افغانستان کے شہر کابل کے قریب ایک قصبہ سجاوند کی طرف نسبت کی وجہ سے سجاوندی کہلاتے ہیں۔ بہت بڑے عالم، فقیہ، فراض اور حساب داں تھے۔ السراجی کے علاوہ الوقف والابتداء، الجبر المقابلہ اور ذخائرِ نثار فی اخبار السید المختار ﷺ آپ کے تصنیفات ہیں۔ (طرازی شرح سراجی، مولانا اشتیاق احمد صاحب درہنگوی، ص۲۱، مکتبہ نعیمیہ، مردان)

2 الدر المختار، ۶:۷۷۲

3 الفتاوی الھندیۃ، ۶:۴۵۰

**وضاحت:**

علاتی بہنوں کے کل سات احوال ہیں۔ پانچ احوال میں علاتی بہن اور حقیقی بہن ایک جیسی ہیں اور دلائل بھی دونوں کے مشترک ہیں جو کہ حقیقی بہنوں کے احوال میں گزر چکی ہیں مثلا ایک علاتی بہن کو نصف ملے گا۔ دو علاتی بہنوں کو ثلثان ملے گا۔ میّت کے اولادِ مؤنث کی وجہ سے علاتی بہنیں عصبہ ہوں گی۔ علاتی بھائی کی موجودگی میں علاتی بہنیں عصبہ ہو جائیں گی۔ میّت کے اصول اور اولادِ مذکر کی موجودگی میں علاتی بہنیں محروم رہیں گی البتہ علاتی بہنیں، حقیقی بھائی اور حقیقی بہن جو کہ عصبہ بننے والی ہو کی وجہ سے بھی محروم ہو جائیں گی اس کی وجہ یہ ہے کہ تقسیمِ میراث کے باب میں حقیقی بھائی بہن سلبی اور حقیقی اولاد کے مانند ہوتی ہے اور علاتی بھائی بہن پوتے کے مانند ہوتے ہیں تو جس طرح بیٹے کی وجہ سے پوتا ساقط ہو جاتا ہے اسی طرح حقیقی کی وجہ سے علاتی محروم ہو جائیں گے۔

حقیقی بہن جب اولادِ مؤنث کے ساتھ عصبہ مع الغیر ہوتی ہے تو وہ قوت میں حقیقی بھائی جیسے ہو جاتی ہے تو بچے ہوئے مال کو بطورِ عصبہ لے لیتی ہے علاتی بہن کے لیے کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ اس لیے اس صورت میں حقیقی بہن کی وجہ سے علاتی بہن محروم ہو جاتی ہے۔[1]

ان کے علاوہ علاتی بہنوں کے لیے دو مزید احوال ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

**پہلی حالت:**

علاتی بہنوں کے ساتھ اگر میّت کی ایک حقیقی بہن ہو تو ثلثان پورا کرنے کے لیے علاتی بہنوں کو مشترکہ طور پر چھٹا حصہ ملے گا۔ حقیقی بہن نصف لے لے گا اور بہنوں کو کل حصہ ثلثان ہے۔ ثلثان مکمل ہونے کے لیے سدس بچا ہے یہ علاتی بہن کو مل جائے گا۔

**دوسری حالت:**

علاتی بہنوں کے ساتھ اگر میّت کی دو یا دو سے زیادہ حقیقی بہنیں ہوں تو علاتی بہنیں محروم ہو جائے گی کیونکہ بہنوں کا کل حصہ ثلثان ہے جو حقیقی بہنوں کو مل چکا ہے البتہ اگر اسی صورت میں علاتی بہنوں کے ساتھ علاتی بھائی موجود ہو تو یہ محروم علاتی بہنوں کو عصبہ بنا دے گی۔[2]

| میّت: 9/3 | | |
|---|---|---|
| ۲ حقیقی بہنیں | علاتی بہن | علاتی بھائی |
| دو تہائی | عصبہ | |
| 2/6 | 1/3 | |

**دفعہ 15: میّت کے والدہ کے تین احوال ہیں:**

**ا: میّت کے اولاد یا دو یا دو سے زیادہ بھائی بہنوں کی موجودگی میں والدہ کو چھٹا حصہ ملے گا۔**

1 الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص ۳

2 السراجیۃ، ص ۴۰

**۲: میّت کے اولادِ مذکر، دو یا زیادہ بھائی بہنوں اور زوجین کی غیر موجودگی میں والدہ کو پورے ترکے کا تہائی ملے گا۔**

**۳: میّت کے باپ اور زوجین میں سے کسی ایک کی موجودگی میں والدہ کو زوجین کے باقی ماندہ کا تہائی ملے گا۔** [1]

**وضاحت:**

میّت کے والدہ کی تین حالتیں ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

**پہلی حالت:**

میّت کی والدہ کے ساتھ اگر میّت کا اولاد (مذکر یا مؤنث نیچے تک) موجود اور زندہ ہو یا میّت کے کسی بھی قسم (حقیقی، علاتی یا اخیافی) کے دو یا دو سے زیادہ بھائی بہن موجود ہو تو ماں کو سدس یعنی چھٹا حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ "[2]

ترجمہ: والدین میں سے ہر ایک کے لیے ترکے کا چھٹا حصہ ہے اگر میّت کا کوئی اولاد موجود ہو۔

اس آیت میں لفظِ ولد عام ہے۔ لڑکا لڑکی، پوتا پوتی، پڑپوتا پڑپوتی سب کو شامل ہے۔

بہن بھائیوں کے شرط ہونے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ"[3]

ترجمہ: پھر اگر میّت کے کئی بھائی بہن ہو تو ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے۔

اس آیت میں بھی لفظ اخوۃ عام ہے حقیقی، علاتی اور اخیافی ہر قسم کے بھائی بہنوں کو شامل ہے۔ اخوۃ جمع کا صیغہ ہے میراث کے باب میں دو افراد پر بھی جمع کا اطلاق ہوتا ہے۔ دو لڑکیوں کو بھی دو تہائی ملتا ہے اور دو سے زیادہ کو بھی۔ خلاصہ یہ کہ بھائی بہن دو یا دو سے زیادہ ہو تو ماں کو سدس ملے گا۔[4]

**دوسری حالت:**

اگر میّت کا کوئی اولاد نہ ہو اور بھائی بہنوں میں سے بھی دو یا دو سے زیادہ نہ ہو تو ماں کو پورے ترکے کا تہائی ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ "[5]

ترجمہ: اگر میّت کی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین اس کے وارث ہو تو اس کی ماں کو تہائی ترکہ ملے گا پھر اگر میّت کے کئی بھائی بہن ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔

---

1 الفتاوی الهندية، ٦: ٤٤٩

2 النساء، ٤: ١١

3 النساء، ٤: ١١

4 الشريفية شرح السراجية، ص ٢٩

5 النساء، ٤: ١١

اس آیت میں کئی بھائی بہنوں کی موجودگی میں ماں کا حصہ سدس قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے اگر بھائی بہن متعدد نہ ہوں تو جس طرح بیٹے اور بیٹیوں کی موجودگی میں ماں کو سدس ملتا ہے بھائی بہنوں کی موجودگی میں بھی اس کو سدس ملے گا۔

ماں کو پورے مال کا تہائی تب ملتا ہے جب والدین کے ساتھ زوجین میاں بیوی میں سے کوئی نہ ہو۔[1]

### تیسری حالت:

میّت کے باپ اور زوجین میں سے کسی ایک کی موجودگی میں ماں کو، زوجین کا حصہ دینے کے بعد باقی ماندہ ترکے کا تہائی ملے گا۔ اس کی دلیل بھی مذکورہ آیت ہے جو دوسری حالت میں گزر گئی جس کا مفہوم یہ ہے کہ والدین جس مال کے وارث ہوں گے اس کی تہائی ماں کو ملے گی چنانچہ اولاد، بہن بھائی اور میاں بیوی کی عدم موجودگی میں والدین پورے ترکے کا وارث ہوتے ہیں اس لیے ماں کو پورے ترکے کا ثلث مل جاتی ہے۔ مگر میاں بیوی کی موجودگی میں ان کا حصہ بھی نکالنا ہوتا ہے والدین پورے ترکہ کے وارث نہیں ہوتے لہذا بیوی یا شوہر کا حصہ نکالنے کے بعد جو ترکہ بچ جائے اس کا تہائی ماں کو ملے گا۔[2]

**دفعہ 16: میّت کے جدہ (دادی اور نانی) کو حاجب (محروم کرنے والی) کی غیر موجودگی میں ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا۔**[3]

**وضاحت:**

میّت کے جدہ (دادی اور نانی) کا میراث کے استحقاق کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ جدہ صحیحہ ہو فاسدہ نہ ہو اور مرتبہ میں دیگر جدات کے برابر ہو۔ جدہ صحیحہ کا مطلب یہ ہے کہ اس جدہ اور میّت کے درمیان جد فاسد (نانا) کا واسطہ نہ آتا ہو اور جد فاسد اس جد کو کہتے ہیں کہ اس کے اور میّت کے درمیان مؤنث (ماں) کا واسطہ آتا ہو جیسے نانا (ماں کا باپ) جدہ صحیحہ کی مثال جیسے باپ کی ماں اور دادا کی ماں، ماں کی ماں وغیرہ۔

مرتبہ میں برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک جدہ ایک واسطہ سے نانی ہو تو دوسری بھی ایک ہی واسطہ سے دادی ہو۔ یعنی ایک جدہ قریب (کم واسطوں والی) اور دوسری بعید (زیادہ واسطوں والی) نہ ہو ورنہ دور والی محروم ہو گی۔

جدات عام ہیں چاہے باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے اور چاہے ایک ہو یا زیادہ، زیادہ ہونے کی صورت میں چھٹا حصہ ان پر برابر تقسیم ہو گا۔

جدات کو سدس ملنے کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے کہ آپ ﷺ نے جدہ کو سدس دیا اور صحابہ کرامؓ کا اس پر اجماع ہے۔[4] سدس میں تمام جدات کے شریک ہونے کی دلیل بھی ایک روایت ہے کہ سیدنا ابو بکرؓ کے پاس ایک نانی اپنے نواسے کی میراث مانگنے آئی۔ آپؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ[5] نے یہی سدس والی حدیث سنائی۔ سیدنا ابو بکرؓ[1] نے اس

---

1 الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص ۳۰

2 الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص ۳۰

3 الفتاوی الهندیۃ، ۶: ۴۵۰

4 سنن ابن ماجہ، ۲: ۹۱۰، حدیث: ۲۷۲۵

5 سیدنا مغیرہ بن شعبۃ بن ابو عامر الثقفی (۲۰ ق ھ۔۔۔۵۰ھ) غزوہ خندق کے سال اسلام قبول کیا۔ سب سے پہلے صلح حدیبیہ کے موقع پر حاضر ہوئے۔ سیدنا عمرؓ نے آپ کو بصرہ کا والی مقرر کیا۔ کوفہ میں وفات پائی۔ (أسد الغابة في معرفة الصحابة، ۵: ۲۳۸؛ الاعلام، ۷: ۲۷۷)

عورت کو سدس دینے کا حکم دیا۔ پھر کچھ دنوں بعد اسی میّت کی دادی آئی اور اپنے پوتے کے میراث کا مطالبہ کیا۔ سیدنا ابو بکرؓ نے اس دادی کو اسی سدس میں نانی کے ساتھ شریک کر دیا۔[2]

جدات کے لیے حاجب یعنی میراث سے محروم کرنے والے افراد چار قسم پر ہے۔

**۱:** میّت کے ماں کی موجودگی میں میّت کے ہر قسم کے جدات پدری اور مدری میراث سے محروم ہوں گی۔ مدری (نانی) تو اس وجہ سے کہ اس کے اور میّت کے درمیان ماں کا واسطہ ہے اور واسطہ کی موجودگی میں ذوالواسطہ محروم ہوتی ہے اور پدری (دادی) اس لیے ماں کی وجہ سے محروم ہوتی ہے کہ ان دونوں کا سببِ ارث یعنی امومت (رشتۂ مادری) متحد ہے۔[3]

**۲:** میّت کے باپ کی موجودگی میں صرف پدری جدات محروم ہوں گی۔ مدری جدات محروم نہیں ہوں گی کیونکہ پدری جدات میں باپ واسطہ ہوتا ہے مدری جدات میں باپ کا واسطہ نہیں ہوتا اور واسطہ کے ہوتے ہوئے ذوالواسطہ کو میراث نہیں ملتا۔ دونوں کا سببِ ارث بھی ایک نہیں ہے کہ دونوں کو محروم کیا جائے۔

**۳:** میّت کے دادا کی موجودگی میں وہ دادیاں محروم ہوں گی جو اس دادا کے واسطے سے میّت کی دادیاں ہوں مثلاً دادا کی ماں کیونکہ واسطہ کی موجودگی سے ذوالواسطہ محروم ہو جاتا ہے۔

**۴:** قریب والی جدہ دادی ہو یا نانی دور والی جدہ کو محروم کر دیتی ہے کیونکہ دونوں کا سببِ ارث متحد ہے اور قریب والی جدہ میں رشتۂ مادری دور والی جدہ سے زیادہ قوی اور مستحکم ہے لہٰذا اسے ترجیح حاصل ہو گی۔ قریب اور دور سے مراد واسطوں کا کم اور زیادہ ہونا ہے۔

دادی باپ کی وجہ سے تو محروم ہو جاتی ہے لیکن دادا کی وجہ سے محروم نہیں ہوتی کیونکہ دادی اور میّت کے درمیان باپ واسطہ ہوتا ہے لیکن دادا واسطہ نہیں ہوتا اور واسطہ ذوالواسطہ کو محروم کر دیتا ہے لہٰذا دادا، دادی کو محروم نہیں کرے گا۔[4]

---

1 ابو بکر صدیقؓ کا نام عبداللہ بن عثمان القرشی التیمی ہے۔ والدہ ماجدہ کا نام ام الخیر سلمیٰ بنت صخر ہے۔ واقعہ فیل کے تین سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ کے غار کے ساتھی اور خلیفہ اول تھے۔ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔ عشرہ مبشرہ میں سے پانچ نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سارے غزوات میں شریک ہوئے۔ دو سال تین ماہ دس دن کی خلافت کرنے کے بعد ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔ (اسد الغابة فی معرفة الصحابة، ۳:۳۳۱)

2 سنن ابن ماجه، ۲: ۹۰۹، حدیث: ۲۷۲۴

3 الشریفیة شرح السراجیة، ص ۳۳

4 الشریفیة شرح السراجیة، ص ۳۵

## کتاب الفرائض: باب ۳: عصبات کے بیان میں

**دفعہ 17: عصبہ اس وارث کو کہتے ہیں جو اصحاب الفروض سے بچے ہوئے ترکہ اور تنہا ہونے کی صورت میں تمام ترکہ کے مستحق ہوتے ہیں۔[1]**

**وضاحت:**

عصبۃٌ جمع ہے عاصب کی اور اس کی جمع الجمع عصبات آتی ہے۔ مرد کے پدری رشتے (باپ کی طرف سے) کو عصبہ کہتے ہیں۔ اس کا مصدر عصوبۃ ہے بمعنیٰ گھیرنا، احاطہ کرنا۔ عصب القوم بالرجل[2] اس وقت بولا جاتا ہے جب چند آدمی کسی آدمی کا احاطہ کرلے اور گھیر لے۔ عصبہ بھی میّت کو چاروں طرف سے گھیرے میں لیے رہتے ہیں۔ اوپر سے اُبوّت (باپ کا رشتہ) نیچے سے بُنُوّت (بیٹا ہونا)، ایک طرف سے اخوّت (بھائی ہونا) اور دوسری طرف سے عمومت (چچا ہونا) ہوتا ہے۔ اس لیے ان کو عصبہ کہا جاتا ہے۔[3]

**اصطلاحی تعریف:**

عصبہ میّت کے ان رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے جن کا حصہ شریعتِ مطہرہ میں متعین نہیں ہے۔ ذوی الفروض کے ساتھ ہو کر ان کے باقی ماندہ ترکہ کو اور تنہا ہونے کی صورت میں تمام ترکہ کو لے لیتے ہیں۔[4]

عصبہ دو قسیم پر ہیں:

**ا: عصبہ نسبی:**

یہ وہ عصبہ ہیں جن کا میّت کے ساتھ ولادت کا تعلق ہوتا ہے۔

**۲: عصبہ سببی:**

یہ وہ عصبہ ہیں جن کا میّت کے ساتھ عتاق یعنی آزاد کرنے کا تعلق ہوتا ہے۔

پھر عصبہ نسبی تین قسم پر ہیں:

ا: عصبہ بنفسہ　　　۲: عصبہ بغیرہ　　　۳: عصبہ مع غیرہ

**ا: عصبہ بنفسہ:**

ہر اس مذکر رشتہ دار کو کہتے ہیں جس کا میّت کے ساتھ رشتہ جوڑنے میں کسی مؤنث کا واسطہ درمیان میں نہ آتا ہو جیسے بیٹا، پوتا، باپ، دادا، بھائی، بھتیجا، چچا، چچازاد بھائی۔

**۲: عصبہ بغیرہ:**

---

1 الفتاوی الهندية، ۶: ۴۵۱

2 المصباح المنير في غريب الشرح الكبير، أحمد بن محمد بن علي الفيومي ثم الحموي، أبو العباس (المتوفى: نحو 770هـ)، ۲: ۴۱۲، المكتبة العلمية، بيروت

3 الشريفية شرح السراجية، ص۳۷

4 المواريث فی الشريعة الاسلامية فی ضوء الكتاب والسنة، محمد علی الصابونی، ص ۲۵، دار الحديث، خلف جامع ازهر، مصر، س-ن

عصبہ بغیرہ وہ ذوی الفروض عورتیں ہیں جو اپنے بھائیوں کی وجہ سے عصبہ بن جاتی ہیں اور یہ چار عورتیں ہیں:

الف: بیٹی　　ب: پوتی　　ج: حقیقی بہن　　د: علاتی بہن

بیٹی، بیٹے کی موجودگی کی وجہ سے، پوتی، پوتے کی وجہ سے، حقیقی بہن، حقیقی بھائی کی وجہ سے اور علاتی بہن، علاتی بھائی کی وجہ سے عصبہ بن جاتی ہیں۔ دیگر ذوی الفروض کی موجودگی میں ان سے بچا ہوا ترکہ اور ان کی غیر موجودگی میں سارا ترکہ ان عصبہ بغیرہ کو ملے گا اور یہ آپس میں ایسا تقسیم کریں گے کہ ہر مذکر کو دو مؤنث کے برابر حصہ مل جائے۔

جو عورتیں اصحاب الفرائض میں سے نہیں ہیں اور ان کے بھائی عصبہ ہیں تو وہ اپنے بھائیوں کی وجہ سے عصبہ بغیرہ نہیں بنے گی جیسے چچا اور پھوپھی، دونوں بھائی بہن ہیں مگر پھوپھی اصحاب الفروض میں سے نہیں ہے اس لیے یہ عصبہ نہیں بنے گی۔ پورا مال چچا کو ملے گا۔[1]

### ۳: عصبہ مع غیرہ:

اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو دیگر مؤنث عورتوں کی وجہ سے عصبہ بن جاتی ہیں جیسے میّت کی بہن میّت کے بیٹے کی وجہ سے عصبہ بن جاتی ہے کیونکہ صحیح بخاری میں روایت ہے جس کا مفہوم یہ کہ بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بنایا جائے گا۔[2]

یہ صرف دو عورتیں ہیں:

الف: حقیقی بہن　　ب: علاتی بہن[3]

عصبہ مع الغیر اور بالغیر میں فرق یہ ہے کہ عصبہ بالغیر میں عصبہ حقیقتاً مذکر ہی ہوتا ہے لیکن وہ مؤنث کو بھی اپنے ساتھ شریک کرلیتا ہے اور اس کے ذوی الفروض والی حالت کو بدل کر عصوبت کی طرف منتقل کر دیتی ہے تاکہ مؤنث کا حصہ اپنے برابر والے مذکر وارث (بھائی) سے زیادہ نہ ہو جائے بلکہ اس کے برابر بھی نہ ہو جائے اور مذکر کو مؤنث کا دگنا مل جائے جب کہ عصبہ مع الغیر میں مؤنث عصبہ (بہن) کسی کے ساتھ ترکہ لینے میں شریک نہیں ہوتی بلکہ بیٹی پوتی اور دیگر اصحاب الفروض سے بچے ہوئے ترکہ کو پالیتی ہے۔[4]

**دفعہ 18: عصبہ بنفسہ کے مختلف قسم کے متعدد عصبات جمع ہونے کی صورت میں تین طریقے سے ترجیح دی جائے گی:**

**ا: میّت کے بیٹے، باپ دادا پر اور باپ دادا میّت کے بھائی پر اور بھائی میّت کے چچا پر مقدم ہوگا۔**

**۲: اقرب، ابعد پر مقدم ہوگا۔**

**۳: قوی رشتے والا اس کے مقابلے میں کمزور رشتے والے پر مقدم ہوگا۔**[5]

**وضاحت:**

عصبہ بنفسہ کی چار قسمیں ہیں:

---

1　السراجی فی المیراث، ص۵۷

2　صحیح البخاری، ۸: ۱۵۱، حدیث: ۶۷۳۶

3　الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص۴۰

4　المواریث فی الشریعۃ الاسلامیۃ فی ضوء الکتاب والسنۃ، ص۷۷

5　الفتاویٰ الھندیۃ، ۶: ۴۵۱

۱: جزءِ میّت یعنی بیٹا

۲: اصلِ میّت یعنی باپ دادا

۳: جزءِ اب میّت (میّت کے باپ کا جز) یعنی بھائی

۴: جزءِ جد میّت (میّت کے دادا کا جز) یعنی میّت کا چچا

تقسیم وراثت میں بھی اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ جزءِ میّت (بیٹا) اصلِ میّت (باپ داد) پر مقدم ہوتا ہے یعنی بیٹے اور پوتے کی موجودگی میں باپ دادا عصبہ نہیں ہوسکتے اور اصل میّت (باپ دادا)، جزءِ اب میّت (بھائی) پر مقدم ہوتے ہیں یعنی باپ دادا کی موجودگی میں بھائی عصبہ نہیں ہوسکتے اور جزءِ اب میّت (بھائی)، جزءِ جدِ میّت (چچا پر مقدم ہوتا ہے یعنی بھائی اور اس کے بیٹے کی موجودگی میں چچا اور اس کا اولاد عصبہ نہیں ہوسکتا۔[1]

باپ اور بیٹے دونوں کی موجودگی میں باپ کے عصبہ نہ بننے اور بیٹے کے عصبہ بننے کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ "[2]

ترجمہ: اور میّت کے والدین میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے اس مال میں سے جو وہ چھوڑ کر مر گیا اگر میّت کی اولاد ہو۔

اس آیت میں باپ اور بیٹے دونوں کی موجودگی میں باپ کو ذوی الفروض والا چھٹا حصہ دیا گیا ہے اور بیٹے کا حصہ مقرر نہیں کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ کے بچے ہوئے کو بیٹا بطورِ عصبہ کے لے گا۔ بیٹے کو عصبہ بنایا گیا اور باپ کو سدس دیا گیا اور پوتا چونکہ بیٹے کے قائم مقام ہے لہٰذا اس کا بھی یہی حکم ہے۔

عقلی طور پر بھی انسان کے دل سے اولاد، والد کے مقابلے میں زیادہ قریب ہوتی ہے۔ عموماً آدمی مال و متاع اولاد ہی کے لیے جمع کرتا ہے۔ اولاد ہی کے لیے بخل اور بزدلی دکھاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

" إِنَّ الْوَلَدَ مَبْخَلَةٌ مَجْبَنَةٌ"[3] [4]

ترجمہ: بے شک اولاد بخل اور بزدلی کا ذریعہ ہے۔

اگر عصبہ بنفسہ کی ایک ہی قسم کے متعدد افراد جمع ہو گئے ہوں تو ان میں سے جو میّت کے زیادہ قریب (کم واسطوں) والا ہو گا وہ عصبہ ہو گا اور دور والے (زیادہ واسطوں والے) محروم ہو جائیں گے۔ مثلاً بیٹے اور پوتے میں بیٹا عصبہ بن جائے گا اور پوتا محروم ہو گا۔ باپ اور دادا دونوں کی موجودگی میں باپ عصبہ اور دادا محروم ہو گا۔

---

1 المواریث فی الشریعۃ الاسلامیۃ فی ضوء الکتاب والسنۃ، ص۲۸

2 النساء، ۴:۱۱

3 سنن ابن ماجۃ، ۲:۱۲۰۹، حدیث:۳۶۶۶

4 البانی نے اس حدیث کو حسن الاسناد قرار دیا ہے۔ (صحيح الأدب المفرد للإمام البخاري، محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة البخاري، أبو عبد الله (المتوفى: 256ھ)، ص:۵۹، دار الصديق للنشر والتوزيع، طبعة رابعة، 1418 ھ/ 1997ء)

اگر سب عصبات برابر درجہ کے ہو اور کوئی ان میں سے میّت کے زیادہ قریب نہ ہو تو پھر رشتہ کی قوت کو دیکھا جائے گا جس کا رشتہ زیادہ قوی ہو گا اسے ترجیح ہو گی۔ میّت کے حقیقی بھائی کو علاتی بھائی پر، حقیقی بہن کو علاتی بہن پر ترجیح حاصل ہو گی۔[1] رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"إن أعيان بني الأم يتوارثون دون بني العلات۔"[2]

ترجمہ: حقیقی بھائی بہن وارث ہوتے ہیں نہ کہ علاتی بھائی بہن۔

## دفعہ 19: ایک ہی درجہ اور قوت کے کئی عصبات میں مالِ ترکہ باعتبارِ ابدان تقسیم کیا جائے گا۔[3]

**وضاحت:**

اگر کسی میّت کے صرف عصبہ بنفسہ میں سے ایک ہی قسم کے کئی عصبات جمع ہو جائے اور سب میّت کے ساتھ ایک جیسے درجے میں قریب ہو اور قوتِ رشتہ میں بھی کوئی فرق نہ ہو مثلاً سب حقیقی بیٹے ہو تو اس صورت میں مالِ ترکہ ان عصبات میں باعتبارِ تعدادِ رؤوس اور ابدان کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا یعنی جتنے تعداد کے عصبہ ہیں ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ ایک ایک نفر کو وارث شمار کیا جائے گا۔ ان کے اصول کے موافق شمار نہیں کیا جائے گا مثلاً میّت کے ایک بھائی کا ایک بیٹا ہے اور دوسرے بھائی کے دس بیٹے ہیں تو اصول اور بڑوں کے لحاظ سے مالِ ترکہ کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کیا جائے گا بلکہ تمام عصبات (بھائی کے بیٹوں) کو الگ الگ فرد شمار کر کے مالِ ترکہ کے گیارہ حصے کر کے سب میں برابر تقسیم کیے جائیں گے۔[4]

## دفعہ 20: باپ معلوم نہ ہونے کی صورت میں آدمی ماں کی طرف منسوب ہو کر اس کا وارث بنے گا اور ماں کے رشتہ دار اس کے وارث بنیں گے۔[5]

**وضاحت:**

شریعتِ مطہرہ میں بچہ باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے اور حتی الوسع بچے کا نسب باپ سے ثابت کیا جاتا ہے تاکہ بہت سارے وہ مسائل جن کا تعلق باپ کے ساتھ ہے وہ حل ہو سکے لیکن اگر کسی شخص کا باپ معلوم نہیں ہے کہ وہ کس کے نطفے سے پیدا ہوا ہے تو ایسے آدمی کا نسب اپنی ماں (جس سے یہ پیدا ہوا ہے) سے ثابت ہو گا یہ اپنی ماں کا وارث بنے گا۔ ماں اور اس کے رشتہ دار اس بچے کے وارث بنیں گے جیسا کہ ولد الزنا یا جس عورت پر لعان کی صورت میں گناہ ثابت ہو جائے اور بیوی اور اس کے شوہر کے درمیان جدائی واقع ہو جائے اور اس کے بعد اس کا بچہ پیدا ہو جائے تو یہ ولد الزنا اور ولد الملاعنہ (لعان والا بچہ) اپنی ماں کی طرف منسوب ہوں گے۔ ماں سے ہی میراث پائیں گے اور ان کا میراث بھی ماں اور ان کے رشتہ داروں کو ملے گا کیونکہ ان کا باپ معلوم نہیں ہے تو ان کا تعلق اور نسب ماں سے ثابت ہو گا۔[6]

---

1 السراجی فی المیراث، ص:۵۵

2 جامع الترمذی، ۴:۴۱۲، حدیث:۲۰۹۴

3 الفتاویٰ الہندیۃ، ۶:۴۵۱

4 الاختیار لتعلیل المختار، ۵:۹۳

5 الفتاویٰ الہندیۃ، ۶:۴۵۲

6 الجوہرۃ النیرۃ، ۲:۳۰۸

## فصل دوم: کتاب الفرائض الباب الرابع تا الباب السادس کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ

### کتاب الفرائض: باب ۴: مُجَب کے بیان میں

**دفعہ 21: ایک شخص کا دوسرے شخص کی وجہ سے اپنے میراث کے کل یا بعض حصے سے محروم ہو جانا مُجَب کہلاتا ہے۔**[1]

**وضاحت:**

حجب کا لغوی معنٰی ہے روکنا۔ دربان کو بھی حاجب کہا جاتا ہے کیونکہ وہ لوگوں کو بادشاہ کے دربار میں آنے سے روکتا ہے۔ حجاب بمعنی پردہ۔[2]

**اصطلاحی تعریف:**

ایک وارث کا دوسرے وارث کی وجہ سے اپنے کل میراث سے یا اس کے بعض حصے سے محروم ہو جانا حجب کہلاتا ہے۔[3]

حجب دو قسم پر ہے:

۱: حجب نقصان ۲: حجب حرمان

۱: حجب نقصان:

ایک وارث کے حصے کا دوسرے وارث کی وجہ سے کم ہو جانا حجبِ نقصان کہلاتا ہے۔ یہ پانچ افراد میں جاری ہوتا ہے:

۱: شوہر ۲: بیوی ۳: ماں ۴: پوتی ۵: علاتی بہن

اولاد کی وجہ سے شوہر کو نصف کی بجائے چوتھائی حصہ ملتا ہے۔ اولاد کی وجہ سے بیوی کو چوتھائی کی بجائے آٹھواں حصہ ملتا ہے۔ ماں کو میّت کی اولاد یا متعدد بھائی بہنوں کی موجودگی میں تہائی کی بجائے چھٹا حصہ ملے گا۔ پوتی کو میّت کی صلبی بیٹی کی وجہ سے نصف کی بجائے چھٹا حصہ ملتا ہے۔ علاتی بہن کو حقیقی بہن کی وجہ سے نصف کی بجائے چھٹا حصہ ملتا ہے۔

۲: حجب حرمان:

ایک وارث کا دوسرے وارث کی موجودگی کی وجہ میراث سے بالکل محروم ہو جانا حجبِ حرمان کہلاتا ہے۔ ورثہ کا ایک گروہ ایسا ہے جن پر کبھی بھی حجبِ حرمان نہیں آتا اور یہ چھ افراد ہیں:

۱: بیٹا ۲: باپ ۳: شوہر ۴: بیٹی ۵: ماں ۶: بیوی

کیونکہ ان میں حجبِ حرمان کے اسباب (واسطہ اور بُعد عن المیّت) میں سے کوئی سبب نہیں پایا جاتا۔

حجب حرمان کے لیے دو اسباب ہیں:

۱: ذوالواسطہ، واسطہ کے ہوتے ہوئے محروم ہوتا ہے جیسے باپ کی موجودگی میں دادا کا محروم ہونا، بیٹے کی موجودگی میں پوتے کا محروم ہونا سوائے اولاد الام کے کہ یہ لوگ ماں کے ہوتے ہوئے بھی وارث ہوتے ہیں محروم نہیں ہوتے۔

---

1 الفتاوی الهندية، ۶: ۴۵۲

2 لسان العرب، ۱: ۲۹۸

3 السراجی فی المیراث، ص: ۶۵

۲: ابعد، (دور والا وارث) اقرب (قریب والے وارث) کی موجودگی میں محروم ہوتا ہے جیسے حقیقی کی موجودگی میں علاتی اور اخیافی محروم ہو جاتے ہیں۔[1]

**دفعہ 22: محجوب دوسروں کے لیے حاجب بن سکتا ہے جب کہ محروم دوسروں کے لیے حاجب نہیں بن سکتا۔**[2]

**وضاحت:**

محروم اس وارث کو کہتے ہیں جس میں مانعِ ارث صفت اس کے ذات میں موجود ہو اور استحقاقِ ارث کی اہلیت کو ختم کر دے جیسے کفر اور قتل جب کہ محجوب اس وارث کو کہتے ہیں جس میں مانعِ ارث صفت موجود نہ ہو بلکہ دوسرے وارث کی وجہ سے حجب ثابت ہو جاتا ہے جیسے باپ کی موجودگی سے دادا کا محروم ہو جانا۔

محجوب شخص دوسرے کے لیے بالاتفاق حاجب بن سکتا ہے مثلاً دو بھائی بہن، باپ کی وجہ سے خود محجوب ہو جاتے ہیں لیکن ماں کے لیے حاجب بھی ہوتے ہیں یعنی ان کے موجودگی کی وجہ سے ماں کو تہائی کی بجائے چھٹا حصہ ملتا ہے جب کہ احناف کے نزدیک محروم کسی کے لیے حاجب نہیں بن سکتا مثلاً کسی میّت کے ورثہ میں بیوی، اخیافی بہن اور کافر بیٹا ہو تو کافر بیٹا خود محروم ہے۔ وہ کالعدم سمجھا جائے گا اس کی وجہ سے نہ تو اخیافی بہن محجوب ہو گی اور نہ بیوی کو چوتھائی کی بجائے آٹھواں حصہ ملے گا کیونکہ محروم شخص آگے کسی اور شخص کے لیے حاجب نہیں بن سکتا۔ مسلمہ حنفیہؒ کی بیوی بوقتِ موت مسلمان شوہر، دو مسلمان اخیافی بہن بھائی اور ایک کافر بیٹا ورثہ چھوڑے۔ سیدنا علیؓ اور سیدنا زید بن ثابتؓ[3] نے شوہر کو نصف اور اخیافی بہن بھائی کو ثلث یعنی پورا حصہ دینے کا فیصلہ کیا اور کافر بیٹے کی وجہ سے نہ تو ان کے حصوں کو کم کیا اور نہ اخیافی بہن بھائی کو محروم کیا کیونکہ کافر بیٹا محروم ہے اور محروم حاجب نہیں بن سکتا۔[4]

جب کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعودؓ کے ہاں محروم وارث، حجبِ نقصان کے طور پر تو حاجب بن سکتا ہے حجبِ حرمان کے طور پر نہیں یعنی محروم کی موجودگی کی وجہ سے دوسرے وارث کا حصہ کم تو ہو جاتا ہے لیکن مکمل محروم نہیں ہوتا۔[5]

---

1 الشریفیۃ شرح سراجیۃ، ص:۴۸

2 الفتاوی الھندیۃ، ۶: ۴۵۳

3 زید بن ثابتؓ: (۱۱ق ھ–۴۵ھ) پورا نام زید بن ثابت بن ضحاک الانصاری الخزرجی ہے۔ غزوہ بدر میں کم عمری کی وجہ سے شریک نہ ہوئے۔ اس کے بعد سارے غزوات میں شریک رہے۔ کاتبین وحی میں سے تھے۔ فقہ، فرائض، قضاء اور قراءت میں ماہر تھے۔ ۶ سال کے تھے جب والد صاحب کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الصحابۃ، ۲:۵۳۷ تا ۵۴۰۔ الاعلام، ۳:۵۷)

4 الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص:۴۹

5 السراجی فی المیراث، ص:۲۵

## کتاب الفرائض: باب ۵: موانعِ ارث کے بیان میں

### دفعہ 23: چار صفات پائے جانے کی وجہ سے وارث میراث سے محروم ہو جاتا ہے:

**۱: غلامی** **۲: قتل** **۳: اختلافِ دین** **۴: اختلافِ ملک**[1]

**وضاحت:**

چند صفات ایسی ہیں جو وارث کی ذات میں پائی جائے تو وہ میراث سے محروم ہو جاتا ہے ان اوصاف کو علمِ میراث کی اصطلاح میں موانعِ ارث کہا جاتا ہے۔ ان صفات کے پائے جانے کی وجہ سے وارث سے اہلیتِ ارث ہی ختم ہو جاتا ہے جب کہ باب الحجب میں میراث سے محروم ہونے کے جو وجوہات بیان کیے جاتے ہیں ان کی وجہ سے آدمی میراث سے محروم ہو جاتا ہے لیکن اہلیت ارث ختم نہیں ہوتا۔

موانعِ ارث چار ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

**۱: غلامی:**

وارث میں اگر کسی طرح کی مملوکیت اور غلامی بھی موجود ہو تو وہ اپنے مورث کی میراث نہیں پا سکتا خواہ بالکل خالص غلام ہو یعنی اس میں آزادی کا کوئی امکان پیدا نہ ہوا ہو یا ایسا مملوک ہو جس میں آزادی کا سبب اور امکان پیدا ہوا ہو لیکن ابھی آزاد نہ ہوا ہو جیسے مدبر، مکاتب اور ام ولد، جس غلام کا بعض حصہ آزاد ہوا ہو لیکن پورا ابھی آزاد نہ ہو تو وہ بھی غلام کے حکم میں ہے۔ ان میں سے کسی کو بھی وراثت نہیں ملے گی۔ غلام کا میراث سے محروم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ غلام اپنے مال کا مالک نہیں ہوتا۔ اسے وراثت دینا گویا اس کے آقا کو وراثت دینا ہے اور آقا میّت کا رشتہ دار نہیں ہے لہذا غیر رشتہ دار کو وراثت دینا یا مالِ وراثت دینا باطل ہے۔[2]

**۲: قتل:**

اگر کسی وارث نے ناحق طور پر اپنے مورث کو قتل کیا تو یہ قاتل وارث اپنے مقتول مورث کا وارث نہیں ہو گا کیونکہ یہ خطرہ ہے کہ کوئی وارث جلدی میراث لینے کے لیے اپنے مورث کو قتل کر دے تو شریعت نے یہ دروازہ ہی بند کر دیا تاکہ کسی وارث کے ذہن میں اپنے مورث کو میراث کے لیے قتل کرنے کی بات ہی نہ آئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

"القاتل لا یرث"[3]

ترجمہ: قاتل وارث نہیں ہو گا۔

قتل کی پانچ قسمیں ہیں:

**۱: قتل عمد:** جان بوجھ کر ہتھیار سے یا ہتھیار کے قائم مقام چیز سے قتل کرنا، قتل کی اس قسم میں گناہ کے ساتھ قصاص واجب ہوتا ہے اور قاتل میراث سے بھی محروم ہوتا ہے اگر مقتول اس کا مورث ہو۔

---

1 الفتاوی الهندیة، ۶: ۴۵۳

2 البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۸: ۵۷۰

3 سنن الترمذی، ۴: ۴۲۵، حدیث: ۲۱۰۹

**۲: شبہ عمد:** جان بوجھ کر ایسی چیز سے مارنا جو نہ ہتھیار ہو اور نہ اس کے قائم مقام ہو، قتل کی اس قسم میں گناہ کے ساتھ کفارہ اور دیتِ مغلظہ واجب ہوتا ہے اور قاتل وراثت سے محروم ہو گا۔

**۳: قتلِ خطا:** کسی مسلمان کو شکار سمجھ کر مار ڈالنا یا نشانہ خطا ہو جانے پر کسی مسلمان کو لگ جانا

**۴: شبہِ خطا:** بے علمی میں اور بغیر ارادے قتل کا ہو جانا جیسے نیند میں کروٹ بدلتے وقت بچہ نیچے آیا اور مر گیا یا درخت یا چھت سے کسی کے اوپر گر گیا اور وہ مر گیا۔ قتل خطا کی ان دونوں قسموں میں کفارہ اور دیتِ خفیفہ لازم ہوتا ہے اور قاتل وراثت سے محروم ہو جاتا ہے اگر مقتول اس کا مورث ہو۔

**۵: قتل بالسبب:** غیر ارادی طور پر کسی کے قتل کے لیے سبب بن جانا، جیسے زمین میں کنواں کھودا یا پتھر رکھا اور مورث اس میں گر کر یا ٹکرا کر مر گیا اس قتل میں صرف عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے۔ کفارہ واجب نہیں ہوتا اور نہ ہی قاتل مقتول مورث کے میراث سے محروم ہو گا۔

خلاصہ یہ کہ جس قتل کی وجہ سے قصاص یا کفارہ واجب ہو اس کا قاتل میراث سے محروم ہو گا اور جس قتل کی وجہ سے نہ قصاص واجب ہوتا ہو اور نہ کفارہ تو ایسے قتل کی وجہ سے قاتل میراث سے محروم نہیں ہو گا۔[1]

نابالغ، مجنون، معتوہ کے قتل کی وجہ سے یہ لوگ میراث سے محروم نہیں ہوں گے کیونکہ یہ لوگ احکام کے مکلف نہیں ہیں لہذا ان کے قتل کا اعتبار نہیں ہو گا اور اس پر شرعی احکام جاری نہیں ہوں گے۔[2]

جو فعل قتل کے ارادے سے نہ ہو بلکہ اصلاح کے ارادے سے ہو اور وہ قتل کا باعث بن جائے تو اس کی وجہ سے بھی قاتل میراث سے محروم نہیں ہو گا جیسے کسی باپ نے اپنے بیٹے کا ختنہ کرایا یا پچھنا لگوایا، یا اس کی جراحی کرادی یا تادیب کے لیے اسے مارا اور وہ مر گیا تو باپ نہ ضامن ہو گا اور نہ اپنے بیٹے کے میراث سے محروم ہو گا۔[3]

### ۳: اختلافِ دین:

مسلمان، غیر مسلم کا اور غیر مسلم، مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

" لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم"[4]

ترجمہ: مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو گا اور کافر مسلمان کا۔

اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کرتا ہو (العیاذ باللہ) تو وہ بھی کافر شمار ہو گا خواہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کا انکار کرتا ہو یا نہ کرتا ہو لہذا یہودیت، نصرانیت، مجوسیت، ہندو دھرم وغیرہ سب کفر ہے۔[5]

قادیانی مسلمان کا وارث نہیں ہو گا اور مسلمان قادیانی کا وارث نہیں ہو گا کیونکہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے آخری نبی ہونے کا انکار کرنے کی وجہ سے قرآن کی آیت سے منکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

1 الهداية، ۴: ۴۴۲

2 الشريفية شرح السراجية، ص: ۱۲

3 المبسوط، ۳۰: ۴۸

4 صحيح البخاری، ۸: ۱۵۶، حدیث: ۶۷۶۴

5 الشريفية شرح السراجية، ص: ۱۵

"مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ"[1]

ترجمہ: محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

قرآن کریم کی ایک آیت سے انکار پورے قرآن سے انکار کے برابر ہے اور قرآن سے انکار کفر ہے۔

مسلمان، مرتد کا وارث ہو گا لیکن مرتد، مسلمان کا وارث نہیں ہو گا کیونکہ ارتداد بمنزلہ موت ہے تو جس طرح مسلمان اپنے رشتہ دار کا اس کے مرنے کے بعد وارث ہوتا ہے تو مرتد کے ارتداد کے بعد بھی اس کا وارث ہو گا اور مرتد کے اموال مسلمان ورثہ میں تقسیم کیے جائیں گے اور مردہ چونکہ زندہ کا وارث نہیں ہوتا اسی طرح مرتد بھی کسی مسلمان کا وارث نہیں ہو گا۔[2]

کفار آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اگرچہ وہ آپس میں اپنے مذہب کے اعتبار سے مختلف ہوں کیونکہ مشہور قول ہے:

"الْكُفْرُ مِلَّةٌ، وَالْإِسْلَامُ مِلَّةٌ"[3]

ترجمہ: کفر ایک دین ہے اور اسلام ایک دین ہے۔

اس لیے یہودی اپنے نصرانی رشتہ دار اور نصرانی اپنے یہودی رشتہ دار کے وارث ہوں گے۔

**۴: اختلافِ دار یا اختلافِ ملک:**

میراث سے محروم کرنے والی اس صفت کا تعلق صرف کفار کے ساتھ ہے۔ دو ملکوں کے رہنے والے کافروں کو ایک دوسرے کی وراثت نہیں ملے گی۔ مسلمان چاہے دنیا میں جہاں کہیں ہو ان کو اپنے مسلمان رشتہ دار کی میراث ملے گی۔ مسلمانوں کے درمیان میراث کے معاملے میں ملک کے مختلف ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔[4]

اختلافِ ملک کی دو قسمیں ہیں:

۱: حقیقی ۲: حکمی (شرعی)

**۱: اختلافِ ملک حقیقی:**

کافروں کی تین قسمیں ہیں:

**الف: حربی:** جو دار الحرب کا رہنے والا ہو۔

**ب: ذمی:** اس کافر کو کہتے ہیں جو جزیہ دے کر دار الاسلام میں رہتا ہو۔

**ج: مستأمن:** اس کافر کو کہتے ہیں جو دار الاسلام میں ویزا لے کر عارضی اقامت کے لیے آیا ہو۔

---

1 الاحزاب، ۳۳:۴۰

2 المواریث، ص ۴۴

3 المصنف عبد الرزاق، أبو بكر عبد الرزاق بن همام بن نافع الحميري اليماني الصنعاني (المتوفى: 211ھ)، ۶: ۱۳۰، حديث: ۱۰۲۳۴، المكتب الإسلامي، بيروت، س-ن

4 العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية، ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (المتوفى: 1252ھ)، ۲: ۳۱۹، دار المعرفة، بيروت، س-ن

حربی اور ذمی کے درمیان حقیقتاً ملک مختلف ہوتا ہے۔ اس لیے کہ حربی دار الحرب میں رہتا ہے اور ذمی دار الاسلام میں، لہذا دونوں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔

### ۲: اختلافِ ملک حکمی (شرعی):

مستامن اور ذمی بظاہر دونوں دارالاسلام میں رہتے ہیں لیکن حقیقت میں مستامن نے واپس دار الحرب جانا ہے۔ دار الاسلام میں اس کا قیام عارضی ہے لہذا دونوں کے ملک مختلف ہوئے۔ مستامن کا مالِ ترکہ دارالحرب میں رہنے والے اس کے ورثہ کو ملے گا اور ذمی کا ترکہ اس کے دار الاسلام میں رہنے والے ورثہ کو ملے گا۔ اگر ذمی کا کوئی وارث دار الاسلام میں نہیں ہے تو اس کا سارا ترکہ بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔ اگر بیت المال کا انتظام شرعی طریقے سے نہ چلتا ہو تو مصارفِ بیت المال یعنی فقرا و مساکین پر تقسیم کیا جائے گا۔[1]

حربی اور مستامن ایک دوسرے کے وارث بنیں گے کیونکہ دونوں کا ملک دار الحرب ہی ہوتا ہے۔ مستامن دار الاسلام میں عارضی طور پر آیا ہوتا ہے۔[2]

---

1 الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص:۱۶

2 طرازی شرح سراجی، مولانا اشتیاق احمد دربھنگوی، ص:۵۵، قدیمی کتب خانہ کراچی، س۔ن

**دفعہ 24: کافر باہم ایک دوسرے کے مسلمانوں کی ترتیبِ میراث پر وارث ہوں گے۔**[1]

**وضاحت:**

جس طرح مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں اسی طرح کفار بھی آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ اگرچہ ان کا مذہب آپس میں مختلف ہو کیونکہ تمام کفر ایک ہی ملت ہے لہذا یہودی، نصرانی، مجوسی اور ہندو وغیرہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث بنیں گے اور جن اسبابِ سببی اونسبی سے اہلِ اسلام باہم ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں انہی اسباب سے کفار بھی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور جو ترتیب تقسیمِ میراث کی تقدیم وتاخیر اور محروم کرنے کے لحاظ سے مسلمانوں کے ہاں ہوتی ہے وہی ترتیب کفار کے ہاں بھی ہوگی مثلاً ایک عورت مر گئی اور اس نے ورثہ میں سے دو چچازاد بھائی چھوڑے ان میں سے ایک اس عورت کا اخیافی (ماں شریک) بھائی یا اس کا شوہر ہے تو اس اخیافی بھائی یا شوہر کو اس کا ذوی الفروض والا حصہ پہلے ملے گا اور پھر باقی مال دونوں چچازاد بھائیوں میں نصفا نصف تقسیم ہوگا کیونکہ ذوی الفروض، عصبات پر مقدم ہوتے ہیں۔[2]

**دفعہ 25: کافر میں دو قرابتوں کے جمع ہونے کی صورت میں مجوب قرابت سببِ میراث نہیں ہوگی۔**[3]

**وضاحت:**

کافر لوگ عقدِ نکاح میں اپنے آپ کو شریعتِ اسلام کا پابند نہیں سمجھتے۔ بعض اوقات وہ ایسے رشتہ دار کے ساتھ نکاح کر لیتے ہیں جن کے ساتھ شریعتِ اسلام میں نکاح جائز نہیں ہوتی جیسے اپنی ماں، بہن اور بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا اور پھر جب اس نکاح سے اولاد پیدا ہو جائے تو یہ اولاد ایک لحاظ سے اپنے باپ کا بیٹا، بیٹی ہوتی ہے اور دوسرے لحاظ سے اپنے باپ کی اخیافی بہن (ماں کی بیٹی) یا پوتی (بیٹی کی بیٹی) ہوتی ہے۔ اسی طرح ماں کے لحاظ سے یہ اولاد ماں کا بیٹا، بیٹی بھی ہوگا اور دوسرے لحاظ سے یہ ماں کا پوتا پوتی (بیٹے کی اولاد) بھی ہوگی۔ ان حالات میں اگر اس باپ یا ماں کا انتقال ہو جائے تو جو قرابت دوسرے قرابت کے لیے حاجب بنتی ہے جیسا بیٹا، پوتے کے لیے حاجب ہے تو یہ حاجب بننے والی قرابت میراث کا سبب بنے گی اور مجوب قرابت میراث کا سبب نہیں بنے گی اور اگر کوئی بھی قرابت مجوب نہ بنتا ہو تو پھر دونوں قرابتوں کے لحاظ سے وارث کو میراث ملے گی مثلاً ایک مجوسی نے اپنی ماں سے نکاح کیا اور اس سے ایک بیٹا پیدا ہوا تو یہ بیٹا اس عورت کا بیٹا بھی ہے اور پوتا بھی کیونکہ اس کے بیٹے سے پیدا ہوا ہے۔ جب اس عورت کا انتقال ہو جائے تو یہ بیٹا اس لحاظ سے تو وارث ہوگا کہ اس کا بیٹا ہے اور اس لحاظ سے وارث نہ ہوگا کہ اس کا پوتا ہے کیونکہ بیٹا، پوتے کے لیے حاجب ہوتا ہے۔ حاجب کو میراث ملے گی مجوب کو نہیں۔ اگر لڑکی جنی تھی لڑکا نہیں تو یہ لڑکی اس کی بیٹی بھی ہے اور پوتی بھی۔ پس اس لڑکی کو اپنی ماں کے میراث سے کل دو تہائی حصہ ملے گا۔ نصف حصہ بوجہ بیٹی ہونے کے اور چھٹا حصہ بوجہ پوتی ہونے کے تاکہ دو تہائی حصہ پورا ہو جائے۔ پوتی چونکہ بیٹی کی وجہ سے مجوب نہیں ہوتی اس لیے دونوں قرابتوں کے لحاظ سے پوتی کو حصہ ملے گا اور اگر باپ کا انتقال ہو گیا تو بیٹی اپنے باپ کی وارث اس جہت سے تو ہوگی کہ اس کی بیٹی ہے لیکن اس جہت سے نہیں ہوگی کہ اس کی اخیافی بہن (ماں کی بیٹی) ہے

---

1 الفتاوی الهندية، ٦: ٤٥٤

2 البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ٧: ٣٥٩

3 الفتاوی الهندية، ٦: ٤٥٥

کیونکہ بیٹی کی وجہ سے اخیافی بہن محروم ہوتی ہے بیٹی والی قرابت حاجب ہے اخیافی بہن والی قرابت کے لیے، اس لیے بیٹی والی قرابت میراث کا سبب بنے گی اور اخیافی بہن والی قرابت میراث کا سبب نہیں بنے گی۔[1]

کافر نے اگر ایسی عورت سے نکاح کیا ہو جس سے نکاح کرنا ہمیشہ کے لیے حرام ہو جیسے ماں، بہن یا بیٹی تو یہ کافر شخص بوجہ نکاح کے اس کا وارث نہیں بنے گا یعنی بطور شوہر حصہ نہیں لے گا۔ دوسری قرابت کے لحاظ سے اپنا حصہ لے گا مثلاً کسی مجوسی نے اپنی ماں بہن یا بیٹی سے نکاح کیا تو نکاح کی وجہ سے بطورِ زوجیت میراث نہیں پائے گا البتہ بیٹا، بھائی یا باپ ہونے کی حیثیت سے میراث پائے گا۔[2]

## مرتد کے میراث کا بیان

### دفعہ 26: مرتد شخص نہ تو مسلمان کا وارث ہو گا اور نہ اپنے مثل دوسرے مرتد کا۔[3]

**وضاحت:**

مرتد اس شخص کو کہا جاتا ہے جو (نعوذ باللہ) دینِ اسلام سے پھر جائے ایسے شخص کو نہ تو کسی مسلمان کی وراثت ملے گی اور نہ ہی کسی مرتد کی کیونکہ مرتد کا کوئی مذہب نہیں ہے۔ اسلام کو چھوڑ کر اس نے جو مذہب اختیار کی ہے اس پر اس کو برقرار نہیں رہنے دیا جائے گا بلکہ یا تو مطمئن ہو کر دوبارہ دینِ اسلام کی طرف آئے گا یا اسے قتل کیا جائے گا[4] البتہ اگر کسی علاقے کے اکثر لوگ ایک ساتھ مرتد ہو جائے تو اس وقت وہ علاقہ دار الحرب قرار دیا جائے گا اور دار الحرب میں ایک حربی دوسرے حربی کا وارث ہوتا ہے اس لیے یہ مرتدین بھی آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ اگر میاں بیوی (نعوذ باللہ) مرتد ہو گئے اور پھر اس بیوی کا اس شوہر سے بچہ پیدا ہوا اور پھر وہ مرتد شخص مر گیا تو مرتد بیوی کو اس کی میراث نہیں ملے گی کیونکہ مرتد کسی کا بھی وارث نہیں بنتا اور بچہ اگر یومِ ارتداد سے چھ مہینے سے کم میں پیدا ہوا تو اسے میراث ملے گا کیونکہ چھ مہینے سے کم پیدا ہونے میں یہ بات یقینی ہے کہ یومِ ارتداد سے پہلے میاں بیوی کی حالت اسلام میں یہ بچہ ماں کے پیٹ میں موجود تھا تو ان کی حالتِ اسلام کے تابع ہو کر یہ بچہ بھی مسلمان شمار ہو گا اور والدین کے مرتد ہونے کی وجہ سے وہ مرتد نہیں ہو گا جب تک کہ دار الاسلام میں ہو کیونکہ دار الاسلام کے تابع ہو کر بچے پر ابتداءً اسلام کا حکم لگایا جاتا ہے تو بقاءً بھی یہی حکم ہو گا اور جب بچہ مسلمان ٹھہرا تو وہ وارث بن کر میراث لے گی اور اگر بچہ یومِ ارتداد سے چھ مہینے سے زیادہ میں پیدا ہوا تو اسے میراث نہیں ملے گی کیونکہ چھ مہینے سے زیادہ میں پیدا ہونے میں یہ بات یقینی نہیں ہے کہ یومِ ارتداد سے پہلے میاں بیوی کی حالتِ اسلام میں یہ بچہ ماں کے پیٹ میں موجود تھا لہٰذا یقینی طور پر اس بچہ کو والدین کے تابع شمار کر کے مسلمان نہیں کہا جا سکتا اور جب بچے کا مسلمان ہونا یقینی نہیں تو وہ میراث بھی نہیں لے گا۔[5]

---

1 تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ۶: ۲۴۰

2 البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۸: ۵۷۱

3 الفتاوی الهندیة، ۶: ۴۵۵

4 السراجی فی المیراث، ص: ۱۶۸

5 المبسوط، ۳۰: ۳۷

**دفعہ 27: مرتد کے حالتِ اسلام کی کمائی کے وارث مسلمان ورثہ ہوں گے اور حالتِ ارتداد کی کمائی بیت المال (سرکاری خزانہ) میں جمع کیا جائے گا۔[1]**

**وضاحت:**

وقتِ موت مرتد کے اموال تین قسم پر ہو سکتے ہیں:

۱: حالتِ اسلام میں کمایا ہوا مال

۲: حالتِ ارتداد میں دار الحرب جانے سے پہلے حاصل کردہ مال

۳: حالتِ ارتداد میں دار الحرب جانے کے بعد حاصل کردہ مال

اگر مرتد مر جائے یا قتل کیا جائے یا دار الحرب چلا جائے اور قاضی اس کے حربی ہونے کا فیصلہ کر دے تو حالتِ اسلام میں اس کے حاصل کردہ مال کو اس کے مسلمان ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا اور حالتِ ارتداد کی کمائی چاہے وہ دار الحرب جانے سے پہلے ہو یا دار الحرب جانے کے بعد ہو، کو بیت المال (سرکاری خزانہ) میں جمع کیا جائے گا۔[2]

مرتدہ عورت کے حالتِ اسلام اور حالتِ ارتداد کے تمام حاصل کردہ ہر قسم مال اس کے مسلمان ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا کیونکہ ہمارے ہاں مرتدہ کو قتل نہیں کیا جاتا بلکہ اسے قید میں رکھا جاتا ہے یہاں تک کہ یا تو اسلام قبول کرلے یا خود اپنی طبعی موت مر جائے۔[3]

---

1 الفتاوی الهندية، ۲:۴۵۵

2 البناية شرح الهداية، ۷:۲۷۴

3 اللباب شرح الكتاب، ۲:۸۰۳

## فصل سوم: کتاب الفرائض الباب السابع تا الباب التاسع کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ

### کتاب الفرائض: باب ۷: حمل کی میراث کے بیان میں

**دفعہ 28: مورث کی موت کے بعد دو سال تک زندہ پیدا ہونے والا حمل میراث کا حق دار ہو گا۔**

**یا**

**مورث کی موت کے بعد مورث کا حمل دو سال تک اور غیر مورث کا حمل چھ ماہ تک زندہ پیدا ہونے کی صورت میں میراث کا حق دار ہو گا۔**[1]

**وضاحت:**

حمل بھی میراث کا حق دار ہوتا ہے بہ شرط یہ کہ وہ زندہ پیدا ہو مرا ہوا بچہ پیدا ہو گا تو اسے میراث نہیں ملے گی اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ مورث کی موت کے وقت یقیناً پیٹ میں ہو اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ اکثر مدتِ حمل میں پیدا ہو۔[2] اس لیے اگر مورث کی موت کے بعد دو سال کے اندر بچہ پیدا ہو تو وہ وارث ہو گا۔ اس کے بعد پیدا ہو گا تو وہ وارث نہیں ہو گا کیونکہ اس صورت میں بوقتِ موت بچہ کا پیٹ میں ہونا یقینی نہیں۔

لہٰذا اگر حمل میّت کا ہو یعنی شوہر کی وفات کے وقت اس کی بیوی حاملہ ہو اور دو سال میں بچہ پیدا ہو بہ شرط یہ کہ عورت نے عدت ختم ہونے کا اقرار نہ کیا ہو (کیونکہ حاملہ متوفی عنھازوجھا کی عدت ولادتِ حمل سے ختم ہوتی ہے جب وہ عدت ختم ہونے کا اقرار کرلے تو یہ موجودہ حمل شوہر سے نہیں ہو گا کیونکہ عدت ختم ہونے کا اقرار اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ شوہر کا حمل باقی نہ ہو لہٰذا اس حمل کو میراث بھی نہیں ملے گی۔) تو بچہ وارث بھی ہو گا اور مورث بھی یعنی بچہ زندہ پیدا ہو تو اسے اپنے باپ کی میراث ملے گی اور زندہ پیدا ہو کر مر جائے تو اس کا حصہ میراث اس کے ورثہ کو ملے گا اور اگر حمل غیر میّت کا ہو مثلاً ایک شخص مرا اور اس کی ماں اس کے باپ کے علاوہ دوسرے شوہر سے حاملہ ہے یا میّت کی بہو (بیٹے کی بیوی) حمل سے ہو تو اگر میّت کی موت کے بعد چھ ماہ کے اندر بچہ پیدا ہوا تو وہ وارث ہو گا۔ اس کے بعد پیدا ہوا تو وہ وارث نہیں ہو گا کیونکہ میّت کی اپنے حمل میں اس کی موت کے وقت استقرارِ حمل کا یقین ہے لیکن غیر میّت کے حمل میں یہ بات یقینی نہیں ممکن ہے میّت کی وفات کے بعد استقرارِ حمل ہوا ہو، اس لیے صرف شک کی بنا پر اسے وارث قرار نہیں دیا جائے گا الاّ یہ کہ ورثہ خود اس حمل کے بارے میں اقرار کرلے کہ میّت کی موت کے وقت یہ حمل موجود تھا۔ پھر اگرچہ چھ ماہ کے بعد پیدا ہوا ہو، وارث بنے گا۔[3]

حمل کے وارث بننے کے لیے اس کا زندہ پیدا ہونا شرط ہے۔ اس لیے اگر بچہ اکثر حصہ نکلنے تک زندہ ہو پھر مر جائے تو وہ میراث کا حق دار ہو گا اور اگر اس سے پہلے مر جائے یا پیدا ہی مردہ ہو تو وہ وارث نہیں ہو گا اور اس کی علامت یہ ہے کہ اگر بچہ ترتیب

---

1 الفتاوی الهندیة، ۶:۴۵۶

2 العنایة شرح الهدایة، ۴:۳۶۲

3 السراجی فی المیراث، ص:۱۵۷

سے پیدا ہو یعنی سر پہلے نکلے تو پورا سینہ نکلنا اکثر حصہ کی ولادت شمار ہو گی اور اگر بچہ الٹا پیدا ہو یعنی پاؤں پہلے نکلے تو ناپ تک نکلنے پر اکثر حصہ کی ولادت مانی جائے گی۔ حمل کے زندہ ہونے کی علامت اس کا چیخنا، چھینکنا، رونا، ہنسنا یا کسی عضو کو حرکت دینا ہے۔[1]

**دفعہ 29: حمل کا وارثانِ موجودہ کو محجوب نہ کرتے وقت تقسیمِ میراث کے وقت ایک لڑکے یا لڑکی کا جتنا حصہ اس حمل کے لیے روک دیا جائے گا۔[2]**

**وضاحت:**

عورت قریب الولادت ہو تو بہتر یہ ہے کہ تقسیمِ ترکہ کو ولادت تک مؤخر کیا جائے تا کہ تقسیم میں کوئی پریشانی پیش نہ آئے اور قریب الولادت ہونے کا مدار عرف پر ہے بعض فقہانے ایک ماہ سے کم کو قریب اور اس سے زیادہ کو بعید کہا ہے اور اگر ولادت میں ابھی دیر ہو تو ترکہ تقسیم کر دینا چاہیے۔ تقسیمِ ترکہ میں بلا ضرورت تاخیر کرنا مناسب نہیں ہے۔

حمل پیدا ہونے کے بعد وارثانِ موجودہ کے لحاظ سے اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، یا تو حمل تمام وارثانِ موجودہ کو حجبِ حرمان (مکمل محروم کرنا) کے ساتھ محروم کرے گا جیسے میّت کے بھائی بھتیجے، چچا، چچازاد بھائی ورثہ ہو، اس صورت میں تمام ترکہ کو موقوف رکھا جائے گا۔ یہاں تک کہ عورت مذکورہ حمل کو جنے کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ پیدا ہونے والا بچہ لڑکا ہو تو وہ فقط خود ہی وارث ہو گا اور باقی یہ سب ورثہ محروم ہو جائیں گے اور اگر بعض وارثانِ موجودہ کو محروم کرتا ہو اور بعض کو نہیں تو صرف محروم ہونے والے وارث کا حصہ موقوف کیا جائے گا اور باقی کو دیا جائے گا جیسے ورثہ میں بھائی اور جدہ ہو تو بھائی کا بیٹے کی وجہ سے محروم ہونے کا احتمال ہے لیکن جدہ محروم نہیں لہذا جدہ کو اپنا چھٹا حصہ دیا جائے گا اور بھائی کا حصہ روکا جائے گا اور اگر پیدا ہونے والا حمل وارثانِ موجودہ کو حجبِ نقصان کے ساتھ محروم کرتے ہو تو ورثہ کو کم حصہ دیا جائے گا اور باقی موقوف رکھا جائے گا مثلاً شوہر کا انتقال ہوا اور بیوی حاملہ ہے تو بیوی کا حصہ اولاد کی موجودگی میں آٹھواں ہے اور اولاد کی غیر موجودگی میں چوتھائی ہے تو بیوی کو آٹھواں حصہ دیا جائے گا اور باقی موقوف رکھا جائے گا اور اگر یہ حمل مذکور کسی بھی وارث مذکور کو محجوب نہ کرتا ہو اور نہ ان کے ساتھ شریک ہوتا ہو جیسے ورثہ میں جد اور جدہ ہو تو ان کو ان کا حصہ دیا جائے گا اور باقی ترکہ موقوف رکھا جائے گا اور اگر وارثانِ موجودہ کو محجوب نہ کرتا ہو لیکن ان کے ساتھ شریک ہوتا ہو مثلاً میّت نے بیٹے یا بیٹیاں چھوڑی اور حمل چھوڑا تو ایک لڑکے یا ایک لڑکی کا حصہ یعنی زیادہ والا حصہ حمل کے لیے موقوف رکھا جائے گا کیونکہ عموماً ایک حمل سے ایک ہی بچہ پیدا ہوتا ہے اور ورثہ سے ضامن لیا جائے گا کہ اگر بچے زیادہ پیدا ہوئے تو وہ ماخوذ ترکہ میں سے زائد بچوں کا حصہ واپس کریں گے۔[3]

**حمل کی توریث کا طریقہ:**

حمل کی توریث کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے دو مسئلے بنائے جائیں ایک حمل کو مذکر فرض کر کے اور دوسرا حمل کو مؤنث فرض کر کے، حمل کو مذکر فرض کرنے کی صورت میں حمل کو چار بیٹوں کے برابر فرض کر کے پھر ہر بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر فرض کریں گے اور پھر دونوں مسئلوں کے مخرج میں نسبت دیکھیں گے اگر توافق کی نسبت ہو تو ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں ضرب

---

1 البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ۸: ۵۷۴

2 الفتاوى الهندية، ۶: ۴۵۶

3 الاختيار لتعليل المختار، ۵: ۱۱۴

دیں گے اور اگر تباین کی نسبت ہو تو ایک کے کل کو دوسرے کے کل میں ضرب دیا جائے گا۔ حاصلِ ضرب دونوں مسئلوں کی تصحیح ہو گی۔ پھر تصحیح سے ہر گروہ کا حصہ نکالنے کے لیے پہلے مسئلہ کے سہام کو دوسرے مسئلے کے وفق یا کل میں ضرب دیں گے اور دوسرے مسئلے کے سہام کو پہلے مسئلے کے وفق یا کل میں ضرب دیں گے۔ ہر فریق کا تصحیح سے حصہ نکل آئے گا اور حمل کی توریث کا ضابطہ یہ ہے کہ موجود ورثہ کو کم حصہ دیا جاتا ہے اور حمل کے لیے زیادہ حصہ روکا جاتا ہے لہذا تمام ممکنہ صورتوں میں سے جس صورت میں ورثہ کو کم حصہ مل رہا ہو وہ ان کو دیا جائے اور باقی محفوظ کر لیا جائے گا۔ حمل پیدا ہونے کے بعد جب لڑکا، لڑکی کی پیدائش یقینی ہو جائے تو اسی کے مطابق موقوفہ حصوں کو تقسیم کیا جائے گا۔ حمل کا حصہ دینے کے بعد اگر موقوفہ حصے بچ جائے تو وہ باقی ورثہ کو واپس لوٹائے جائیں گے۔ اسی طرح بچہ مردہ پیدا ہونے کی صورت میں بھی موقوفہ حصے باقی ورثہ کو ان کے حصوں کے بقدر واپس کیے جائیں گے۔[1]

**دفعہ 30: کسی کی تعدی سے مرا ہوا حمل میراث سے محروم نہیں ہو گا۔**[2]

**وضاحت:**

حمل کے وارث بننے یا مورث بننے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ زندہ پیدا ہو اگر کوئی حمل مردہ حالت میں پیدا ہوا تو وہ نہ وارث ہو گا اور نہ مورث، البتہ اگر کوئی حمل کسی کی تعدی اور زیادتی کی وجہ سے مردہ حالت میں پیدا ہوا تو وہ وارث بنے گا مثلاً عورتِ حاملہ کے پیٹ میں کسی آدمی نے اس طرح ضرب لگائی کہ جس سے اس کا حمل ساقط ہو گیا تو یہ حمل وارث بنے گا کیونکہ شریعتِ مطہرہ میں اس جنایت کرنے والے پر غرّہ دیت (باندی یا غلام) واجب کیا گیا ہے اور ضمان کا واجب ہونا تب ہوتا ہے کہ جب زندہ پر جنایت کرے۔ مردہ پر جنایت کرنے سے ضمان واجب نہیں ہوتا۔ اس لیے جب اس کے زندہ ہونے کا حکم دیا گیا تو اسے میراث ملے گی اور اس کے مردہ ہونے کی وجہ سے اس کا حصۂ میراث اس کے وارثوں کو مل جائے گا جیسا کہ اس کی جان کا بدلہ یعنی غرّہ دیت اس کے وارثوں کے لیے اس کی میراث ہوتی ہے۔[3]

---

1 طرازی شرح السراجی، ص ۲۷۶

2 الفتاوی الهندية، ۶: ۴۵۶

3 الدر المختار، ۶: ۷۶۷

**دفعہ 31: مفقود (گم شدہ) شخص اپنے مال کے حق میں زندہ اور غیر کے مال کے حق میں مردہ اعتبار کیا جائے گا۔**[1]

**وضاحت:**

مفقود اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی گم شدہ، اصطلاح میں مفقود ایسے آدمی کو کہا جاتا ہے جو اپنی جگہ سے غائب ہو گیا ہو اور اس کے موت وحیات کا کچھ علم نہ ہو۔[2]

وراثت میں مفقود کی دو حیثیتیں ہیں:

الف: اپنے مال کے لحاظ سے زندہ سمجھا جائے گا۔ کوئی دوسرا اس کا وارث نہیں بن سکے گا۔

ب: دوسرے کے مال کے لحاظ سے مردہ سمجھا جائے گا اور کسی کا وارث نہ بن سکے گا۔

مفقود اپنے مال کا چونکہ پہلے سے مالک ہے اس لیے استصحابِ حال کے طور پر اس کی ملکیت باقی رہے گی۔ بطورِ وارث دوسرے شخص کی ملکیت ثابت نہیں کی جائے گی کیونکہ اس کا موت ابھی یقینی نہیں ہے اور غیر کا مال چونکہ اس کا اپنا نہیں ہے۔ اس میں ملکیت ثابت کرنے کے لیے قوی اور یقینی دلیل کی ضرورت ہو گی۔ استصحابِ حال (پہلے زندہ ہونا) نئی ملکیت ثابت کرنے کے لیے دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ پہلے سے یقینی طور پر ثابت شدہ چیز، شک کی وجہ سے ختم نہیں کی جاسکتی اور غیر ثابت شدہ چیز کو شک کے ذریعے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔[3]

جب تک مفقود کی موت کا یقینی علم نہ ہو یعنی جب تک اتنا زمانہ نہ گزرے جس میں تقریباً اس کے ہم عمر لوگ دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں جس کی مقدار فقہانے نوے (۹۰) سال مقرر کیا ہے اور قاضی یا جماعت مسلمین اس کی موت کا فیصلہ سنادے اس وقت تک مفقود کا مال موقوف رکھا جائے گا۔ قاضی بذاتِ خود یا کسی محافظ کے ذریعے اس کی حفاظت کرے گا اور اس مال میں سے مفقود کے والدین، بیوی، بچوں اور دیگر ضروریات جن کا خرچہ مفقود پر لازم ہو، پر خرچ کرے گا۔ خراب یا ضائع ہونے کی صورت میں یا ان مذکورہ خرچوں کی ادائیگی کے لیے مفقود کے مالِ منقولہ کو فروخت کرے گا۔ مالِ غیر منقولہ زمین وغیرہ کو فروخت کرنا جائز نہیں۔[4]

مفقود کے غائب ہونے کی حالت میں اگر کسی ایسے رشتہ دار کا انتقال ہو جائے جس کا مفقود بھی وارث ہو رہا ہو تو مفقود کا حصہ روکا جائے گا۔ بعد میں اگر مفقود واپس آجائے تو اپنا حصہ وصول کرلے گا۔ ورنہ اس حصہ کو دوبارہ مورث کے ورثہ کے درمیان ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ اگر مفقود حکماً وفات پا جائے یعنی نوے سال گزر جائے تو اس کے سارے اموال اس کے مستحق ورثہ میں تقسیم کر دیئے جائیں گے جو وارث مفقود کی موت کے فیصلے کے وقت موجود ہو گا اسی کو ملے گا۔ اس سے پہلے وفات پا جانے والوں کو اس کے مال میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اس لیے کہ اس وقت مفقود حکماً زندہ تھا اور زندہ شخص کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔[5]

**مفقود کو وراثت دینے کا طریقہ:**

---

1 الفتاوی الهندیة، ٦:٤٥٧

2 بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ٦:١٩٦

3 نفس مصدر

4 تحفة الفقهاء، ٣:٣٥٠

5 الشریفیة شرح السراجیة، ص:١٣٨

حمل کے مسئلے کی طرح مفقود کے مسئلے کی بھی دو مرتبہ تصحیح کی جائے گی۔ایک دفعہ مفقود کو زندہ فرض کرکے اور پھر مردہ فرض کرکے مسئلے کی تصحیح کی جائے گی۔دونوں مسئلوں کے درمیان نسبت دیکھی جائے گی۔اگر توافق کی نسبت ہو تو ایک مسئلے کے وفق کو دوسرے مسئلے کے کل میں ضرب دیں گے اور اگر تباین کی نسبت ہو تو ایک مسئلے کے کل کو دوسرے مسئلے کے کل میں ضرب دیا جائے گا۔پہلے مسئلے کے ورثہ کے حصوں کو دوسرے مسئلے کے مضروب (وفق یا کل) میں ضرب دیا جائے گا اور دوسرے مسئلے کے ورثہ کے حصوں کو پہلے مسئلہ کے مضروب (وفق یا کل) میں ضرب دیا جائے گا۔پھر دونوں مسئلوں میں ہر وارث کے حصے کو دیکھا جائے گا جو حصہ کم ہو گا۔وہ اس وارث کو دیا جائے گا اور جو زائد ہو گا وہ جب تک مفقود کی موت کا فیصلہ نہ آئے،موقوف رکھا جائے گا۔

مثلاً ایک عورت نے اپنے انتقال کے بعد شوہر،دو بہنیں اور ایک مفقود بھائی چھوڑا۔مذکورہ اصول کے مطابق صورتِ مسئلہ اس طرح ہو گی۔

**پہلا مسئلہ:**

مفقود کو زندہ تصور کرتے ہوئے۔

| میّت:56=7x8=4x2 | | | |
|---|---|---|---|
| شوہر | بہن | بہن | مفقود بھائی(زندہ) |
| نصف(1) | عصبہ 4x(1) | | |
| 4=1x4<br>7x4= 28 | 1<br>1x7 = 7 | 1<br>1x7 = 7 | 2<br>2x7 = 14 |

**دوسرا مسئلہ:**

مفقود کو مردہ تصور کرتے ہوئے۔

میّت:6۔۔عول۔۔56=8x7

| شوہر | بہن | بہن | مفقود بھائی(مردہ) |
|---|---|---|---|
| نصف | دو تہائی | | |
| 3<br>3x8= 24 | 4<br>4x8 = 32 | | |
| 24 | 16 | 16 | |

**کم حصوں والے ورثہ:**

میّت:56

| شوہر | بہن | بہن | کل حصے |
|---|---|---|---|

| | | | |
|---|---|---|---|
| 38 | 7 | 7 | 24 |
| موقوف حصے | 9 | 9 | 4 |

مفقود کو زندہ فرض کر کے بھی مسئلہ حل کریں گے اور مردہ فرض کر کے بھی مسئلہ حل کریں گے۔ دونوں صورتوں میں مسئلہ ۵۶ سے بن جائے گا۔ ورثہ کو چونکہ کم حصہ دینا ہے لہذا شوہر کو دوسرے مسئلے میں کم حصہ ۲۴ ملا ہے وہ اسے دیں گے۔ اور فرق چار کو روک دیا۔ جب کہ بہنوں کو پہلے مسئلہ میں سات (۷) کم ملا ہے وہ انہیں دے دیا۔ دوسرے مسئلے کے ساتھ تفاوت (فرق) نو (۹) کو روک دیا۔ پس ۵۶ میں سے ۳۸ حصص ورثہ کو دیئے اور ۱۸ حصص محفوظ رکھے۔

اب اگر مفقود زندہ آجائے تو زندہ مفقود والے مسئلے کے مطابق شوہر کو ۴ حصے واپس دیئے جائیں گے تاکہ اس کا حصہ نصف مکمل ہو جائے۔ ۱۸ موقوف حصص میں سے چار شوہر کو دیں گے تو ۱۴ باقی بچے وہ مفقود بھائی کو دیئے جائیں گے تاکہ اسے مؤنث کے سات حصوں سے دگنا چودہ حصے مل جائے اور اگر بعد میں ظاہر ہو کہ مفقوف مر چکا ہے تو مردہ مفقود والے مسئلہ کے مطابق شوہر اپنے چوبیس حصے اصول کر چکا ہے۔ بہنوں کو کم حصے دیئے تھے لہذا موقوفہ اٹھارہ حصے بہنوں کو دے دیں گے۔ سات حصے ان کو پہلے مل چکے ہیں۔ کل سولہ، سولہ حصے مردہ مفقود والے مسئلہ کے مطابق بہنوں کو مل جائیں گے۔

کافروں کے قید کیے ہوئے مسلمان قیدی نے اگر اپنا دین نہ چھوڑا ہو تو وہ میراث میں مثل دیگر مسلمانوں کے ہے۔ اگر اس نے اپنا دین چھوڑا ہو تو اس کا حکم مثل مرتد کے ہے اور اگر نہ اس کا مرتد ہونا معلوم ہو اور نہ اسلام پر برقرار رہنا معلوم ہو اور نہ اس کی موت اور زندگی کا علم ہو تو اس کا حکم مثل مفقود کے ہوگا۔[1]

## دفعہ 32: چند رشتہ داروں کا ایک ساتھ کسی حادثے میں مر جانے کی صورت میں ان کی میراث ان کے دیگر زندہ ورثہ میں تقسیم کی جائے گی۔[2]

**وضاحت:**

تقسیم وراثت کے لیے مورث کی موت کا وقت معلوم ہونا اور ورثہ کا اس کی موت کے وقت زندہ حالت میں موجود ہونا ضروری ہوتا ہے اگر چند رشتہ دار کسی حادثہ میں ایک ساتھ مر جائے۔ مثلاً جل کر یا دب کر یا ڈھوب کر مر جائے اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کون سا رشتہ دار پہلے مرا ہے اور کون سا بعد میں یعنی مورث اور وارث کی تعیین نہ ہو سکے تو ایسا قرار دیا جائے گا کہ گویا وہ سب ایک ساتھ ہی مرے ہیں۔ پس ان میں سے کوئی بھی آپس میں دوسرے کا وارث نہ ہوگا بلکہ ان میں سے ہر ایک کا مال دوسرے زندہ ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا۔

موت میں اگر ایک لمحہ کی تقدیم و تاخیر کا بھی علم ہو سکے تو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ پہلے مرنے والا مورث اور بعد میں مرنے والا اس کا وارث شمار کیا جائے گا مثلاً باپ (زید) اور بیٹا (بکر) ایک ساتھ دب کر مر گئے۔ باپ نے اپنی بیوی، بیٹی اور پوتا (عمر) باپ کے ساتھ ڈھوبنے والے کا بیٹا چھوڑا اور لڑکے بکر نے اپنی بیوی، ماں اور لڑکا عمر چھوڑ دیا، تو باپ اور بیٹے کا ترکہ الگ الگ مسئلوں میں تقسیم

---

1 الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص: ۱۳۹

2 الفتاوی الھندیۃ، ۶: ۴۵۸

کر کے ان کے زندہ ورثہ کو دے دیا جائے گا اور باپ اور بیٹا چونکہ ایک ساتھ مر گئے ہیں کسی کی موت کے مقدم ہونے کا علم نہیں لہذا باپ کو بیٹے اور بیٹے کو باپ کی وراثت نہیں ملے گی۔[1]

1 الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص:۱۴۳

**دفعہ 33: خنثیٰ، مرد و عورت کی صفات میں سے جس کی طرف زیادہ مائل ہو اسی کے حکم میں ہو گا۔**[1]

**وضاحت:**

خنثیٰ اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے ذکر و فرج دونوں ہو یا دونوں میں سے کوئی نہ ہو۔ مذکر اور مؤنث ہونا انسان کی دو متضاد صفات ہیں۔ پیدائش کے بعد اگر بچہ ذَکَر سے پیشاب کرتا ہو تو مرد شمار ہو گا اور اگر فرج سے کرے تو عورت شمار ہو گی اور دوسری شرم گاہ کو عضوِ زائد سمجھا جائے گا۔

سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ[2]، رسول اللہ ﷺ سے ارشاد نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک ایسے بچے کی وراثت کے بارے میں پوچھا گیا جس کے ذکر و فرج دونوں تھے کہ اسے مذکر کی میراث دی جائے گی یا مؤنث کی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" يُوَرَّثُ مِنْ حَيْثُ يَبُولُ"[3]

ترجمہ: "خنثیٰ کو پیشاب کرنے والے عضو اعتبار سے میراث دیا جائے گا"، یعنی اگر ذَکَر سے پیشاب کرتا ہے تو مرد کی میراث اور اگر فرج سے کرتا ہے تو عورت کی میراث دی جائے گی اور اگر دونوں اعضا سے پیشاب آتا ہو تو جس عضو سے پہلے پیشاب نکلتا ہو اسی کا اعتبار ہو گا۔

اگر دونوں اعضا سے بیک وقت پیشاب نکلتا ہو تو بلوغ تک خنثیٰ مشکل کہلائے گا اور بلوغ کے بعد اگر مردوں کی طرح خواب میں عورتوں سے مباشرت کر کے احتلام ہوتا ہو یا ڈاڑھی نکل آئے یا عورتوں سے جماع پر قادر ہو یا مردوں کی طرح ہموار چھاتیاں ہوں تو مرد شمار ہو گا۔ اگر عورتوں کی طرح پستان ابھر آئے یا پستان میں دودھ اترے یا حیض آنے لگے یا فرج سے اس کے ساتھ جماع کیا جانا ممکن ہو یا حاملہ ہو جائے تو مؤنث سمجھا جائے گا۔ اگر ان علامات میں سے کوئی ظاہر نہ ہو یا یہ علامتیں باہم معارض ہو جائے کہ کوئی علامت مردوں کی پائی جارہی ہے اور کوئی عورتوں کی تو وہ خنثیٰ مشکل ہو گا۔

آج کل جو معروف مخنّث اور ہیجڑے بازاروں میں پھرتے ہیں اور بتکلف زنانہ لباس پہن کر زنانہ حرکات اختیار کر کے عورت بنتے ہیں وہ میراث کے احکام میں مرد کے حکم میں ہے کیونکہ یہ لوگ اصطلاحی خنثیٰ نہیں ہیں۔ ان پر خنثیٰ کی تعریف صادق نہیں آرہی ہیں۔[4]

**دفعہ 34: خنثیٰ مشکل کے میراث کا مسئلہ مرد و عورت دونوں لحاظ سے حل کر کے کم تر کے والا حصہ اسے دیا جائے گا۔**[1]

---

1 الفتاوی الہندیۃ، ۶: ۵۵۹

2 عبد اللہ بن عباسؓ: پورا نام عبد اللہ بن عباس بن مطلب قرشی ہاشمی ہے۔ ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے۔ آپ کو ترجمان القرآن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ عمرؓ آپ کے تفقہ کے قائل ہونے کی وجہ سے آپ کو کبار صحابہؓ کے ساتھ شامل کرتے۔ آپ کی کل مرویات ۱۶۶۰ ہیں۔ ۶۸ ھ کو وفات پائی۔ (الاستیعاب، ۳: ۹۳۳؛ الاعلام، ۴: ۹۵)

3 السنن الكبرى، أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي (المتوفى: 458هـ)، ۶: ۴۲۸، حديث: ۱۲۵۱۸ دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان، الطبعة: الثالثة، 1424 هـ – 2003ء

4 شرح السیر الکبیر، ۱: ۳۳۳

**وضاحت:**

جو خنثیٰ نہ مردوں کی طرف مائل ہو اور نہ عورتوں کی طرف مائل ہو اسے خنثیٰ مشکل کہا جاتا ہے۔ اس کی توریث کا طریقہ یہ ہے کہ ترکہ دو مرتبہ تقسیم کیا جائے گا۔ ایک مرتبہ خنثیٰ کو مذکر فرض کر کے اور دوسری بار مؤنث فرض کر کے، جس صورت میں خنثیٰ کو ترکہ کم مل رہا ہو تقسیم ترکہ کے لیے وہی صورت اختیار کی جائے گی کیونکہ کم حصہ یقینی ہے اور زیادہ والے حصے میں شک ہے لہذا یقینی حصہ دیا جائے گا اور اگر کسی صورت میں خنثیٰ محروم ہو رہا ہو تو اسے محروم کیا جائے گا۔ بعض صورتوں میں مؤنث کو مذکر سے کم حصہ ملتا ہے مثلاً ایک شخص نے وفات کے وقت ایک لڑکا ایک لڑکی اور ایک خنثیٰ مشکل وارث چھوڑے تو مسئلہ کی تخریج مذکورہ اصول کے مطابق دو مرتبہ کی جائے گی۔ ایک دفعہ مذکر فرض کر کے اور دوسری دفعہ مؤنث فرض کر کے۔ مذکر فرض کرنے کی صورت میں مسئلہ چار سے بنے گا، بیٹے کو دو حصے، بیٹی کو ایک اور خنثیٰ مشکل کو بھی ایک حصہ ملے گا جب کہ مؤنث فرض کرنے کی صورت میں مسئلہ پانچ سے بنے گا۔ دو حصے بیٹے کو ایک حصہ بیٹی کو اور دو حصے خنثیٰ مشکل کو ملیں گے۔ مؤنث فرض کرنے کی صورت میں چونکہ خنثیٰ کو کم ترکہ یعنی ایک حصہ ملتا ہے لہذا یہی ایک حصہ دیا جائے گا کیونکہ یہ یقینی ہے۔

بعض صورتوں میں مذکر اور مؤنث کو برابر حصہ ملتا ہے مثلاً ایک عورت نے انتقال کے وقت شوہر ایک اخیافی بھائی اور ایک اخیافی خنثیٰ مشکل چھوڑا تو خنثیٰ مشکل کو مذکر اور مؤنث دونوں فرض کرنے کی صورت میں ایک جتنا حصہ ملتا ہے کیونکہ اخیافی اولاد میں مذکر اور مؤنث کو برابر حصہ ملتا ہے لہذا اسے اخیافی بھائی کے برابر حصہ دیا جائے گا۔ ترکہ کا نصف حصہ شوہر کو ملے گا اور تہائی حصہ اخیافی بھائی اور اخیافی خنثیٰ مشکل کے درمیان برابر تقسیم ہو گا۔

بعض صورتوں میں مؤنث کو مذکر سے زیادہ حصہ ملتا ہے مثلاً ایک عورت نے انتقال کے بعد شوہر، ماں، اخیافی بہن اور علاتی خنثیٰ مشکل کو بطورِ ورثہ چھوڑا۔ خنثیٰ مشکل کو مذکورہ اصول کے مطابق ایک دفعہ مؤنث اور ایک دفعہ مذکر فرض کر کے مسئلہ حل کیا۔

خنثیٰ مشکل کو مؤنث فرض کرنے کی صورت میں مسئلہ چھ سے بنا۔ شوہر کو نصف یعنی تین حصے، ماں کو سدس یعنی ایک حصہ، اخیافی بہن کو سدس یعنی ایک حصہ اور خنثیٰ مشکل علاتی بہن کو بھی مذکورہ مخرج کا نصف یعنی تین حصے دے دیئے چونکہ ورثہ کے حصے مخرج سے بڑھ رہے ہیں اس لیے بذریعہ عول مخرج کو چھ سے بڑھا کر آٹھ کر دیا۔ اس مسئلہ میں خنثیٰ مشکل کو آٹھ میں سے تین حصے مل گئے۔

دوسرے مسئلے میں خنثیٰ مشکل کو مذکر فرض کر کے مسئلہ چھ سے بنایا۔ شوہر کو نصف یعنی تین حصے، ماں کو سدس یعنی ایک حصہ، اخیافی بہن کو سدس یعنی ایک حصہ اور خنثیٰ مشکل علاتی بھائی کو بطور عصبہ ایک حصہ دیا۔ اس مسئلہ میں خنثیٰ مشکل کو چھ میں سے ایک حصہ ملا۔ یہ ایسی صورت ہے جس میں خنثیٰ مشکل مؤنث کو تین حصے، خنثیٰ مشکل مذکر سے زیادہ حصہ ملتا ہے لہذا اس صورت میں خنثیٰ مشکل کو کم حصہ یعنی مذکر والا حصہ دیا جائے گا۔

بعض صورتوں میں خنثیٰ مشکل محروم بھی ہوتا ہے ایسی صورت میں اسے میراث سے محروم کیا جائے گا۔ مثلاً کسی عورت نے ورثہ میں شوہر، بہن اور خنثیٰ مشکل علاتی چھوڑ دیا۔

---

1 الفتاوى الهندية، ٦: ٤٥٩

اصولِ مذکورہ کے مطابق خنثیٰ کو مؤنث فرض کرنے کی صورت میں مسئلہ چھ سے بنے گا۔ شوہر کو نصف یعنی تین حصے، بہن کو بھی نصف یعنی تین حصے اور خنثیٰ علاتی بہن کو تکملۃ للثلثین کے طور پر چھٹا حصہ یعنی ایک حصہ دیا جائے گا۔ ورثہ کے حصے مخرج پر زیادہ ہو رہے تھے اس لیے بطورِ عول مخرج کو چھ سے بڑھا کر سات کر دیا۔ دوسری صورت میں خنثیٰ کو مذکر فرض کر کے مسئلہ دو سے بنے گا شوہر کو نصف یعنی ایک حصہ اور بہن کو بھی نصف یعنی ایک حصہ دیا جائے گا اور خنثیٰ علاتی بھائی عصبہ بن گیا۔ عصبہ کو ذوی الفروض سے بچا ہوا حصہ ملتا ہے جب کہ یہاں پر شوہر اور بہن نے نصف، نصف کے حساب سے کل ترکہ وصول کر لیا اور باقی کچھ بھی نہیں بچا لہٰذا خنثیٰ علاتی بھائی محروم ہو جائے گا۔ اس مسئلے میں اسی مذکر والی صورت کو اختیار کر کے خنثیٰ مشکل کو میراث سے محروم کیا جائے گا۔

**خلاصہ باب**

باب چہارم میں فتاوٰی عالمگیری کے کتاب الفرائض بابِ اول تا بابِ نہم کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ یہ باب تین فصول پر مشتمل ہے۔

فصل اول میں باب اول تا بابِ سوم کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ بابِ اول میں علم الفرائض کی تعریف اور ترکہ کے متعلقات کا بیان ہے۔ اس باب میں کل دفعات ۴ ہیں۔ بابِ دوم میں اصحاب الفروض اور ان کے احوال کا بیان ہے۔ اس باب میں کل دفعات ۱۲ ہیں۔ بابِ سوم میں عصبات کی تعریف اور ان کے اقسام کا بیان ہے۔ اس باب میں کل دفعات چار ہیں اور باپ کے احوال میں ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

فصلِ دوم میں فتاویٰ عالمگیری کے کتاب الفرائض کے بابِ چہارم تا باب ششم کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ بابِ چہارم میں حجب اور اس کے اقسام کا بیان ہے۔ اس باب میں کل دفعات دو ہیں۔ بابِ پنجم میں موانع ارث کا بیان ہے اور یہ باب صرف ایک دفعہ پر مشتمل ہے۔ بابِ ششم میں میراثِ اہلِ کفر وغیرہ کا بیان ہے۔ اس باب میں کل دفعات چار ہیں۔

فصلِ سوم میں فتاویٰ عالمگیری کے بابِ ہفتم تا بابِ نہم کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ بابِ ہفتم میں حمل کے میراث کا بیان ہے۔ اس باب میں کل تین دفعات ہیں۔ بابِ ہشتم میں گم شدہ شخص، قیدی، ڈوب کر، جل کر اور دب کر ایک ساتھ مرنے والوں کے میراث کا بیان ہے۔ اس باب میں دفعات دو ہیں۔ بابِ نہم میں خنثٰی کے میراث کا بیان ہے۔ یہ باب کل دو دفعات پر مشتمل ہے۔

مقالہ ہٰذا کا بابِ چہارم کل ۳۴ دفعات پر مشتمل ہے ۔

## باب پنجم: فتاویٰ عالمگیری کے کتاب الفرائض الباب العاشر تا الباب الثامن عشر کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ

- **فصل اول:** کتاب الفرائض الباب العاشر تا الباب الرابع العشرۃ کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ
- **فصل دوم:** کتاب الفرائض الباب الخامس عشر تا الباب الثامن عشر کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ
- **فصل سوم:** میراث الحفید کا شرعی حکم اور ملکی قانون کے ساتھ تقابلی جائزہ

خلاصۂ باب

**فصل اول:** کتاب الفرائض الباب العاشر تا الباب الرابع العشرۃ کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ

## کتاب الفرائض: باب ۱۰: ذوی الارحام کے بیان میں

**دفعہ 35: ذوی الفروض اور عصبات کے علاوہ میّت کے قریبی نسبی رشتہ دار، ذوی الارحام کہلاتے ہیں۔**[1]

**وضاحت:**

ارحام، رَحِمٌ کی جمع ہے بمعنی بچہ دانی، رشتہ داری۔ میراث کی اصطلاح میں ذوی الارحام میّت کے ان رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے جو نہ ذوی الفروض میں سے ہو اور نہ عصبات میں سے ہو جیسے پھوپھی، خالہ، ماموں، بھانجا اور نواسہ۔

ذوی الفروض اور عصبات کی عدمِ موجودگی میں ذوی الارحام کو ترکہ ملے گا۔[2]

**تقابل:**

شریعتِ مطہرہ کے مطابق پاکستانی قانون میں بھی دور کے رشتہ دار ذوی الارحام صرف اس وقت وراثت کے حقدار ہوتے ہیں جب کہ کوئی ذوی الفروض یا عصبات موجود نہ ہوں۔ ورنہ وہ مکمل طور پر وراثت سے خارج کر دیئے جائیں گے۔ ۱۹۹۰ء کے ماہانہ قانونی فیصلوں کے رپورٹ میں یہ فیصلہ مذکور ہے کہ جب کوئی حنفی محمدی انتقال کر جاتا ہے اور اپنے پیچھے خاوند یا بیوی چھوڑ جاتا ہے اور اس کا کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو خاوند یا بیوی جیسی بھی صورت ہو وہ اپنا پورا حصہ حاصل کرے گی اور باقی ماندہ ذوی الارحام میں تقسیم ہو جائے گا۔[3]

**دفعہ 36: ذوی الارحام کی اقسام میں وراثت کے لیے سب سے مقدم پہلی قسم، پھر دوسری قسم، پھر تیسری اور پھر چوتھی قسم ہے۔**[4]

**وضاحت:**

میراث کے استحقاق کے لحاظ سے عصبات کی طرح ذوی الارحام کی بھی چار اقسام ہیں:

**پہلی قسم:**

وہ ذوی الارحام جو میّت کی طرف منسوب ہوتے ہیں جیسے میّت کی مؤنث اولاد کی اولاد مثلاً بیٹی کی مذکر اور مؤنث اولاد (نواسہ اور نواسی نیچے تک) یا پوتی کی مذکر و مؤنث اولاد۔

**دوسری قسم:**

ایسے ذوی الارحام جن کی طرف میّت منسوب ہوتی ہو جیسے جد فاسد (نانا اور نانا کا باپ اوپر تک) اور جدہ فاسدہ (نانا کی ماں، نانا کی ماں کی ماں وغیرہ)۔

---

1 الفتاوی الهندیة، ٦: ٤٥٨

2 الشریفیة شرح السراجیة، ص: ٩٦؛ المواریث، ص: ١٧٨

3 1990 MLD, Page # 725 ; PLD 2004, SC 768

4 الفتاوی الهندیة، ٦: ٤٥٩

## تیسری قسم:

وہ ذوی الارحام جو میّت کے والدین کی طرف منسوب ہوتے ہیں جیسے ہر قسم کی بہن کی مذکر و مؤنث اولاد (بھانجا، بھانجی) اور ہر قسم کے بھائی کی بیٹیاں (بھتیجیاں اور بھتیجیوں کی مؤنث اولاد) اور اخیافی بھائیوں کے بیٹے یا ان کی اولاد۔

## چوتھی قسم:

وہ ذوی الارحام جو میّت کے دادا یا دادی کی طرف منسوب ہوتے ہیں جیسے باپ کی ہر قسم کی بہنیں (پھوپھیاں اور پھوپھیوں کی اولاد نیچے تک)، باپ کے اخیافی بھائی (اخیافی چچا اور ان کی اولاد، ماں کے ہر قسم بھائی (ماموں اور ان کی اولاد)، ماں کی ہر قسم بہنیں (خالائیں اور ان کی اولاد)۔[1]

ذوی الفروض اور عصباتِ نسبی و سببی کی عدمِ موجودگی میں یا ان سے ترکہ بچ جانے کی صورت میں میراث کے حق دار ذوی الارحام ہوں گے اور ذوی الارحام میں سے میراث کے استحقاق کے اعتبار سے پہلی قسم مقدم ہے پھر دوسری پھر تیسری اور پھر چوتھی قسم یعنی قسم اول کے موجود ہوتے ہوئے باقی اقسام محروم ہوں گے۔ قسمِ اول کے ذوی الارحام اگر چہ کتنے ہی نیچے پشت میں ہو جب تک وہ موجود ہوں گے قسم ثانی میں سے کوئی وارث نہ ہو گا اگر چہ وہ کتنا ہی میّت کے نزدیک پشت میں ہو۔ پھر قسمِ دوم کے موجود ہوتے ہوئے قسم سوم اور قسم چہارم محروم ہوں گے اسی طرح قسمِ سوم کے موجود ہوتے ہوئے قسم چہارم محروم ہوں گے لہذا بیٹی کی بیٹی (نواسی) اگر چہ کئی پشت نیچے ہو وہ میّت کی ماں کے باپ (نانا) سے مقدم ہو گی کیونکہ وہ ذوی الارحام کی قسمِ اول میں سے ہے۔[2]

**دفعہ 37: ذوی الارحام کی پہلی قسم میں میراث کے زیادہ حق دار میّت سے اقرب اور پھر وارث کی اولاد ہو گی۔ قربِ درجہ اور قوتِ قرابت ایک جیسے ہونے کی صورت میں اصول اگر تذکیر و تانیث میں متفق ہو تو تقسیمِ ترکہ میں فروع کے بدنوں کا اعتبار ہو گا اور اگر اصول مختلف ہو تو اصول میں تقسیمِ ترکہ کر کے ان کا ترکہ فروع کو دیا جائے گا۔**[3]

**وضاحت:**

ذوی الارحام کی پہلی قسم بیٹی، پوتی، پڑپوتی (نیچے تک) اور ان کی مذکر و مؤنث اولاد ہے۔ جب کہ بیٹا، پوتا اور ان کی مذکر اولاد عصبہ ہیں۔ ذوی الارحام کی یہی پہلی قسم ذوی الارحام کی میراث میں سب سے زیادہ حق دار ہے۔ اس قسم کی توریث کے لیے اصول درج ذیل ہیں:

اگر میّت کے بیٹیوں اور پوتیوں کی اولاد میں سے صرف ایک فرد موجود ہو تو وہی ایک فرد سارے ترکہ کو لے لے گا کیونکہ اس کا کوئی مزاحم موجود نہیں ہے[4] اور اگر میّت کی بیٹیوں اور پوتیوں کی اولاد متعدّد ہو بعض میّت سے رشتہ میں دوسرے بعض سے قریب ہو تو قریب والی اولاد وارث ہو جائے گی اور دور والی محروم ہو جائے گی یعنی الاقرب فالاقرب والا قانون جاری ہو گا جیسے کسی

---

1 السراجی فی المیراث، ص:۱۱۷
2 الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص:۹۹
3 الفتاوی الھندیۃ، ۶:۴۵۹
4 البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۶:۵۷۸

میّت کے انتقال کے بعد اس کی نواسی (بیٹی کی بیٹی) اور پوتی کی بیٹی زندہ ہو تو نواسی وارث ہو گی اور پوتی کی بیٹی محروم ہو گی کیونکہ نواسی ایک درجہ میّت کے قریب ہے پوتی کی بیٹی سے۔[1]

اگر ساری اولاد درجہ میں برابر ہو قریب اور دور نہ ہو لیکن بعض وارث (ذوی الفروض) کی اولاد ہو اور بعض ذوی الارحام کی تو وارث کی اولاد میراث کے مستحق ہو گی اور ذوی الارحام کی اولاد میراث سے محروم ہو جائے گی۔ اسے قوتِ قرابت کہا جاتا ہے جیسے کسی میّت کے انتقال کے بعد اس کی پوتی کی بیٹی زندہ ہو اور نواسی کا بیٹا زندہ ہو تو پوتی کی بیٹی وارث ہو گی اور نواسی کا بیٹا نہیں کیونکہ پوتی وارث (ذوی الفروض) ہے اور نواسی ذوی الارحام میں سے ہے۔[2]

اگر سب اولاد میّت کے ساتھ واسطے میں برابر ہو یعنی سب ایک جیسے درجے کی اولاد ہو اور قوتِ قرابت میں بھی کوئی فرق نہ ہو یعنی کوئی وارث اور کوئی ذوی الارحام کی اولاد نہ ہو بلکہ سب کسی وارث کی اولاد ہو یا سب کسی ذوی الارحام کی اولاد ہو تو اصل مدار اصول (والدین) کی تذکیر و تانیث پر ہو گا اگر اصول تذکیر و تانیث میں متفق ہوں یعنی سب والدین مذکر ہو یا سب مؤنث ہو تو ایسی حالت میں فروع کے ابدان کے اعتبار سے میراث تقسیم ہو گی یعنی فروع میں مذکر و مؤنث کو دیکھ کر مذکر فرع کو مؤنث فرع سے دوگنا حصہ دیا جائے گا اور اگر اصول تذکیر و تانیث میں مختلف ہو یعنی کوئی اصل مذکر ہو اور کوئی مؤنث تو ایسی حالت میں اصول کے اعتبار سے میراث تقسیم ہو گی یعنی اصول میں مذکر مؤنث کو دیکھ کر مذکر اصل کو مؤنث اصل سے دوگنا حصہ دیا جائے گا اور پھر وہی اصول والا حصہ ان کے فروع (اولاد) کی طرف منتقل ہو گا۔[3]

یہ امام محمدؒ کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جب کہ امام ابو یوسفؒ کے ہاں ہر حال میں فروع کے ابدان کا اعتبار ہو گا اور فروع کی تذکیر و تانیث کے اعتبار سے میراث تقسیم کی جائے گی۔ اصول چاہے تذکیر و تانیث میں متفق ہو یا مختلف ہو[4] جیسے نواسہ (بیٹی کا بیٹا) اور نواسی (بیٹی کی بیٹی) ہو تو نواسے کو نواسی سے دگنا حصہ دیا جائے گا یعنی فروع میں ان کے ابدان کے لحاظ سے مذکر و مؤنث کے حصے کے فرق کے ساتھ میراث تقسیم کی جائے گی کیونکہ اصول تذکیر و تانیث کی صفت میں متفق ہیں یعنی دونوں کے اصول مؤنث (بیٹی) ہے اور اگر نواسے کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا رہ گیا ہو تو چونکہ اصول تذکیر و تانیث میں مختلف ہیں۔ ایک اصل نواسہ مذکر ہے اور دوسرا اصل نواسی مؤنث ہے اس لیے ترکہ پہلے اصول میں تذکیر و تانیث کے فرق کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے گا اور پھر وہی حصے فروع کی طرف منتقل ہوں گے لہٰذا نواسی کو ایک حصہ اور نواسے کو دو حصے للذکر مثل حظ الانثیین کی وجہ سے دیئے جائیں گے اور پھر یہی اصول والے حصے فروع کی طرف منتقل ہوں گے یعنی نواسی کا ایک حصہ اس کے بیٹے کو اور نواسے کے دو حصے اس کی بیٹی کو مل جائیں گے۔ یہ امام محمدؒ کے ہاں ہے جب کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فروع کے ابدان کا اعتبار ہو گا۔ مذکر فرع نواسی کے بیٹے کو دو حصے اور مؤنث فرع (نواسے کے بیٹی) کو ایک حصہ مل جائے گا۔[5]

---

1 تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ۶: ۲۴۲

2 السراجی فی المیراث، ص: ۱۲۱

3 تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ۶: ۲۴۳

4 البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۸: ۵۶۹

5 الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص: ۱۰۱

**دفعہ 38: ذوی الارحام کے کئی ایسے بطون جن کے فروع اور رشتہ میں تعدّدِ نہ ہو اور اصولوں میں ذکورت اور انوثت کا اختلاف ہو تو ترکہ اولا پہلے اختلافی بطن میں تقسیم ہو گا اور پھر ان سے فروع کی طرف منتقل ہو گا۔[1]**

**وضاحت:**

میّت سے لے کر فروع تک اصول کا ہر واسطہ الگ الگ بطن کہلاتا ہے۔ ذوی الارحام کے اگر کئی بطون ہو یعنی ایسے رشتہ دار ہوں جو متعدّدِ اصولوں (واسطوں) سے میّت کے ساتھ مل رہے ہو اور وہ اصول آپس میں تذکیر و تانیث کے لحاظ سے مختلف ہوں اور فروع ورشتہ میں تعدّدِ نہ ہو یعنی اصل کی ایک ہی نوع ہو اور ایک ہی رشتہ سے ہو تو ترکہ اولاً پہلے اختلافی بطن میں تقسیم کیا جائے گا۔ مذکر کو مؤنث کا دگنا حصہ دیا جائے گا پھر مذکر و مؤنث کے الگ الگ گروپ بنا کر ہر گروپ کے حصے جمع کیے جائیں گے۔ مجموعی حصص نیچے کے بطون میں تذکیر و تانیث کی صفت کے لحاظ سے تقسیم کیے جائیں گے۔ یوں ترکہ تقسیم ہوتا ہوا نیچے فروع تک آئے گا البتہ جس بطن میں مذکر و مؤنث کا فرق نہ ہو سب مؤنث ہو یا سب مذکر، تو اس بطن کو نظر انداز کیا جائے گا اور اس میں ترکہ تقسیم نہیں ہو گا۔ اگر کسی جگہ کسر آرہا ہو یعنی سہام، رؤوس پر پورے تقسیم نہ ہوتے ہوں تو تصحیح کے قواعد سے مسئلہ کی تصحیح کر کے مخرج اور سہام کو بڑھایا جائے گا[2] مثلاً عمر کے وارث پانچ ذوی الارحام ہیں۔ ان میں سے دو عمر کے دو بیٹوں کی مؤنث اولاد کی اولاد ہے اور تین وارث عمر کے تین بیٹیوں کی اولاد کی اولاد ہے۔

میّت 105/21/7

| بنت | بنت | | بنت | ابن | | ابن |
|---|---|---|---|---|---|---|
| بنت | بنت | 3 | بنت | بنت | 4 | بنت |
| بنت | ابن | 9 | ابن | بنت | 12 | ابن |
| 9 | 18 | 45 | 18 | 4 | 60 | 8 |
| | | | | 20 | | 40 |

مذکورہ مسئلہ میں ذوی الارحام کے تین بطون ہیں۔ اصول میں تذکیر و تانیث کا اختلاف پایا جارہا ہے فروع اور رشتہ میں تعدّدِ موجود نہیں ہے لہذا مذکورہ اصول کے مطابق ترکہ اولا پہلے اختلافی بطن میں تقسیم کیا۔ ورثا کے رؤوس کی تعداد کے مطابق مسئلہ ۷ سے بنا۔ ہر بیٹے کو دو اور بیٹی کو ایک حصہ دیا۔ بیٹوں کو گروپ بنا کر ان کے حصوں کو جمع کیا تو چار آیا اور بیٹیوں کے حصوں کو جمع کیا تو تین آیا۔ دوسرے بطن میں چونکہ تذکیر و تانیث کا اختلاف نہیں ہے۔ سب بیٹیاں ہیں لہذا اس بطن کو کالعدم شمار کیا۔ اس میں کوئی حصہ تقسیم نہیں کی تیسرے بطن میں مذکر گروپ کے نیچے ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔ مذکر گروپ کے چار حصے ان پر پورے تقسیم نہیں ہو رہے ہیں کیونکہ ان کے رؤوس کی تعداد تین بن رہی ہے لہذا ان کے رؤوس کی تعداد تین سے مسئلہ کی تصحیح کی اصل مخرج اور تمام حصوں کو تین میں ضرب دیا۔ اصل مسئلہ کا مخرج ۲۱ کیا۔ مذکر گروپ کے حصے ۱۲ جب کہ مؤنث گروپ کے حصے نو ہو گئے۔ مذکر

---

1 الفتاوی الهندیة، ۶: ۴۵۹

2 تبیین الحقائق، ۶: ۲۴۳

گروپ کے ۱۲ حصوں کو تیسرے بطن میں بیٹا اور بیٹی پر ایک نسبت دو سے تقسیم کرکے بیٹے کو آٹھ حصے اور بیٹی کو چار حصے دے دیئے۔ بیٹیوں کے گروپ کے نو حصے بھی تیسرے بطن میں ان کے نیچے موجود دو بیٹوں اور ایک بیٹی پر پورے تقسیم نہیں ہو رہے ہیں کیونکہ ان کے رؤوس کی تعداد پانچ بن رہی ہے لہذا ان کے رؤوس کی تعداد پانچ کو اصل مخرج اور تمام حصوں میں ضرب دے کر مسئلے کی تصحیح کر دی۔ مسئلہ ۱۰۵ سے بنا۔ مذکر گروپ کے حصے بھی بڑھ جائیں گے اور بیٹیوں کے گروپ کے حصے ۴۵ ہو جائیں گے جن میں ایک نسبت دو کی رو سے دونوں بیٹوں میں سے ہر بیٹے کو ۱۸ حصے اور بیٹی کو ۹ حصے مل جائیں گے۔[1]

**دفعہ 39: ذوی الارحام کے مختلف بطون میں تذکیر و تانیث کے اختلاف کے ساتھ ساتھ اگر فروع اور رشتہ میں بھی تعدّد ہو تو اختلافی بطن میں ترکہ کے وقت اس تعدّد کا اعتبار کیا جائے گا۔**[2]

**وضاحت:**

اگر ذوی الارحام کے کئی بطون ہو اور ان میں مذکر، مؤنث کے اختلاف کے ساتھ ساتھ فروع اور رشتہ میں بھی تعدّد ہو یعنی کسی اصل کے متعدّد فروع (اولاد) ہو یا کسی فرع کا رشتہ متعدّد اصول سے ہو تو تقسیم ترکہ کے وقت اس فروع کے تعدّد اور رشتہ کے تعدّد کا بھی لحاظ رکھا جائے گا یعنی جس اصل کے فرع میں تعدّد ہو یا جس فرع کا رشتہ متعدّد اصول سے جڑا ہوا ہو تو اس اصل کے تمام فروع کو متعدّد فرض کر کے ترکہ تقسیم کیا جائے گا یعنی اصل کی تعداد فرع کے تعدّد اور عدمِ تعدّد کے اعتبار سے متعین کی جائے گی۔[3]

**متعدّد فروع کی مثال:**

ایک شخص نے مرنے کے بعد نواسی کے دو نواسے اور نواسی کی ایک پوتی اور نواسے کی دو نواسیاں چھوڑ دیں تو امام محمدؒ کے نزدیک (جو کہ مفتی بہ قول ہے) ترکہ سب سے پہلے والے اختلافی بطن (دوسرے بطن) میں ان کے اصول میں فروع کے تعدّد کا لحاظ کرتے ہوئے سات حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

پہلے بطن میں اختلاف نہ ہونے کی وجہ سے اسے نظر انداز کر دیا۔ پہلی بیٹی کے فرع میں دو بیٹے ہیں لہذا اس کے اوپر تمام اصلوں کو دو دو فرض کیا۔ دوسری بیٹی کے فروع میں تعدّد نہیں لہذا اسے ایک ہی شمار کیا جائے گا اور تیسری بیٹی کے فروع میں دو بیٹیاں یعنی تعدّد ہے لہذا اس تعدّد کا اعتبار اس کے اوپر کے اصلوں میں کر کے دو دو فرض کیے جائیں گے۔ دوسرے اختلافی بطن میں ایک نمبر بیٹی کو دو فرض کیا اور نمبر دو کی ایک ہی بیٹی ہے کل تین بیٹیاں ہوئی اور دوسرے بطن میں تیسرا بیٹا ہے۔ اس کے فروع میں تعدّد کی وجہ سے یہ بیٹا دو بیٹوں کا قائم مقام ہے اور دو بیٹے چار بیٹیوں کے قائم مقام ہوتے ہیں لہذا دوسرے بطن میں رؤوس کی کل تعداد سات ہوئی۔ سات سے مسئلہ بنایا۔ دوسرے بطن کے بیٹے کو چار حصے (کیونکہ وہ چار بیٹیوں کے قائم مقام فرض کیا گیا ہے) اور تینوں بیٹیوں کو مشترکہ طور پر تین حصے دیئے۔ پھر بیٹیوں کا الگ گروپ بنایا اور بیٹے کا الگ، بیٹیوں کا مشترکہ حصہ (تین) تیسرے بطن میں موجود ان کے فروع ایک بیٹی اور ایک بیٹے کو دیا۔ رؤوس کی تعداد تعدّدِ فروع کی وجہ سے چار اور سہام تین ہیں جو کہ پورے تقسیم نہیں ہو رہے ہیں۔ تباین کی نسبت کی وجہ سے کل عددِ رؤوس چار کو اصل مسئلہ (سات) اور تمام سہام میں ضرب دیا۔ اصل مسئلے کا مخرج اٹھائیس ہو

---

1 طرازی شرح سراجی، ص:۲۲۷

2 الفتاوی الهندية، ٦: ٤٥٩

3 تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ٦: ٢٤٣

گیا۔ بیٹیوں کا مشترکہ حصہ بارہ ہو گیا اور بیٹے کا حصہ سولہ ہو گیا۔ بیٹیوں کے مشترکہ حصے بارہ میں سے آدھا یعنی چھ حصے تیسرے بطن کی بیٹی کو اور آدھا یعنی چھ حصے بیٹے کو دیئے۔ بیٹی کے چھ حصے چوتھے بطن کے دو بیٹوں میں آدھا آدھا تقسیم کر کے تین تین حصے دیئے اور بطنِ سوم کے بیٹے کے چھ حصے چوتھے بطن میں موجود اس کی بیٹی کو دیئے۔ بطنِ دوم میں موجود بیٹے کے سولہ حصے اس کے بطنِ سوم کی بیٹی کے واسطے اس کے بطنِ چہارم کے دونوں بیٹیوں میں آدھا آدھا تقسیم کر کے آٹھ آٹھ حصے دیئے۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف بطنِ چہارم کے فروع میں باعتبار ابدان ورؤوس ترکہ تقسیم ہو گا۔ اصلوں کا اعتبار نہیں ہو گا۔ بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر فرض کر کے مسئلہ ساتھ سے بنا کر دونوں بیٹوں کو دو دو اور ہر بیٹی کو ایک ایک حصہ مل جائے گا۔

امام ابو یوسفؒ کا قول اگرچہ آسان ہے لیکن مفتی بہ نہیں ہے۔ اس لیے تقسیمِ ترکہ امام محمدؒ کے قول کے مطابق ہی کی جائے گی۔[1]

**تعدّدِ رشتہ کی مثال:**

تعدّدِ رشتہ یعنی کسی فرع کا رشتہ متعدّدِ اصول سے ہوں تو اس صورت میں بھی تقسیمِ ترکہ کے وقت اصل میں اس تعدّدِ کا اعتبار اصلوں کو دگنا فرض کر کے کیا جائے گا۔ مثلاً عمر کی تین بیٹیاں تھیں۔ پہلی بیٹی کا ایک بیٹا تھا اور دوسری بیٹی کی ایک بیٹی تھی ان خالہ زاد بہن بھائی کا نکاح ہوا اور ان سے دو بیٹیاں پیدا ہوئیں اور تیسری بیٹی کی ایک بیٹی تھی، اس کا ایک بیٹا موجود ہے۔

پہلے بطن میں اختلاف نہ ہونے کی وجہ سے اسے نظر انداز کر دیا۔ بطنِ سوم کی دو بیٹیوں میں تعدّدِ رشتہ کی صفت پائی جا رہی ہے یعنی متعدّدِ اصول کے ساتھ دونوں جڑے ہوئے ہیں اس لیے اس تعدّدِ رشتہ کا اعتبار اوپر اصول یعنی زوجین میں بھی کیا جائے گا اور ان میں سے ہر ایک کو ڈبل فرض کر کے ابن کو دو ابن فرض کیا اور بیٹی کو دو بیٹی فرض کیا اور پھر دو ابن چار بیٹیوں کے قائم مقام ہوتے ہیں لہٰذا کل چھ بیٹیاں ہوئیں اور بطنِ دوم میں ایک بیٹی (تیسرے بیٹی کی بیٹی) مزید بھی موجود ہے لہٰذا کل سات بیٹیاں ہوئیں۔ سات سے مسئلہ بنا۔ چار حصے بطنِ دوم کے بیٹے کو دیئے اور تین حصے مشترکہ طور پر دونوں بیٹیوں کو دیئے۔ پھر دوسرے بطن والے حصے تیسرے بطن میں منتقل کیے۔ بطنِ سوم کی دو بیٹیوں کو ان کے والد کا حصہ چار دیا۔ کوئی کسر واقع نہیں ہوئی لیکن دو بیٹیوں کا مشترکہ حصہ (تین) ان کی فرع (دو بیٹی اور ایک بیٹا) پر پورا پورا تقسیم نہیں ہو رہا تھا۔ اس لیے مسئلے کی تصحیح کی۔ ابن دو بنت کے قائم مقام ہے اور دو بیٹیاں ہیں لہٰذا بطنِ سوم میں کل چار بیٹیاں ہوئیں۔ عددِ رؤوس چار کو مضروب بنا کر اصل مسئلہ اور تمام حصوں میں اسے ضرب دیا۔ مسئلہ ۲۸ سے بن جائے گا۔ بطنِ دوم کے بیٹے کے چار حصے سولہ ہو جائیں گے اور یہی سولہ حصے نیچے اس کے فروع (دو بیٹیوں) کی طرف منتقل ہو جائیں گے اور بطنِ دوم کے دو بیٹیوں کے تین حصے تصحیح کی وجہ سے بارہ ہو جائیں گے۔ بارہ میں سے چھ حصے تیسرے بطن والے دو بیٹیوں کو اور چھ حصے بیٹے کو منتقل ہو جائیں گے۔ خلاصہ یہ کہ بطنِ سوم کے دونوں بیٹیوں کے کل حصے بائیس ہو جائیں گے۔ سولہ حصے ان کے والد کی طرف سے ان کو ملے اور چھ حصے والدہ کی طرف سے۔ جب کہ بطنِ سوم کے بیٹے کو چھ حصے اس کی والدہ والا حصہ ملے گا۔ یہ طریقۂ توریث امام محمدؒ کے نزدیک ہے اور یہی مفتی بہ ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے ہاں صرف بطنِ سوم میں ترکہ تقسیم کریں گے۔ تعدّدِ رشتہ کا صرف فروع میں اعتبار کیا جائے گا اصول میں نہیں۔ بطنِ سوم دو بیٹیوں کو دو دو بیٹیاں فرض کریں گے کیونکہ ان کا رشتہ دو اصلوں سے ہے اور بیٹا بھی دو بیٹیوں کے قائم مقام

1 البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۸: ۵۷۹

ہو تا ہے لہذا کل رؤوس چھ ہو گئے۔ مسئلہ چھ سے بن جائے گا۔ دو دو حصے بیٹیوں کو اور دو حصے بیٹے کو دیئے جائیں گے لیکن یہ مفتی بہ قول نہیں ہے۔[1]

## دفعہ 40: ذوی الارحام کی دوسری قسم جدِ فاسد اور جدہ فاسدہ میں تقسیمِ ترکہ کے وقت میّت کا اقرب رشتہ دار اور میّت کی طرف وارث کے واسطے سے منسوب رشتہ دار مقدم ہو گا۔[2]

**وضاحت:**

ذوی الارحام کی دوسری قسم اجدادِ فاسد اور جدّات فاسدہ ہیں۔ جد فاسد اس داد کو کہا جاتا ہے جس کا میّت کے ساتھ رشتہ جوڑنے میں مؤنث کا واسطہ درمیان میں آتا ہو جیسے میّت کی ماں کا باپ (نانا)، میّت کی ماں کے باپ کا باپ (پر نانا)۔ جدہ فاسدہ اس دادی اور نانی کو کہا جاتا ہے جس کا میّت کے ساتھ رشتہ جوڑنے میں جدِ فاسد کا واسطہ درمیان میں آتا ہو جیسے میّت کی ماں کے باپ (نانا) کی ماں یا میّت کی ماں کے باپ کی ماں کی ماں۔[3]

ذوی الارحام کی پہلی قسم (نواسہ، نواسی اور پوتی) تقسیمِ ترکہ میں دوسری قسم (جدِ فاسد یا جدّات فاسدہ) پر مقدم ہو گی۔ پہلی قسم کی موجودگی میں یہ دوسری قسم محروم ہو گی۔ پھر اگر دوسری قسم کے کئی ذوی الارحام یعنی کئی اجداد اور جدّات موجود ہو اور بعض رشتہ میّت کے قریب اور بعض دور ہو تو قریب رشتے والا میراث لے گا اور دور والا محروم رہے گا[4] ماں کے رشتہ کے ہو یا باپ کے، جیسے کسی شخص نے بوقتِ انتقال نانا اور نانی کا باپ چھوڑا تو نانا نانی کے باپ سے ایک درجہ میّت کے قریب ہے لہذا نانا وارث بنے گا اور نانی کا باپ محروم ہو گا اور اگر میّت کے ساتھ قرب وبعد میں تمام اجداد وجدّات برابر ہوں تو پھر ترکہ کا زیادہ مستحق وہ ہو گا جو میّت سے کسی وارث کے واسطے سے منسوب ہو[5] جیسے نانی کا باپ نانا کے باپ سے مقدم ہو گا کیونکہ نانی وارث ہے اور اگر اجداد وجدّات درجہ میں بھی برابر ہو اور ان میں سے کوئی میّت کی طرف بواسطہ وارث منسوب بھی نہ ہو یا سب وارث کے واسطے سے منسوب ہو اور اصلوں کی صفتیں تذکیر وتانیث بھی ایک ہو اور ان کے رشتے بھی ایک ہو یعنی سب ماں کے واسطے سے ہو یا سب باپ کے واسطے سے ہو تو ترکہ کی تقسیم نیچے والے بطن کے رؤوس یعنی افراد کے اعتبار سے ہو گی اور مذکر کو دو مؤنثوں کے برابر حصہ ملے گا جیسے میّت کے باپ کی ماں (دادی) کے باپ کا باپ اور میّت کے باپ کی ماں دادی کے باپ کی ماں اس صورت میں ترکہ تین حصوں میں تقسیم کر کے دو حصے باپ کو اور ایک حصہ ماں کو ملے گا۔[6]

اگر اصلوں کی صفت تذکیر وتانیث مختلف ہو تو ذوی الارحام کی پہلی قسم کی طرح ترکہ سب سے پہلے والے اختلافی بطن کے اصلوں پر تقسیم ہو گا اور پھر ان اصلوں سے فروع کی طرف منتقل ہو گا۔[7] اگر اجداد اور جدّات درجے میں تو برابر ہو لیکن رشتے ایک نہ ہو یعنی بعض باپ کے واسطے سے ہو اور بعض ماں کے واسطے سے، تو باپ کے واسطے والے اجداد وجدّات کو دو تہائی حصہ ملے گا اور ماں

---

1 الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص:۱۰۷

2 الفتاوی الھندیۃ، ۶:۴۶۱

3 السراجی فی المیراث، ص:۳۰

4 البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۸:۵۷۹

5 الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص:۱۰۹

6 السراجی فی المیراث، ص:۱۳۳

7 الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص:۱۱۰

کے رشتے والے اجداد وجدّات کو ایک تہائی حصہ ملے گا اور یہی حصص پھر ان میں آپس میں قوتِ قرابت کے لحاظ سے تقسیم کیے جائیں گے۔[1]

**دفعہ 41: ذوی الارحام کی تیسری قسم بھانجے، بھتیجوں اور ان کی اولاد میں سے میّت سے زیادہ قریبی رشتہ دار اور عصبہ کی اولاد دیگر پر مقدم ہوں گی۔[2]**

**وضاحت:**

ذوی الارحام کی تیسری قسم والے رشتہ دار یہ ہیں:

۱: ہر قسم کے بہنوں کی اولاد (بھانجے، بھانجیاں)

۲: ہر قسم کے بھائیوں کی بیٹیاں (بھتیجیاں)

۳: اخیافی بھائی کے بیٹے اور بیٹیوں کی اولاد

پہلی اور دوسری قسم کے ذوی الارحام نہ ہو تو تیسری قسم کے ذوی الارحام کو میراث میں حصہ ملے گا۔ اگر تیسری قسم کے ذوی الارحام زیادہ ہوں اور ان میں سے بعض میّت کے قریب ہو اور بعض دور تو اقرب میراث کا مستحق اور ابعد محروم ہو گا۔ مثلاً ورثا میں سے بھانجا ہو اور بھانجے کا بیٹا تو بھانجے کو میراث ملے گا اور بھانجے کا بیٹا محروم ہو گا اور اگر میّت کے ساتھ قرب میں سب برابر ہوں لیکن بعض عصبہ کی اولاد ہو اور بعض ذوی الارحام کی تو عصبہ کی اولاد وارث اور ذوی الارحام کی اولاد محروم ہو گی[3] مثلاً بھتیجے کی بیٹی اور بھانجے کا بیٹا تو بھتیجے کی بیٹی وارثہ بنے گی اور بھانجے کا بیٹا محروم ہو گا کیونکہ وہ عصبہ کی اولاد ہے۔

ذوی الارحام کی تیسری قسم کی باقی تقسیمِ ترکہ، پہلی قسم کی طرح امام محمدؒ کے قول کے مطابق ہو گی یعنی پہلے اصول میں تذکیر وتانیث کے لحاظ سے ترکہ تقسیم کریں گے اور پھر وہی اصول والا حصہ فروع کی طرف منتقل ہو گا۔[4]

**دفعہ 42: چوتھی قسم کے ذوی الارحام (پھوپھیاں، خالائیں اور ماموں) منفرد ہونے کی صورت میں پورے ترکہ کے مستحق ہوں گے اور متعدّد ہونے کی صورت میں قوی قرابت والا میراث کا مستحق ہو گا جب سب ایک رشتہ کے ہو، رشتہ مختلف ہونے کی صورت میں باپ کے رشتہ والوں کو دو تہائی اور ماں کے رشتہ والوں کو ایک تہائی ملے گا۔[5]**

**وضاحت:**

ذوی الارحام کی چوتھی قسم پھوپھیاں، خالائیں، ماموں اور ان کی اولاد ہیں۔ پہلی، دوسری اور تیسری قسم کے ذوی الارحام کی موجودگی میں چوتھی قسم کے ذوی الارحام محروم رہیں گے۔ چوتھی قسم کے ذوی الارحام میں سے صرف کوئی ایک وارث موجود ہو

---

1 المواریث، ص: ۱۹۲

2 الفتاوی الهندیة، ۶: ۴۶۲

3 البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۸: ۵۸۱

4 الشریفیة شرح السراجیة، ص: ۱۱۲

5 الفتاوی الهندیة، ۶: ۴۶۳

تو پورا ترکہ اسی کو ملے گا کیونکہ اس کا کوئی مزاحم موجود نہیں ہے[1] مثلاً صرف پھوپھی ہو یا صرف خالہ ہو تو اسی کو سارا ترکہ ملے گا اور اگر چوتھی قسم کے ذوی الارحام متعدّد ہو اور سب ایک ہی رشتہ کے ہیں یعنی سب باپ کے رشتہ کے ہو یا سب ماں کے رشتہ کے ہو جیسے پھوپھیاں اور اخیافی چچا، باپ کے رشتے سے ہے اور ماموں و خالائیں ماں کی رشتے سے ہے تو ان میں میّت کا سب سے زیادہ قوی رشتہ دار ترکے کا مستحق ہو گا۔ حقیقی کو علاتی اور اخیافی پر تقدیم حاصل ہو گی اور علاتی کو اخیافی پر ترجیح حاصل ہو گی اور اگر قوتِ قرابت میں بھی سب برابر ہو تو سب مذکر ہونے یا سب مؤنث ہونے کی صورت میں ان میں ترکہ برابر تقسیم ہو گا اور اگر بعض مذکر اور بعض مؤنث ہو تو مذکر کو مؤنث کا دگنا حصہ ملے گا[2] مثلاً اخیافی چچا اور اخیافی پھوپھی ہو تو مسئلہ تین سے حل ہو گا۔ دو حصے اخیافی چچا کو اور ایک حصہ اخیافی پھوپھی کو ملے گا۔

چوتھی قسم کے متعدّد ذوی الارحام سب ایک رشتہ کے نہ ہو بلکہ بعض باپ کے رشتہ کے ہو اور بعض ماں کے رشتہ کے تو ان میں قوتِ قرابت سے ترجیح نہیں ہو گی بلکہ باپ کے رشتہ دار کو دو تہائی اور ماں کے رشتہ والے کو ایک تہائی ملے گا۔[3]

مثلاً ورثا میں حقیقی پھوپھی اور اخیافی خالہ ہو تو دو تہائی حصہ حقیقی پھوپھی (باپ کے رشتہ والی) کو ملے گا اور ایک حصہ اخیافی خالہ (ماں کے رشتہ والی) کو ملے گا اور اگر ورثا میں اخیافی پھوپھی اور حقیقی خالہ ہوں تو دو تہائی اخیافی پھوپھی کو ملے گا اور ایک تہائی حقیقی خالہ کو ملے گا اور اگر ایک شخص کے انتقال کے بعد اس کی ایک حقیقی پھوپھی اور ایک اخیافی خالہ یا ایک حقیقی خالہ اور ایک اخیافی پھوپھی ہو تو دو تہائی باپ کی طرف کی رشتہ والیوں (پھوپھیوں) کو ملیں گے اور ایک تہائی ماں کی طرف کی رشتہ والیوں (خالاؤں) کو ملیں گے۔ پھر پھوپھیوں کے وہ دو حصے صرف حقیقی پھوپھی کو ملیں گے اور اخیافی پھوپھی محروم ہو گی اور خالاؤں کا وہ ایک حصہ صرف حقیقی خالہ کو ملے گا اور اخیافی خالہ محروم ہو گی۔[4]

**دفعہ 43: ذوی الارحام کی چوتھی قسم کے ایک ہی رشتہ (باپ یا ماں) سے تعلق رکھنے والی اولاد میں سے عصبہ کی اولاد، ذوی الارحام کے اولاد پر مقدم ہو گی۔[5]**

**وضاحت:**

ذوی الارحام کے چوتھی قسم کی اولاد سے مراد پھوپھی، خالہ، ماموں اور اخیافی چچا کی اولاد اور حقیقی اور علاتی چچاؤں کی مؤنث اولاد ہے۔ اگر ذوی الارحام کے اس چوتھی قسم کے اولاد متعدّد ہو بعض کا رشتہ میّت سے قریب اور بعض کا دور ہو تو اقرب کو ترکہ ملے گا اور دور والا محروم ہو گا۔ اگر سب برابر درجے کے رشتہ دار اور اولاد ہو اور سب ایک ہی رشتہ سے ہوں تو تقسیم میراث میں قوتِ قرابت کا اعتبار ہو گا۔ اگر سب اولاد برابر درجے کی ہو اور قوتِ قرابت اور جہت قرابت بھی ایک جیسی ہو لیکن بعض عصبہ کی

---

1 السراجی فی المیراث، ص:۱۴۰

2 الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص:۱۱۶

3 نفسِ مصدر

4 نفسِ مصدر

5 الفتاوی الھندیۃ، ۶: ۴۶۳

اولاد ہوں اور بعض ذوی الارحام کی، تو عصبہ کی اولاد کو ذوی الارحام کی اولاد پر ترجیح حاصل ہو گی[1] مثلاً حقیقی چچا (عصبہ) کی بیٹی اور حقیقی پھوپھی (ذوی الارحام) کا بیٹا ہو تو میراث چچا کی بیٹی کو ملے گا اور پھوپھی کا بیٹا محروم ہو گا کیونکہ چچا عصبہ ہے۔

اگر جہتِ قرابت مختلف ہو یعنی بعض باپ کے رشتے کے ورثا ہو (چچا اور پھوپھی) اور بعض ماں کے رشتہ (خالہ اور ماموں) کے ورثا اور اولاد ہوں تو اس صورت میں قوتِ قرابت اور عصبہ کی اولاد ہونے کا اعتبار نہیں ہو گا بلکہ باپ کا رشتہ رکھنے والا چچا اور پھوپھی کی اولاد کو دو تہائی دیا جائے گا اور ماں کا رشتہ رکھنے والی خالہ اور ماموں کی اولاد کو ایک تہائی ملے گا اور پھر ہر گروپ میں اگر متعدّد وارث ہوں تو باپ کے رشتہ والوں میں قوتِ قرابت سے اور پھر عصبہ کے اولاد ہونے کی وجہ سے ترجیح دی جائے گی جب کہ ماں کے رشتہ والوں میں صرف قوتِ قرابت سے ترجیح ہو گی کیونکہ ان میں عصبہ نہیں ہوتے[2] مثلاً حقیقی پھوپھی کی بیٹی اور علاتی خالہ کا بیٹا ورثا ہو تو مسئلہ تین سے بنا کر پھوپھی کی بیٹی کو دو تہائی اور خالہ کے بیٹے کو ایک تہائی ملے گا اور حقیقی اور علاتی ہونے کی وجہ سے کوئی ترجیح نہیں ہو گی کیونکہ دونوں کا جہتِ قرابت مختلف ہے۔ اگر ان اولاد کی اپنے اصول سے متعدّد رشتے ہوں تو ذوی الارحام کے پہلے قسم کی طرح ترکہ پہلے اختلافی بطن پر تقسیم کریں گے اور فروع کے تعدّدِ رشتہ کا اصول میں لحاظ کر کے اصول دو دو فرض کریں گے اور پھر جو ترکہ اصول کو مل جائے وہ فروع کی طرف منتقل کریں گے۔[3]

**دفعہ 44: ذوی الارحام کے چوتھی قسم کی عدمِ موجودگی میں میّت کے والدین کے ذوی الارحام کو ترکہ ملے گا۔[4]**

**وضاحت:**

اگر میّت کے ذوی الارحام کی چوتھی قسم نہ ہو تو پھر میّت کے والدین کے ذوی الارحام کی چوتھی قسم کو تقسیمِ ترکہ کے قواعد کے مطابق وراثت ملے گی یعنی ان میں سے صرف کوئی ایک وارث موجود ہو تو سارا ترکہ اسے دیا جائے گا اور اگر متعدّد ہو تو جہت قرابت ایک ہونے یعنی صرف والد کے رشتہ کے ہونے یا والدہ کے رشتہ کے ہونے کی صورت میں قوتِ قرابت سے ترکہ دیا جائے گا یعنی حقیقی کو علاتی اور اخیافی پر اور علاتی کو اخیافی پر ترجیح حاصل ہو گی۔ مذکر اور مؤنث دونوں کی موجودگی میں مذکر کو مؤنث کا دگنا حصہ دیا جائے گا اور جہتِ قرابت مختلف ہونے کی صورت میں باپ کی طرف کے اولاد کو دو تہائی اور ماں کی طرف کے اولاد کو ایک تہائی ملے گا اور اگر میّت کے والدین کے چوتھی قسم کے ذوی الارحام بھی نہ ہو تو میّت کے دادا کے ذوی الارحام کی چوتھی قسم کو مذکورہ اصول کے مطابق وراثت ملے گی۔[5]

**ذوی الارحام کے تقسیمِ وراثت کا خلاصہ:**

ذوی الارحام کو تنہا ایک فرد ہونے کی صورت میں پورا ترکہ یا ورثا سے بچا ہوا ترکہ ملے گا چاہے مذکر ہو یا مؤنث اور جس قسم سے بھی تعلق ہو۔ متعدّد ہونے کی صورت میں میّت کے ساتھ قربِ درجہ کی وجہ سے ترجیح حاصل ہو گی۔ اقرب الی المیّت وارث اور ابعد محروم ہو گا۔ درجہ میں برابر ہونے کی صورت میں میّت کی طرف وارث کے واسطے سے منسوب ذوی الارحام کو ترجیح حاصل

---

1 البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۸: ۵۸۱
2 الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص: ۱۲۰
3 السراجی فی المیراث، ص: ۱۴۲
4 الفتاوی الهندیۃ، ۶: ۴۶۴
5 الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص: ۱۲۳

ہو گی۔ اتحادِ درجہ، اتحادِ نسبت کی صورت میں اگر جہتِ قرابت (باپ یاماں کی طرف سے ہونا) بھی ایک ہو تو قوتِ قرابت کے ذریعے ترجیح دی جائے گی یعنی حقیقی پھر علاتی پھر اخیافی کو میراث ملے گا۔ اتحادِ درجہ، اتحادِ نسبت، جہتِ قرابت اور قوتِ قرابت سب کے ایک جیسا ہونے کی صورت میں اگر سب ذوی الارحام مذکر یا سب مؤنث ہو تو ان میں ترکہ برابر تقسیم ہو گا۔ بعض مذکر اور بعض مؤنث ہو تو مؤنث کو مذکر کا دگنا حصہ ملے گا۔ اگر جہتِ قرابت ایک نہ ہو تو باپ کی طرف والوں کو دو تہائی اور ماں کی طرف والوں کو ایک تہائی ملے گا۔ پھر اس فریق میں قوتِ قرابت سے ترجیح ہو گی۔ اگر ذوی الارحام کے کئی بطون ہو تو اصول میں تذکیر و تانیث کا اعتبار کیا جائے گا۔

## دفعہ 45: تقسیم میراث میں ورثا کو اپنے متعین حصے دینے کے لیے کل ترکہ کو ان ورثا کے حصوں کے مخرجوں کے ذو اضعاف اقل (Least Common Multiple)[1] پر تقسیم کیا جائے گا۔[2]

**وضاحت:**

علمِ میراث سیکھنے کے لیے علمِ حساب وریاضی (Mathematics) کا سیکھنا ضروری ہے۔ علم ریاضی کے بغیر ترکہ کو ورثا پر ان کے حصوں کے مطابق صحیح طریقے سے تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن کریم میں ورثا کے بیان کردہ حصے دو قسم پر ہیں:

**پہلی قسم:** نصف (آدھا) ½، ربع (چوتھائی) ¼، ثُمُن (آٹھواں) 1/8

**دوسری قسم:** ثلثان (دو تہائی) 2/3، ثُلث (تہائی) 1/3، سُدُس (چھٹا حصہ) 1/6

ورثا کے متعین حصے دینے کے لیے ترکہ کو جس مناسب عدد پر تقسیم کیا جاتا ہے جس سے تمام ورثا کے متعین حصے نکل سکتے ہوں ایسے عدد کو علمِ میراث کی اصطلاح میں "مخرج یا مسئلہ" کہا جاتا ہے۔

مکمل اور پورے عدد کو صحیح عدد کہا جاتا ہے جیسے 2,3,4 جب کہ غیر مکمل عدد کو عربی میں کسر اور ہندی زبان میں بٹہ کہا جاتا ہے۔ جیسے ½ (آدھا)، 1/3 (تہائی)، ¼ (چوتھائی)

کسر اور بٹہ کے اوپر والے عدد کو شمار کنندہ (Numerator) اور نیچے والے عدد کو مخرج (Denominator) کہا جاتا ہے۔ ترکہ کو تقسیم کرنے والے عدد مخرج یا مسئلہ معلوم کرنے کے لیے ورثا کے متعینہ حصوں کے مخرجوں کا ذو اضعاف اقل (L.C.M.) معلوم کریں گے۔ یہی ذو اضعاف اقل مخرج ہو گا۔

اگر صرف ایک حصہ ہو اور باقی عصبہ ہو تو اسی حصے کا مخرج والا عدد اس مسئلے کا مخرج ہو گا۔ اگر دو یا دو سے زیادہ حصے معلوم کرنے ہوں تو اس کے لیے ذو اضعاف اقل معلوم کرنا ہو گا۔

ذو اضعاف اقل معلوم کیے بغیر اگر زبانی کسی مسئلے کا مخرج معلوم کرنا ہو تو قرآن کریم میں ذکر کردہ حصوں میں سے اگر کوئی ایک حصہ آیا ہو تو اسی حصے کا ہم نام عدد اس مسئلے کا مخرج ہو گا جب کہ نصف آنے کی صورت میں مسئلے کا مخرج دو ہو گا۔

---

1 اضعاف جمع ہے ضعف کی اور ضعف کا معنیٰ ہے دو چند کرنا اور دگنا کرنا۔ کسی عدد کے ضعف سے مراد وہ اعداد ہوتے ہیں جو اسی عدد کے برابر بڑھانے سے حاصل ہو جیسے تین کا ضعف ۶، ۹، ۱۲ اور ۱۵ وغیرہ ہیں۔ ۴ کا ضعف ۸، ۱۲، ۱۶ اور ۲۰ وغیرہ ہیں۔ ریاضی کے اصطلاح میں ضرب کا ٹیبل (پہاڑے) اضعاف کو ظاہر کرتا ہے۔ اقل کا معنیٰ ہے کم۔ دو یا دو سے زیادہ اعداد کے ذو اضعاف اقل سے مراد ان اعداد کا مشترکہ چھوٹے سے چھوٹا ضعف ہوتا ہے جیسے ۴ اور ۶ کا ذو اضعاف اقل ۱۲ ہے کیونکہ ۱۲ ان دونوں اعداد کا مشترکہ چھوٹے سے چھوٹا ضعف ہے۔ ۴ اور ۶ کے مشترکہ اضعاف ۱۲، ۲۴، ۳۶، ۴۸ آتے ہیں۔ ان میں سب سے چھوٹا ۱۲ ہے لہذا یہی عدد ان کا ذو اضعاف اقل ہے۔

ذو اضعاف اقل معلوم کرنے کا طریقہ: جن اعداد کا ذو اضعاف اقل معلوم کرنا ہو انہیں ایک ساتھ ایک افقی لکیر میں لکھ کر چھوٹے سے چھوٹے عدد پر تقسیم کرنا ہے یہاں تک کہ ایک رہ جائے۔ جتنے اعداد پر یہ اعداد تقسیم ہو گئے ان اعداد کو آپس میں ضرب دینے سے مطلوبہ ذو اضعاف اقل حاصل ہو جاتا ہے۔ (جماعت ششم ٹیکسٹ بک، خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ، پشاور، ۲۰۱۹ء)

2 الفتاوی الهندية، ۶: ۴۶۴

رُبع اربعۃ سے نکلا ہے لہذا ربع کا ہم نام عدد چار ہے۔ ثمن کا آٹھ، ثلث کا تین اور سدس کا ہم نام عدد چھ ہے۔ ثلثان چونکہ ثلث کا تثنیہ ہے اس لیے اس کا ہم نام عدد بھی تین ہی ہو گا۔ نصف چونکہ کسی عدد سے نہیں نکلا ہے اسی لیے نصف کے لیے دو کا عدد مقرر کیا گیا۔

جب کسی مسئلے میں دو یا تین حصے آئے اور وہ سب ایک ہی قسم سے تعلق رکھتے ہوں تو سب سے چھوٹے حصے کے ہم نام عدد سے مسئلہ بنے گا اور اسی عدد سے تمام ورثا کے حصے دیئے جائیں گے مثلاً اگر کسی مسئلے میں ثلثان، ثلث اور سدس آئے تو سب سے کم حصے سدس کے ہم نام عدد چھ سے مسئلہ بنے گا اور ہر ایک کا حصہ اسی سے نکلے گا۔ سدس والے کو ایک ثلث والے کو دو اور ثلثان والے کو دو تہائی یعنی چار دیا جائے گا۔

اگر کسی مسئلے میں دونوں قسموں کے حصے جمع ہو گئے ہوں تو اگر پہلی قسم میں سے نصف، دوسری قسم کے کل یا بعض حصوں کے ساتھ جمع ہو تو مسئلہ چھ سے بنے گا اور اگر پہلی قسم میں سے ربع دوسرے قسم کے کل یا بعض حصوں کے ساتھ جمع ہو جائے تو مسئلہ ۱۲ سے بنے گا اور اگر اسی قسم کا ثمن دوسری قسم کے کل یا بعض حصوں کے ساتھ جمع ہو تو مسئلہ ۲۴ سے بنے گا۔

اگر پہلی قسم کے متعدّد حصوں کا دوسری قسم کے کل یا بعض حصوں سے اختلاط ہو تو پہلی قسم کے چھوٹے حصے کا اعتبار کیا جائے گا مثلاً پہلی قسم کا نصف اور ربع دونوں کا قسمِ ثانی سے اختلاط ہو تو چھوٹے حصے ربع کا اعتبار ہو گا اور ربع جب نوعِ ثانی کے ساتھ آجاتا ہے تو مسئلہ ۱۲ سے شروع ہوا کرتا ہے لہذا یہاں بھی ۱۲ سے شروع ہو گا۔

اگر کسی مسئلے میں صرف عصبات ہوں۔ ذوی الفروض والوں کے مذکورہ مقرر کردہ حصے نہ ہوں تو عصبات کے عددِ رؤوس ( افراد کی تعداد) سے مسئلہ بنے گا۔ مذکر اور مؤنث دونوں قسم کے عصبات ہوں تو مذکر کو دو مؤنث فرض کر کے مجموعہ عددِ رؤوس سے مسئلہ بنے گا۔[1]

## دفعہ 46: میراث کا مسئلہ حل کرنے کے لیے ایسا عدد تلاش کرنا جس سے ہر وارث کے سہام بغیر کسر کے نکل آئے تصحیح کہلاتی ہے۔[2]

**وضاحت:**

تصحیح کا لغوی معنی ہے درست کرنا اور علمِ میراث کی اصطلاح میں ورثا کے درمیان ترکہ تقسیم کرنے کے لیے ایسا عدد تلاش کرنا جس سے ہر وارث کو اس کا حصہ بغیر کسر کے یعنی پورے اور مکمل عدد کی شکل میں مل جائے تصحیح کہلاتا ہے۔

ترکہ تقسیم کرتے وقت بعض اوقات کئی قسم کے ورثا جمع ہو جاتے ہیں اور کبھی ایک ہی فریق اور گروہ میں کئی افراد ہوتے ہیں۔ بعض اوقات اصل مسئلہ (مخرج) سے دیئے گئے سہام ان افراد پر پورا پورا تقسیم نہیں ہوتے جس کے لیے ایسا عدد تلاش کرنا ہوتا ہے جس سے ہر وارث کو اس کا حصہ بلا کسر (مکمل عدد کی شکل میں) مل جائے۔ اس عمل کو تصحیح کہتے ہیں۔ تصحیح سیکھنے سے پہلے چند اصطلاحات کا سیکھنا ضروری ہے۔

---

1 السراجی فی المیراث، ص:۶۷ تا ۷۱؛ الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص:۵۰ تا ۵۴، المواریث، ص:۱۴۰ تا ۱۵۰

2 الفتاوی الھندیۃ، ۶: ۴۶۴

**اصل مسئلہ یا مخرج:** ورثا کے درمیان ترکہ تقسیم کرنے کے لیے پورے ترکہ کو جس عدد پر تقسیم کیا جاتا ہے وہ اصل مسئلہ یا مخرج کہلاتا ہے۔

**سہام:** سہام، سہم کی جمع ہے بمعنی حصہ، ہر وارث کو اصل مسئلہ میں جو حصہ ملتا ہے اسے میراث کے اصطلاح میں سہم کہا جاتا ہے۔

**رؤوس:** رؤوس، رأس کی جمع ہے بمعنیٰ سر، ورثا کی تعداد کو میراث کے اصطلاح میں رؤوس کہا جاتا ہے۔

**طائفہ یا فریق:** طائفہ کا معنی ہے جماعت اور گروہ۔ ایک قسم کے ورثا کی جماعت کو طائفہ یا فریق کہا جاتا ہے۔

**مضروب:** مضروب کا معنی ہے ضرب دیا ہوا۔ تصحیح کے دوران اصل مسئلہ یا مخرج کو جس عدد میں ضرب دیا جاتا ہے وہ مضروب کہلاتا ہے۔

**مبلغ:** حاصلِ ضرب کو مبلغ کہا جاتا ہے۔

**کسر:** کسر کا معنیٰ ہے ٹوٹنا۔ نامکمل عدد کو کسر کہا جاتا ہے جیسے آدھا، پونا، ڈیڑھ وغیرہ

اس کے علاوہ تصحیح سمجھنے کے لیے تماثل، تداخل، توافق اور تباین کی نسبتیں اور عول کا سمجھنا ضروری ہے۔ ان اصطلاحات کے بارے میں بحث اس مقالے کے باب 12 اور باب 13 میں پیش کی گئی ہے۔[1]

## عملِ تصحیح سے متعلق سات قواعد:

**الف: سہام اور رؤوس کے درمیان جاری ہونے والے تین قواعد:**

### دفعہ 47: ہر فریق کے سہام ان کے رؤوس پر پورے پورے تقسیم ہو جائے تو تصحیح میں ضرب کی ضرورت نہیں۔[2]

**وضاحت:**

مسئلہ حل کرنے کے بعد اگر ہر فریق کے سہام ان کے رؤوس پر بلا کسر یعنی پورے پورے تقسیم ہو تو تصحیح میں مزید کسی قسم کے ضرب کی ضرورت نہیں ہو گی مثلاً ایک شخص نے انتقال کے وقت والد، والدہ اور دو بیٹیاں چھوڑیں تو صورتِ مسئلہ اس طرح ہو گا۔

| میّت (6) | | | |
|---|---|---|---|
| والد | والدہ | بیٹی | بیٹی |
| چھٹا حصہ | چھٹا حصہ | دو تہائی (4) | |
| 1 | 1 | 2 | 2 |

عملِ تصحیح کے قواعد کی رو سے مسئلہ چھ سے بنا چھ کا چھٹا حصہ یعنی ایک، ایک والد اور والدہ کو ملا اور چھ کے دو تہائی یعنی چار حصے دو بیٹیوں کو ملے جو ان پر دو دو حصے برابر تقسیم ہوئے اور ضرب کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔[3]

1 طرازی شرح سراجی، ص:۱۴۷

2 الفتاوی الھندیۃ، ۶: ۴۶۴

3 السراجی فی المیراث، ص:۸۰

## دفعہ 48: ایک فریق پر کسر واقع ہوتے وقت سہام اور رؤوس کے درمیان توافق یا تداخل کی نسبت ہو تو عددِ رؤوس کے وفق یا دخل کو اصل مسئلہ یا عول میں ضرب دے کر تصحیح کیا جائے گا۔[1]

**وضاحت:**

تقسیمِ میراث کا مسئلہ حل کرتے وقت اگر ایک فریق میں کسر آرہا ہو یعنی سہام، رؤوس پر پورے پورے تقسیم نہ ہوتے ہو اور سہام اور رؤوس کے درمیان توافق یا تداخل کی نسبت ہو تو عددِ رؤوس کے وفق یا دخل کو اصل مسئلہ (مخرج) اور ورثا کے تمام سہام میں ضرب دے کر مسئلہ کی تصحیح کریں گے مثلاً ایک شخص نے انتقال کے وقت والد، والدہ اور دس بیٹیاں چھوڑیں تو صورتِ مسئلہ اس طرح ہو گا۔

| میّت (30=5x6) | | | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| والد | والدہ | دس بنات | | | | | | | | | |
| چھٹا (1) | چھٹا (1) | دو تہائی (4) | | | | | | | | | |
| 1x5=5 | 1x5=5 | 4x5= 20 | | | | | | | | | |
| 5 | 5 | 2 | 2 | 2 | 2 | 2 | 2 | 2 | 2 | 2 | 2 |

قواعدِ میراث کی رو سے مسئلہ ٦ سے بنا۔ چھٹا حصہ یعنی ایک، ایک، والد اور والدہ کو دیا اور دو تہائی حصہ یعنی چار دس بنات کو دیا۔ بنات کل دس تھیں اور ان کے کل حصے چار تھے جو ان پر برابر تقسیم نہیں ہو رہے تھے اور سہام(4) اور رؤوس (10) کے درمیان توافق کی نسبت ہے۔ عددِ رؤوس دس کے وفق پانچ کو اصل مسئلہ چھ اور تمام ورثا کے حصوں میں ضرب دیا۔ مسئلہ ٦ ہو گیا۔ والد اور والدہ کے حصے پانچ پانچ اور دس بنات کے کل حصے ٢٠ ہو گئے جو ان پر دو دو حصے برابر تقسیم ہوئے۔

مسئلہ عائلہ کی مثال یہ ہے کہ ایک بیوی نے شوہر، ماں، باپ اور چھ بیٹیاں چھوڑیں۔ صورتِ مسئلہ اس طور پر ہو گا۔

| میّت (12) عول --15 x 3 =45 | | | |
|---|---|---|---|
| شوہر | والد | والدہ | ٦ بنات |
| چوتھا (3) | چھٹا (2) | چھٹا (2) | دو تہائی (8) |
| 3x3=9 | 2x3=6 | 2x3=6 | 8x3=24 |

مسئلہ ١٢ سے بنا۔ شوہر کو ٣ حصے والد اور والدہ کو ٢، ٢ حصے اور ٦ بیٹیوں کو ٨ حصے دیئے چونکہ حصے مخرج سے بڑھ رہے تھے اس لیے مخرج کو ١٢ سے بڑھا کر ١٥ کی طرف عول کر دیا۔ ٦ بیٹیوں کے آٹھ سہام ان پر پورے پورے تقسیم نہیں ہو رہے تھے۔ عددِ رؤوس ٦ اور سہام ٨ کے درمیان توافق ہے۔ اصولِ مذکورہ کے مطابق عددِ رؤوس ٦ کے وفق ٣ کو اصل مسئلہ اور تمام سہام میں ضرب

---

1 الفتاوی الهندية، ٦: ٤٦٤

دیا۔ اصل مسئلہ ۴۵ ہو گیا۔ شوہر کے حصے ۹، والد اور والدہ کے حصے ۶،۶ اور بیٹیوں کے حصے ۲۴ ہو گئے۔ ہر ایک بیٹی کو ۴، ۴ حصے مل جائیں گے۔[1]

عددِ رؤوس اور سہام کے درمیان اگر تداخل کی نسبت ہو تو عددِ رؤوس اگر سہام سے چھوٹا ہو تو سہام، رؤوس پر بلا کسر تقسیم ہو جائیں گے اور ضرب کی کوئی ضرورت نہیں ہو گی اور اگر عددِ رؤوس سہام سے بڑا ہو تو توافق والا اصول جاری کر کے عددِ رؤوس کے دخل کو اصل مسئلہ اور تمام سہام میں ضرب دیں گے۔[2]

**دفعہ 49: ایک طائفہ میں کسر کے وقت اگر سہام اور رؤوس کے درمیان تباین کی نسبت ہو تو پورے عددِ رؤوس کو اصل مسئلہ یا عول میں ضرب دے کر تصحیح کی جائی گی۔[3]**

**وضاحت:**

میراث کا مسئلہ حل کرتے وقت اگر ایک فریق میں کسر آرہا ہو یعنی سہام رؤوس پر پورے پورے تقسیم نہ ہو اور سہام اور رؤوس کے درمیان تباین کی نسبت ہو تو پورے عددِ رؤوس کو لے کر اصل مسئلہ یا عول اور ہر فریق کو ملے ہوئے سہام میں ضرب دیں گے مثلاً ایک شخص نے بیوی اور دو بھائی وارث چھوڑے۔ ان کے درمیان تقسیمِ ترکہ کی صورت اس طرح ہو گی۔[4]

| | | |
|---|---|---|
| میّت 8= 2x4 | | |
| بیوی | بھائی | بھائی |
| چوتھائی (1) | عصبہ (3) | |
| 1x2=2 | 3x2=6 | |

مسئلہ چار سے بنا۔ بیوی کو چوتھائی حصہ یعنی ایک دیا اور باقی ۳ حصے بطورِ عصبہ دونوں بھائیوں کو دیئے۔ تین حصے دو بھائیوں پر پورے پورے تقسیم نہیں ہو رہے تھے اس لیے سہام ۳ اور عددِ رؤوس ۲ کے درمیان تباین ہے لہٰذا اصولِ مذکورہ کے مطابق عددِ رؤوس ۲ کو لے کر اصل مسئلہ اور تمام سہام میں ضرب دیا تو اصل مسئلہ ۸ ہو گیا جن میں سے بیوی کو ۲ حصے اور دونوں بھائیوں کو ۶ حصے مل گئے یعنی ہر بھائی کو پورے ۳، ۳ حصے مل گئے۔

**ب: رؤوس اور رؤوس کے درمیان جاری ہونے والے چار قواعد:**

**دفعہ 50: ورثا کی کئی جماعتوں پر کسر واقع ہونے کی صورت میں ہر جماعت کے محفوظ کردہ اعداد کے درمیان تماثل کی نسبت ہو تو ان میں سے کسی بھی عددِ محفوظ کو اصل مسئلہ میں ضرب دینے سے مسئلہ کی تصحیح ہو جائے گی۔[5]**

---

1 الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص: ۶۲
2 طرازی شرح سراجی، ص: ۱۵۲
3 الفتاوی الہندیۃ، ۶: ۴۶۴
4 السراجی فی المیراث، ص: ۸۲
5 الفتاوی الہندیۃ، ۶: ۴۶۵

**وضاحت:**

میراث کا مسئلہ حل کرتے وقت اگر ایک سے زیادہ جماعتوں میں کسر آرہا ہو یعنی ان کے سہام، رؤوس پر پورے پورے تقسیم نہ ہوتے ہو تو ان جماعتوں کے عددِ رؤوس اور سہام کے درمیان نسبت دیکھیں گے۔ تداخل کی صورت میں دخلِ رؤوس، توافق کی صورت میں وفقِ رؤوس اور تباین کی صورت میں کل عدد، رؤوس کو محفوظ کر لیں گے۔ پھر ان محفوظ کردہ اعداد کے درمیان تماثل کی نسبت ہو تو ان میں سے کسی بھی جماعت کے عدد محفوظ کو اصل مسئلہ اور تمام سہام میں ضرب دے کر مسئلے کی تصحیح کریں گے مثلاً ایک شخص نے تین بیٹیاں اور تین چچا چھوڑ کر وفات پا گیا تو مسئلہ کی تصحیح یوں بنے گی:

| میّت 3 x 3 = 9 | | |
|---|---|---|
| | ۳بیٹیاں | ۳چچا |
| | دو تہائی(2) | عصبہ(1) |
| | 6 = 3 x 2 | 3 = 3 x 1 |
| اعدادِ محفوظہ: | 3 | 3 |

مسئلہ ۳ سے بنا کر بیٹیوں کو دو تہائی یعنی ۲ حصے اور چچاؤں کو بطورِ عصبہ ایک حصہ دیا گیا۔ دونوں جماعتوں میں کسر موجود ہے یعنی سہام، رؤوس پر پورے تقسیم نہیں ہو رہے ہیں۔ بیٹیوں اور چچاؤں کے سہام اور رؤوس کے درمیان تباین تھا لہٰذا عددِ رؤوس ۳ کو محفوظ کیا۔ اب چونکہ دونوں طائفوں کے اعدادِ محفوظہ میں تماثل ہے لہٰذا ایک عدد محفوظ کو لے کر اصل مسئلہ اور تمام سہام میں ضرب دیا۔ اصل مسئلہ ۹ ہو گیا۔ بیٹیوں کو کل چھ حصے ملے جس میں ہر ایک کو ۳،۳ حصے مل گئے اور چچاؤں کے حصے ۳ ہو گئے۔ ہر ایک چچا کو ایک، ایک حصہ مل گیا۔

**دفعہ 51: کئی جماعتوں میں کسر واقع ہونے کی صورت میں اگر محفوظ کردہ اعداد کے درمیان تداخل کی نسبت ہو تو ان میں سے بڑے عدد کو لے کر اصل مسئلہ میں ضرب دے کر تصحیح کی جائے گی۔**[1]

**وضاحت:**

کئی جماعتوں میں کسر واقع ہونے کی صورت میں سہام اور رؤوس کے درمیان نسبت دیکھ کر اعدادِ محفوظہ نکال کر ان اعدادِ محفوظہ کے درمیان نسبت دیکھیں گے۔ اگر اعدادِ محفوظہ میں تداخل کی نسبت ہو تو ان میں سے بڑے عدد کو لے کر اصل مسئلہ اور سہام میں ضرب دے کر تصحیح کر لیں گے مثلاً ایک شوہر نے چار بیویاں، ۳ جدّات اور ۱۲ چچا چھوڑے۔ صورتِ مسئلہ یوں ہو گی:[2]

| میّت 12 x 12 = 144 | | |
|---|---|---|
| ۴بیویاں | ۳جدات | ۱۲چچا |
| چوتھا (3) | چھٹا (2) | عصبہ (7) |

1 الفتاوی الهندية، ٦: ٤٦٥

2 الشريفية شرح السراجية، ص: ٦٣

| | | |
|---|---|---|
| 84 = 12 x 7 | 24 = 12 x 2 | 36 = 12 x 3 |
| 12 | 3 | اعدادِ محفوظ: 4 |

مسئلہ بارہ سے بنے گا۔ ۴بیویوں کو چوتھائی حصہ یعنی تین حصے، ۳جدّات کو چھٹا حصہ یعنی ۲ حصے اور ۱۲ چچاؤں کو بطورِ عصبہ ۷ حصے دیئے۔ تینوں جماعتوں میں کسر موجود ہے۔ اصولِ مذکورہ کے مطابق اعدادِ محفوظہ نکال کر ان میں نسبت دیکھی۔ بیٹیوں کی جماعت میں سہام تین اور رؤوس ۶ کے درمیان تباین کی وجہ سے کل عددِ رؤوس ۴ کو محفوظ کیا۔ جدّات کی جماعت میں سہام ۲ اور رؤوس ۳ کے درمیان بھی تباین کی وجہ سے عددِ رؤوس ۳ کو محفوظ کیا اور چچاؤں کی جماعت میں سہام ۷ اور رؤوس ۱۲ کے درمیان تباین کی وجہ سے عددِ رؤوس ۱۲ کو محفوظ کیا۔ اعدادِ محفوظہ ۳، ۴، اور ۱۲ کے درمیان تداخل کی نسبت ہے لہذا بڑے عدد ۱۲ کو لے کر اصل مسئلہ اور تمام سہام میں ضرب دیا۔ اصل مسئلہ ۱۴۴ ہو گیا جن میں ۳۶ حصے بیویوں کو مل گئے جن میں سے ہر بیوی کو ۹ حصے مل جائیں گے۔ ۳جدّات کو ۲۴ حصے ملے جن میں سے ہر جدہ کو ۸ حصے مل جائیں گے اور ۱۲ چچاؤں کو ۸۴ حصے مل گئے جن میں سے ہر چچا کو ۷ حصے مل جائیں گے۔[1]

**دفعہ 52: کئی جماعتوں میں کسر واقع ہونے کی صورت میں محفوظ کردہ اعداد کے درمیان اگر توافق کی نسبت ہو تو ایک جماعت کے عددِ محفوظ کے وفق کو دوسری جماعت کے عددِ محفوظ میں ضرب دیں گے۔ حاصلِ ضرب اور تیسری جماعت کے عددِ محفوظ میں بھی توافق کی نسبت ہو تو حاصلِ ضرب کو تیسری جماعت کے عددِ محفوظ کے وفق میں ضرب دیں گے اور اگر تباین کی نسبت ہو تو حاصلِ ضرب کو تیسری جماعت کے کل عددِ محفوظ میں ضرب دیں گے۔ آخری حاصلِ ضرب کو اصل مسئلہ اور تمام سہام میں ضرب دے کر مسئلہ کی تصحیح کی جائے گی۔**[2]

**وضاحت:**

دفعہ واضح ہے۔ صورتِ مسئلہ یوں بنے گی کہ ایک شخص ۶ جدّات، ۹ بیٹیاں اور ۱۵ چچا چھوڑ کر مر گیا۔۔[3]

| میّت 540 = 90 x 6 | | |
|---|---|---|
| 15 چچا | 9بیٹیاں | 6جدات |
| عصبہ (1) | دو تہائی(4) | چھٹا(1) |

1 السراجی فی المیراث، ص: ۸۴

2 الفتاوی الھندیۃ، ۶: ۴۶۵

3 بدائع الصنائع، ۷: ۳۸۱

| | | |
|---|---|---|
| 90 = 90 x 1 | 360 = 90 x 4 | 90 = 90 x 1 |
| 15 | 9 | اعدادِ محفوظہ: 6 |

مسئلہ ٦ سے بنا جن میں سے ٦ جدّات کو چھٹا حصہ یعنی ایک حصہ مل گیا۔ نو بیٹیوں کو دو تہائی یعنی ۴ حصے مل گئے۔ ۱۵ چچاؤں کو بطورِ عصبہ ایک حصہ مل گیا۔ تینوں جماعتوں میں کسر موجود ہے یعنی سہام افراد پر پورے پورے تقسیم نہیں ہو رہے ہیں لہذا اصولِ مذکورہ کے مطابق اعدادِ محفوظہ ٦، ٩ اور ١٥ نکالیں۔ ان کے درمیان توافق کی نسبت ہے لہذا ٦ کے وفق ٢ کو لے کر دوسرے عددِ محفوظ ٩ میں ضرب دیا۔ حاصل ضرب ١٨ آیا۔ اس حاصل ضرب اور تیسرے عددِ محفوظ ١٥ کے درمیان بھی توافق ہے لہذا اس حاصل ضرب کو تیسرے عدد محفوظ ١٥ کے وفق ٥ میں ضرب دیا تو حاصلِ ضرب ٩٠ آیا۔ اس حاصل ضرب کو اصل مسئلہ اور تمام سہام میں ضرب دیا۔ اصل مسئلہ ٥٤٠ ہو گیا جن میں چھ جدّات کو ٩٠ حصے ملے۔ ہر جدہ کو ١٥ حصے مل جائیں گے۔ ٩ بیٹیوں کو ٣٦٠ حصے مل گئے۔ ان میں سے ہر بیٹی کو ٤٠ حصے مل جائیں گے اور ١٥ چچاؤں کو بھی ٩٠ حصے مل گئے۔ ہر چچا کو ٦ حصے مل جائیں گے۔

**دفعہ 53: کئی جماعتوں میں کسر واقع ہونے کی صورت میں اگر محفوظ کردہ اعداد کے درمیان تباین کی نسبت ہو تو ایک عددِ محفوظ کو دوسرے میں ضرب دے کر حاصلِ ضرب کو تیسرے عددِ محفوظ میں ضرب دے کر پھر اس حاصلِ ضرب کو چوتھے عددِ محفوظ میں ضرب دے کر آخری حاصلِ ضرب کو اصل مسئلہ اور تمام سہام میں ضرب دے کر تصحیح کی جائی گی۔**[1]

**وضاحت:**

دفعہ واضح ہے۔ صورتِ مسئلہ یوں ہو گی کہ ایک شخص ٥ علاتی بہنیں، ٣ اخیافی بہنیں، ٧ جدّات اور ٤ زوجات چھوڑیں۔

| میّت 12 عول 17 x 420 = 7140 | | | |
|---|---|---|---|
| 5 علاتی بہنیں | 3 اخیافی بہنیں | 7 جدات | 4 زوجات |
| دو تہائی (8) | تہائی (4) | چھٹا (2) | چوتھا (3) |
| 3360 = 420 x 8 | 1680 = 420 x 4 | 840 = 420 x 2 | 1260 = 420 x 3 |
| اعدادِ محفوظہ: 5 | 3 | 7 | 4 |

مسئلہ ١٢ سے بنا۔ ٥ علاتی بہنوں کو دو تہائی یعنی ٨ حصے دیئے۔ ٣ اخیافی بہنوں کو تہائی یعنی ٤ حصے دیئے۔ ٧ جدّات کو چھٹا حصہ یعنی ٢ حصے دیئے اور ٤ زوجات کو چوتھائی حصہ یعنی ٣ حصے دیئے۔ ورثا کے سہام مخرج پر زیادہ ہو رہے تھے اس لیے مسئلہ کو ١٢ سے ١٧ کی طرف عول کیا۔ اصولِ مذکورہ کے مطابق اعدادِ محفوظہ ٥، ٣، ٧، ٤ نکالیں۔ ان کے درمیان تباین کی نسبت ہے لہذا عددِ محفوظ ٥ کو تین سے ضرب دے کر حاصلِ ضرب ١٥ کو عددِ محفوظ ٧ میں ضرب دے کر حاصل ١٠٥ کو عددِ محفوظ ٤ میں ضرب دیا تو حاصلِ ضرب ٤٢٠ آیا۔ اسے عول مسئلہ ١٧ میں اور تمام ورثا کے سہام میں ضرب دیا۔

1 الفتاوی الهندية، ٦: ٤٦٥

## دفعہ 54: اعدادِ محفوظہ میں اگر بیک وقت مختلف نسبتیں موجود ہوں تو ہر نسبت کے لیے اپنے اصول استعمال ہوں گے۔[1]

**وضاحت:**

میراث کا مسئلہ حل کرتے وقت اگر کئی جماعتوں میں کسر آرہا ہو اور ہر جماعت کے اعدادِ محفوظہ کے درمیان بیک وقت مختلف نسبتیں یعنی تماثل، تداخل، توافق اور تباین پائی جارہی ہو تو ہر نسبت کے مقام پر اس کا اپنا قاعدہ اور اصول جاری ہوگا۔ یعنی جن دو عددوں کے درمیان تماثل ہے وہاں تماثل والا قاعدہ اور جہاں تداخل ہے وہاں تداخل والا قاعدہ اور جہاں توافق یا تباین ہے وہاں توافق اور تباین کا قاعدہ جاری ہوگا اور آخری نسبت سے حاصل ہونے والے عدد کو اصل مسئلہ اور تمام سہام میں ضرب دے کر مسئلہ کی تصحیح کی جائے گی[2] مثلاً ایک شخص ۴ زوجات، ۱۵ جدات، ۱۸ بیٹیاں اور ۶ چچا چھوڑ کر مر گیا۔ ان کے درمیان میراث تقسیم کرنے کے لیے صورتِ مسئلہ یوں بنے گی:

| | | | |
|---|---|---|---|
| میّت: 24 x 180 = 4320 | | | |
| 4بیویاں | 15 جدات | 18 بنات | 6 چچا |
| آٹھواں(3) | چھٹا(4) | دو تہائی (16) | عصبہ (1) |
| 540=180x3 | 720=180x4 | 2880=180x16 | 180=180x1 |
| اعدادِ محفوظہ: 4 | 15 | 9 | 6 |

مسئلہ ۲۴ سے بنا۔ ۴ زوجات کو آٹھواں حصہ یعنی ۳ حصے، ۱۵ جدّات کو چھٹا حصہ یعنی ۴ حصے، ۱۸ بنات کو دو تہائی یعنی ۱۶ حصے اور ۶ چچاؤں کو بطور عصبہ ایک حصہ دیا۔ اصولِ میراث کے مطابق اعدادِ محفوظہ ۴، ۱۵، ۹ اور ۶ نکالیں۔ ان میں سے ۴ اور ۱۵ کے درمیان تباین ہے لہذا تباین کا قاعدہ جاری کرکے عددِ محفوظ ۴ کو ۱۵ میں ضرب دیا۔ حاصل ضرب ۶۰ آیا۔ اسی حاصل ضرب اور اگلے عددِ محفوظ ۹ کے درمیان توافق ہے۔ ان میں سے کسی ایک کے وفق کو لے کر دوسرے میں ضرب دیا تو حاصلِ ضرب ۱۸۰ آیا۔ اسی حاصل ضرب کو اگلے عددِ محفوظ ۶ کے درمیان تداخل ہے لہذا بڑے عدد ۱۸۰ کو لے کر اصل مسئلہ اور ورثا کے تمام سہام کو اس میں ضرب دیا۔ اصل مسئلہ ۴۳۲۰ ہو گیا۔

**نوٹ:**

تصحیح کے تمام قواعد متقدمین ماہرین میراث نے لوگوں کی آسانی کے لیے بنائے تھے تاکہ جس فریق کے حصوں میں کسر آرہا ہو اور ورثا پر ان کا تقسیم کرنا مشکل ہو تو تصحیح کے ذریعے اسے مکمل اور پورے عدد میں تبدیل کرکے کسر کو دور کیا جائے اور مسئلہ کو آسان بنایا جائے۔ آج کل کے جدید دور میں اگر کوئی شخص کیلکولیٹر اور دیگر آلات کے ذریعے فریقین کے حصے کسر سمیّت ورثا میں

---

1 الفتاوی الھندیۃ، ۶: ۴۶۶

2 طرازی شرح سراجی، ص: ۱۵۹

تقسیم کرنا چاہے تو بھی ممکن ہے اور عملِ تصحیح کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ مثلاً آدھے (1/2) اور چوتھائی (1/4) کے لیے تصحیح کی ضرورت نہیں ہو گی بلکہ آدھے کے لیے 0.5 اور چوتھائی کے لیے 0.25 استعمال کر کے براہِ راست کیلکولیٹر کے ذریعے ضرب اور تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

**دفعہ 55: ہر دو عدد کے درمیان چار نسبتوں میں کوئی ایک نسبت ضرور ہو گی۔ تماثل، تداخل، توافق اور تباین۔**[1]

**وضاحت:**

تقسیم ترکہ میں مسائل کی تصحیح کی ضرورت پڑتی ہے اور مسائل کی تصحیح اعداد کے درمیان پائی جانے والی چار نسبتوں یعنی تماثل، تداخل، توافق، تباین اور ان کے قواعد کی پہچان پر موقوف ہے۔ ہر دو عدد کے درمیان مذکورہ چار نسبتوں میں سے کوئی ایک ضرور پائی جائے گی:

**۱: تماثل:**

تماثل کا معنی ہے ایک جیسا ہونا، دو ایک جیسے عددوں کے درمیان تماثل کی نسبت ہوتی ہے۔ ان اعداد کو آپس میں متماثلین کہا جاتا ہے جیسے تین تین اور پانچ پانچ۔

**۲: تداخل:**

دو مختلف اعداد میں سے اگر بڑا عدد، چھوٹے عدد پر پورا پورا تقسیم ہو تا ہو تو ان کے درمیان نسبت تداخل کہلاتی ہے اور اعداد آپس میں متداخلین کہلاتے ہیں جیسے چار اور آٹھ یا چھ اور اٹھارہ۔ بڑا عدد چھوٹے عدد پر پورا پورا تقسیم ہو رہا ہے۔

تداخل کی دیگر تعریفات بھی کی گئی ہیں۔ مذکورہ تعریف سب سے آسان ہے۔

**۳: توافق:**

دو ایسے مختلف اعداد جو آپس میں ایک دوسرے پر پورے پورے تقسیم نہ ہو سکے لیکن ایک تیسرے عدد ان دونوں کو پورا پورا تقسیم کر دے۔ ان کے درمیان نسبت توافق کہلاتی ہے اور اعداد آپس میں متوافقین کہلائیں گے جیسے آٹھ اور بارہ کے درمیان توافق ہے۔ دونوں اعداد ایک دوسرے پر پورے پورے تقسیم نہیں ہو رہے ہیں لیکن ایک تیسرا عدد چار ان دونوں کو پورا پورا تقسیم کر رہا ہے۔

توافق میں جس تیسرے عدد کے ساتھ دونوں اعداد تقسیم ہو جائے توافق کو اسی عدد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جیسے تین پر تقسیم ہونے کی صورت میں توافق بالثلث، چار پر تقسیم ہونے کی صورت میں توافق بالربع اور پانچ پر پورا تقسیم ہونے کی صورت میں توافق بالخمس کہا جائے گا۔ دس سے اوپر اعداد کے توافق کے لیے بجزء من کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے توافق بجزء من خمسة عشر۔

توافق کے دونوں اعداد میں سے ہر عدد کا الگ الگ وفق معلوم کرنے کے لیے اس عدد کو توافق والے تیسرے عدد (جس نے دونوں اعداد کو تقسیم کیا تھا) پر تقسیم کریں گے جو جواب آئے وہی اس عدد کا اپنا وفق ہو گا جیسے مثال مذکور میں آٹھ اور بارہ کا وفق چار ہے۔ آٹھ کو چار پر تقسیم کرنے سے دو جواب آتا ہے لہذا آٹھ کا اپنا وفق دو ہو گا اور بارہ کو چار پر تقسیم کرنے جواب تین آتا ہے لہذا

1 الفتاوی الهندية، ٦: ٤٦٦

مذکورہ مسئلہ میں بارہ کا وفق تین ہو گا۔ اگر کہیں دو اعداد کو متعدّدِ اعداد تقسیم کر رہے ہوں تو ان میں سے بڑا تقسیم کرنے والا عدد وفق ہو گا جیسے آٹھ اور بارہ ان دونوں کو عدد دو اور عدد چار دونوں تقسیم کر رہے ہیں لہٰذا بڑا عدد چار ان کا وفق ہو گا۔

علمِ ریاضی کی اصطلاح میں توافق کو عادِ اعظم (Highest common factor) کہا جاتا ہے۔ دو اعداد کا عادِ اعظم (H.C.F.) معلوم کرنا، ان کا توافق معلوم کرنا ہوتا ہے۔

**۴: تباین:**

دو ایسے مختلف اعداد جن میں نہ تو بڑا عدد چھوٹے عدد پر تقسیم ہو اور نہ ان کو تیسرا عدد تقسیم کر سکتا ہو ایسے دو اعداد کے درمیان نسبت تباین کہلاتی ہے اور اعداد آپس میں متباینین کہلاتے ہیں جیسے پانچ اور چھ اور سات اور نو۔[1]

دو مختلف اعداد کے درمیان توافق اور تباین کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ چھوٹے عدد کو بڑے عدد میں سے دونوں اطراف سے کاٹا جائے گا۔ اگر آخر میں کوئی عدد (ایک سے زیادہ) بچے تو دونوں اعداد کے درمیان توافق کی نسبت ہو گی اور اگر ایک بچے تو تباین کی نسبت ہو گی جیسے ۸ اور ۱۸ میں نسبت معلوم کرنا ہے تو ۸ کو ۱۸ میں سے کاٹا تو دس بچا پھر ۱۰ میں سے ۸ کاٹا تو ۲ بچا۔ اب ۲ چھوٹا عدد ہے اسے دوسری جانب کے بڑے عدد ۸ سے کاٹا۔ ۶ بچا۔ پھر اس سے ۲ کاٹا تو ۴ بچا پھر اس سے ۲ کاٹا تو ۲ بچا اور ۲ عدد ہے ایک نہیں ہے لہٰذا ۸ اور ۱۸ میں توافق ہو گا۔

۷ اور ۱۰ میں نسبت معلوم کرنا ہے بڑے عدد ۱۰ سے چھوٹے عدد ۷ کو کاٹا تو باقی ۳ بچا۔ اب یہ چھوٹا عدد ہے اسے دوسری جانب کے بڑے عدد ۷ سے کاٹا تو باقی ۴ بچا۔ ۴ سے پھر ۳ کو کاٹا تو باقی ایک بچا اور ایک عدد نہیں ہے لہٰذا ۷ اور ۱۰ کے درمیان تباین کی نسبت ہے۔[2]

## دفعہ 56: تصحیح میں سے ہر فریق (جماعت) کا حصہ معلوم کرنے کے لیے عددِ مضروب کو اس فریق کے اصل مسئلہ سے ملے ہوئے حصے کے ساتھ ضرب دینا ہو گا۔[3]

**وضاحت:**

تقسیمِ ترکہ میں سہام اور رؤوس کے درمیان کسر واقع ہونے کی صورت میں تصحیح کے لیے جس عدد کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا جاتا ہے۔ اس عدد کو مضروب کہتے ہیں۔ تصحیح میں سے ہر فریق کا حصہ معلوم کرنے کے لیے اسی عددِ مضروب کو ہر فریق کے اس حصہ کے ساتھ ضرب دیں گے جو اسے اصل مسئلہ سے پہنچا ہے۔ حاصلِ ضرب اس فریق کا حصہ ہو گا[4] مثلاً ایک عورت نے انتقال کے وقت شوہر اور چار بھائی چھوڑیں۔ صورتِ مسئلہ یوں بنے گا۔

---

1 الاختیار لتعلیل المختار، ۵: ۱۲۲

2 الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص: ۶۰

3 الفتاوی الھندیۃ، ۶: ۴۶۷

4 الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص: ۶۸

| میّت 2 x 4 = 8 | |
|---|---|
| شوہر | 4 بھائی |
| نصف (1) | عصبہ (1) |
| 4 = 4 x 1 | 4 = 4 x 1 |

مسئلہ ۲ سے بنا۔ شوہر کو نصف یعنی ایک حصہ دیا۔ ۴ بھائیوں کو بطورِ عصبہ ایک حصہ دیا جو ۴ بھائیوں پر پورا تقسیم نہیں ہو رہا۔ سہم ایک اور رؤوس ۴ کے درمیان تباین کی وجہ سے کل رؤوس ۴ کو عددِ مضروب بنا کر اصل مسئلہ ۲ میں ضرب دیا تو مسئلہ ۸ ہو گیا۔ ہر فریق کا حصہ معلوم کرنے کے لیے اسی عددِ مضروب ۴ کو شوہر کے اصل مسئلہ سے ملے ہوئے ایک حصہ کے ساتھ ضرب دیا تو شوہر کے حصے ۴ ہو گئے۔ اسی طرح عددِ مضروب ۴ کو بھائیوں کو اصل مسئلے سے ملے ہوئے ایک حصہ کے ساتھ ضرب دیا تو بھائیوں کے حصے ۴ ہو گئے یعنی ہر ایک بھائی کو ایک ایک حصہ مل جائے گا۔

**دفعہ 57: تصحیح کے بعد ہر وارث کا حصہ معلوم کرنے کے لیے ہر فریق کو تصحیح میں سے ملے ہوئے حصوں کو اس فریق کے عددِ رؤوس پر تقسیم کریں گے۔**[1]

**وضاحت:**

میراث کا مسئلہ حل کرنے کے دوران تصحیح کے بعد اگر ہر فریق کے ہر وارث کا الگ متعین حصہ معلوم کرنا ہو تو اس فریق کو تصحیح سے ملے ہوئے حصوں کو اس فریق کے عددِ رؤوس پر تقسیم کریں گے۔ ہر وارث کا حصہ معلوم ہو جائے گا مثلاً کسی مسئلۂ میراث میں ۵ بیٹیوں کے فریق کو تصحیح سے مشترکہ طور پر ۱۲۰ حصے ملے ہوں تو ہر وارث (بیٹی) کا حصہ معلوم کرنے کے لیے ان ۱۲۰ حصوں کو عددِ رؤوس ۵ پر تقسیم کریں گے۔ جواب ۲۴ آئے گا۔ یہی ۲۴ حصے ہر بیٹی کا حصہ ہو گا۔[2]

تصحیح سے ہر وارث کا حصہ معلوم کرنے کے کئی طریقے مزید بھی ہیں[3] لیکن مذکورہ بالا طریقہ سب سے آسان ہے۔

1 الفتاوی الھندیۃ، ۶:۴۶۷

2 طرازی شرح سراجی، ص:۱۶۲

3 مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابھر، ۲:۷۸۰

## کتاب الفرائض: باب ۱۳: عول کے بیان میں

### دفعہ 58: مخرج سے ورثا کے حصوں کے بڑھ جانے کی صورت میں مخرج کو حصوں کے بقدر بڑھانا عول کہلاتا ہے۔[1]

**وضاحت:**

علم المیراث کے مسائل تین قسم کے ہوتے ہیں:

۱: مسئلہ عادلہ ۲: مسئلہ قاصرہ ۳: مسئلہ عائلہ

**۱: مسئلہ عادلہ:**

ایسا مسئلہ جس میں اصل مسئلہ یا مخرج ورثا کے حصص کے مطابق بالکل برابر ہو۔ مخرج میں کوئی کمی یا زیادتی نہ آرہی ہو۔ مسئلۂ عادلہ کہلاتا ہے۔ اسی طرح اگر مخرج کے حصے ورثا کے حصوں سے زیادہ ہو لیکن وارثوں میں کوئی عصبہ موجود ہو جو ان بچے ہوئے سب حصوں کو لے لیں تو یہ مسئلہ بھی مسئلہ عادلہ ہو گا مثلاً ایک شخص نے دو حقیقی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں چھوڑیں تو اصل مسئلہ اور مخرج تین ہو گا۔ دو حقیقی بہنوں کو دو تہائی اور دو اخیافی بہنوں کو ایک تہائی ملے گا۔ مخرج کے حصے اور ورثا کے حصے بالکل برابر ہے لہٰذا یہ مسئلہ عادلہ ہے۔

**۲: مسئلہ قاصرہ:**

ایسا مسئلہ جس میں اصل مسئلہ یا مخرج، ورثا کے حصوں سے زیادہ ہو اور کوئی عصبہ بھی نہ ہو جن کو یہ بچا ہوا حصہ دیا جائے۔ مسئلہ قاصرہ کہلاتا ہے۔ یہ بچا ہوا مال ذوی الفروض پر رد کیا جائے گا۔ مثلاً کسی شخص نے ۲ حقیقی بہنیں اور والدہ چھوڑی۔ ۲ حقیقی بہنوں کو دو تہائی اور والدہ کو چھٹا حصہ دیا جائے گا جب کہ ایک چھٹا حصہ باقی بچ جائے گا۔ کوئی عصبی رشتہ دار بھی نہیں ہے جسے یہ باقی بچا ہوا ترکہ دیا جائے لہٰذا یہ ترکہ ذوی الفروض پر رد کیا جائے گا۔

**۳: مسئلہ عائلہ:**

ایسا مسئلہ جس میں اصل مسئلہ یا مخرج، ورثا کے شرعی حصوں سے کم پڑ جائے اور ورثا کے حصے زیادہ ہو مسئلۂ عائلہ کہلاتا ہے۔ ورثا کے حصوں کے بقدر اصل مسئلہ یا مخرج میں اضافہ کیا جائے گا مثلاً ورثا میں میّت کا شوہر اور دو حقیقی بہنیں ہوں تو شوہر کا حصہ نصف اور حقیقی بہنوں کا حصہ دو تہائی ہے۔ اصولِ میراث کے مطابق مخرج اور اصل مسئلہ ۶ سے بنے گا جب کہ ورثا کے حصے مذکورہ مخرج کا نصف یعنی ۳ اور دو تہائی یعنی ۴ ہیں جن کا مجموعہ ۷ آرہا ہے۔ ورثا کے ۷ حصے مخرج ۶ سے زیادہ ہیں لہٰذا عول کر کے مسئلہ کو ۶ سے ۷ کیا جائے گا۔[2]

لغت میں عول کا معنیٰ ہے زیادہ ہونا، غالب ہونا، مائل ہونا۔ عال المیزان اس وقت کہا جاتا ہے جب ترازو کا ایک پلڑا ابھاری ہو کر ایک طرف مائل ہو جائے۔[3]

---

1 الفتاوی الهندیة، ۶: ۴۶۸

2 المبسوط، ۲۹: ۱۶۱

3 لسان العرب، ۱۱: ۴۸۲

علمِ میراث کے اصطلاح میں مخرج سے ورثا کے حصوں کے بڑھ جانے کی صورت میں مخرج میں اضافہ کرنا، عول کہلاتا ہے یا مخرج کا ورثا کے حصوں سے تنگ ہونے کی صورت میں اس میں اضافہ کرنا عول کہلاتا ہے۔[1]

تقسیمِ ترکہ میں مسئلہ حل کرتے وقت کل ۷ مخارج بننے کا امکان ہوتا ہے۔ ۲، ۳، ۴، ۶، ۸، ۱۲، ۲۴

ان میں پہلے چار میں بالکل عول کی ضرورت نہیں پڑتی یعنی ۲، ۳، ۴ اور ۸ مخرج میں عول کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تین مخارج کا عول آتا ہے۔ ۶ کا عول ۱۰ تک طاق اور جفت دونوں طرح آسکتا ہے یعنی ۷، ۸، ۹ اور ۱۰ سب آسکتے ہیں۔ ۱۲ کا عول صرف طاق آتا ہے یعنی ۱۳، ۱۵ اور ۱۷۔ ۲۴ کا عول صرف ۲۷ آتا ہے جب کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کے مسلک میں ۲۴ کا عول ۳۱ بھی آتا ہے۔[2]

**۲۴ کا عول ۲۷ ہونے کی مثال:**

میّت کے ورثا بیوی، دو بیٹیاں، والد اور والدہ ہیں۔ اصولِ میراث کے مطابق اصل مسئلہ ۲۴ سے بنے گا جن میں سے بیوی کو آٹھواں حصہ یعنی تین حصے، دو بیٹیوں کو دو تہائی یعنی ۱۶ حصے، والد اور والدہ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ یعنی ۴، ۴ حصے دیئے جائیں گے۔ ورثا کے ان حصوں کا مجموعہ ۲۷ آتا ہے جب کہ مخرج ۲۴ ہے لہٰذا مخرج ۲۴، ۲۷ کی طرف عول ہو جائے گا۔

اس مسئلہ کو مسئلہ منبریہ کہا جاتا ہے کیونکہ یہ مسئلہ سیدنا علیؓ سے کوفہ کے منبر پر خطبہ کے دوران پوچھا گیا تھا کہ اس میں تو بیوی کا آٹھواں حصہ پورا نہیں ہوتا۔ آپؓ علمِ میراث کے ایسے ماہر تھے کہ دورانِ خطبہ ہی جواب دے کر سائل کو مطمئن کر دیا کہ صار ثمنها تسعا یعنی اس مسئلہ میں بیوی کا آٹھواں حصہ نواں ہو گیا ہے۔[3]

ماہرینِ علمِ میراث کے مطابق عول ۱۰ کی صورت میں میّت عورت ہو گی۔ عول ۱۷ اور ۲۷ کی صورت میں میّت مذکر ہو گی جب کہ ان کے علاوہ عول کے مسائل میں میّت مذکر بھی ہو سکتا ہے اور مؤنث بھی۔[4]

---

1 تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ۶: ۲۴۴

2 تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ۶: ۲۴۴

3 الجوهرة النيرة، ۲: ۳۱۲

4 الفتاوى الهندية، ۶: ۴۶۹

**دفعہ 59: ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد عصبات کی غیر موجودگی میں بچا ہوا ترکہ دوبارہ نسبی ذوی الفروض (شوہر اور بیوی کے علاوہ دیگر ذوی الفروض) کو ان کے حصوں کے مطابق دینا رد کہلاتا ہے۔[1]**

**وضاحت:**

رد کا لغوی معنیٰ ہے لوٹانا، واپس کرنا۔ لسان العرب میں ہے:

"صَرْفُ الشَّيْءِ ورَجْعُه"[2]

ترجمہ: کسی چیز کو لوٹانا اور واپس کرنا۔

میراث کے اصطلاح میں ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد اگر کچھ ترکہ باقی رہ جائے اور کسی قسم کا عصبہ بھی موجود نہ ہو تو دوبارہ نسبی ذوی الفروض کو ان کے حصوں کے بقدر ترکہ دینا، رد کہلاتا ہے۔[3]

رد صرف نسبی ذوی الفروض پر ہوتا ہے انہیں میراث کے اصطلاح میں "من یرد علیه" کہا جاتا ہے۔ زوجین (میاں، بیوی) چونکہ نسبی رشتہ دار نہیں۔ اس لیے ان پر رد نہیں ہوتا۔ انہیں اصطلاحِ میراث میں "من لا یرد علیه" کہا جاتا ہے، لیکن اگر میاں بیوی کے علاوہ کوئی دوسرا وارث ذوی الارحام، مولی الموالات، مقر له بالنسب علی الغیر، موصی له بجمیع المال نہ ہو اور کوئی منظم بیت المال بھی نہ ہو جو مال کو صحیح مصرف میں خرچ کرتا ہو تو متاخرین احناف نے ان حالات میں زوجین پر رد کرنے کا فتویٰ دیا ہے۔[4]

رد، عول کی ضد ہے۔ عول میں اصل مسئلہ کم رہ جاتا ہے اور حصے بڑھ جاتے ہیں جب کہ رد میں اصل مسئلہ زیادہ ہوتا ہے اور حصے کم ہوتے ہیں۔

**ردِ میراث کا طریقہ:**

پہلے مخارج الفروض کے قاعدے سے سادہ مسئلہ بنائیں گے تاکہ معلوم ہو جائے کہ سہام بچ کر مسئلہ ردیّہ بنتا ہے یا نہیں۔ سہام بچ جانے کی صورت میں مختلف احوال کے لحاظ سے رد کے قواعد جاری کر کے مسئلہ پر رد کا نشان بنا کر سہام کا مجموعہ لکھ دیں گے۔ مخارج الفروض کے قاعدے سے بنا ہوا مسئلہ کالعدم ہو جائے گا اور مسئلہ ردیّہ ہو جائے گا۔

**تقابل:**

فقہ اسلامی کی طرح ۱۹۸۶ میں سندھ ہائی کورٹ کراچی نے بھی ایک مقدمہ میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ اگر کوئی دیگر وارث آیا کہ وہ ذوی الارحام کا حصہ دار ہو تو خاوند اور بیوی رد کی مستحق نہیں ہو گی لیکن جہاں کوئی دیگر وارث نہ ہو تو خاوند یا بیوہ جو بھی زندہ ہو تو وہ باقی ماندہ بذریعہ اصول رد حاصل کرنے کی مستحق ہو گی / ہو گا۔ اسی طرح ۱۹۷۹ کے مقدمہ میں فیصلہ دیا گیا ہے کہ متوفی کی بیٹی کی

1 الفتاوی الهندیة، ۶: ۴۶۹
2 لسان العرب، ۳: ۱۷۲
3 الاختیار لتعلیل المختار، ۵: ۹۹
4 الدر المختار، ۶: ۷۸۸

موجودگی میں بیوہ رد (Return) کی مستحق نہ ہوگی۔ ان فیصلوں سے یہ بات ثابت ہوگی ہے کہ پاکستان میں میراث کے مسائل میں شریعتِ مطہرہ کے مطابق ہی فیصلے کیے جاتے ہیں۔[1]

**دفعہ 60: من لا یرد علیہ (زوجین) کی عدمِ موجودگی میں، من یرد علیہ کی ایک جنس ہونے کی صورت میں ان کی تعداد سے مسئلہ بنایا جائے گا۔**[2]

**وضاحت:**

رد کے مسائل کی چار قسمیں ہیں:

۱: من یرد علیہ کی صرف ایک جنس ہو۔

۲: من یرد علیہ کی متعدّدِ اجناس ہو۔

۳: من یرد علیہ کی ایک جنس اور من لا یرد علیہ بھی ساتھ ہو۔

۴: من یرد علیہ کی متعدّدِ اجناس کے ساتھ من لا یرد علیہ بھی ہو۔

مسئلہ میں من یرد علیہ کی صرف ایک جنس ہو اور من لا یرد علیہ نہ ہو تو مسئلہ من یرد علیہ کے افراد کی تعداد سے بنے گا مثلاً اگر میّت صرف دو بیٹیاں ہوں یا صرف دو بہنیں ہوں یا صرف دو دادیاں ہو تو مسئلہ ردیّہ ان کے افراد کی تعداد ۲ سے بنے گا۔[3]

**دفعہ 61: من یرد علیہ کی دو یا تین جنس ہونے کی صورت میں مسئلہ ان کے مجموعہ ٔسہام سے بنایا جائے گا۔**[4]

**وضاحت:**

اگر کسی مسئلہ میں من یرد علیہ کی دو یا تین جنسیں ہوں اور من لا یرد علیہ نہ ہو تو ان اجناس کو مخارج الفروض کے قاعدے کے ذریعے سادہ مسئلے سے جو سہام ملتے ہوں ان سہام کا مجموعہ رد کے لیے مخرج بنے گا۔ مثلاً اگر کسی مسئلے میں فریقین کو دو سدس مل رہے ہوں تو ایک سدس ایک حصہ اور دوسرا سدس دوسرا حصہ ہو گا تو مسئلہ ردیّہ ان کے مجموعے دو سے بنے گا۔ اسی طرح اگر کسی مسئلے میں ایک فریق کو دو حصے اور دوسرے کو ایک حصہ مل رہا ہو تو ان سہام کے مجموعہ تین سے مسئلہ ردیّہ بنے گا[5] مثلاً کسی میّت کے دو اخیافی بھائی اور والدہ زندہ ہیں۔ صورتِ مسئلہ یوں ہو گا۔

| میّت 6 رد 3 | |
| --- | --- |
| 2 اخیافی بھائی | والدہ |

1 1986 PLD Karachi, P# 269; PLJ 1979 AJ & K SC, P# 80; 1990 MLD , P# 725

2 الفتاوی الهندیة، ۶:۴۶۹

3 السراجی فی المیراث، ص:۹۶

4 الفتاوی الهندیة، ۶:۴۶۹

5 البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۸:۵۸۸

| | |
|---|---|
| تہائی | چھٹا حصہ |
| 2 | 1 |

مسئلہ ٦ سے بنا۔ دو اخیافی بھائیوں کو تہائی یعنی ۲ حصے دیئے اور والدہ کو چھٹا حصہ یعنی ایک دیا۔ ان حصوں کا مجموعہ ۳ رد کے لیے مخرج ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر ایک فریق کو ۴ حصے اور دوسرے کو ایک حصہ مل رہا ہو تو ان حصوں کے مجموعے ۵ سے مسئلہ ردیّہ بنے گا مثلاً میّت کی دو بیٹیاں اور والدہ ورثا ہیں۔

| میّت 6 رد 5 | |
|---|---|
| 2بیٹیاں | والدہ |
| دو تہائی | چھٹا حصہ |
| 4 | 1 |

مسئلہ ٦ سے بنا۔ دو بیٹیوں کو دو تہائی یعنی چار حصے اور والدہ کو چھٹا یعنی ایک حصہ مل گیا۔ ان حصوں کا مجموعہ ۵ رد کے لیے مخرج ہو جائے گا۔

مسئلہ ردیّہ میں من یرد علیہ کی صرف تین جنسیں ہو سکتی ہیں۔ چار نہیں ہو سکتیں۔

**دفعہ 62: من یرد علیہ کی ایک جنس من لا یرد علیہ کے ساتھ موجود ہونے کی صورت میں من لا یرد علیہ کے کم حصہ کو مخرج بنا کر اس کا حصہ دے کر باقی ماندہ اور من یرد علیہ کی تعداد میں نسبت دیکھی جائے گی۔ تماثل کی صورت میں باقی ماندہ من یرد علیہ کو دیا جائے گا۔ توافق کی صورت میں من یرد علیہ کی تعداد کے وفق اور تباین کی صورت میں من یرد علیہ کے کل رؤوس کو اصل مسئلہ میں ضرب دے کر مسئلہ کی تصحیح کی جائے گی۔**[1]

**وضاحت:**

اگر من یرد علیہ کی ایک جنس کے ساتھ من لا یرد علیہ بھی ہو تو من لا یرد علیہ کے کم حصے سے مسئلہ بنا کر اس کا اپنا حصہ دیا جائے۔ باقی ماندہ اور من یرد علیہ کی تعداد میں نسبت دیکھی جائے گی۔ اگر باقی اور من یرد علیہ کی تعداد میں تماثل کی نسبت ہو تو یہ باقی ماندہ حصے من یرد علیہ کو دیئے جائیں گے اور اگر باقی اور من یرد علیہ کی تعداد برابر نہ ہو بلکہ ان میں توافق یا تداخل کی نسبت ہو تو من یرد علیہ کی تعداد کے وفق یا داخل کو اصل مسئلہ (باقی) میں ضرب دیں گے اور اگر باقی اور من یرد علیہ کی

1 الفتاوی الهندیة، ٦: ٤٦٩

تعداد میں تباین کی نسبت ہو تو من یرد علیہ کے کل تعدادِ رؤوس کو اصل مسئلہ (باقی) میں ضرب دیا جائے گا۔ یہ اس مسئلہ کی تصحیح ہو گی اور یہی حاصلِ ضرب من یرد علیہ کا حصہ ہو گا۔[1]

## باقی اور من یرد علیہ کی تعداد میں تماثل کی مثال:

ورثا زوج اور تین بیٹیاں ہیں۔ مسئلہ ۱۲ سے بنے گا جن میں سے چوتھائی حصہ یعنی ۳ شوہر کو اور دو تہائی یعنی ۸ حصے تین بیٹیوں کو ملیں گے۔ ان کا مجموعہ ۱۱ ہوا جب کہ ایک حصہ بچ گیا۔ معلوم ہوا کہ مسئلہ ردیہ ہے۔ اب دوبارہ مسئلہ ردیہ بنانا ہو گا۔

| میّت 4 باقی 3 | |
|---|---|
| شوہر | 3بیٹیاں |
| چوتھائی | دو تہائی |
| 1 | باقی 3ان تین بیٹیوں کو ملیں گے۔ |

من لا یرد علیہ کے کم حصہ چوتھائی سے مخرج بنا کر اس کا ایک حصہ دیا۔ باقی تین بچا۔ اس باقی اور من یرد علیہ کی تعداد میں تماثل کی نسبت ہے لہٰذا قاعدہ مذکورہ کے مطابق باقی ماندہ حصے ان من یرد علیہ ورثا کو دے دیں گے جو ان پر پورے پورے تقسیم ہو جائیں گے۔

## باقی اور من یرد علیہ کی تعداد میں تداخل کی مثال:

شوہر اور ۶ بیٹیاں ورثا ہیں۔ مخارج الفروض کے قاعدوں سے مسئلہ ۱۲ سے بنے گا۔ چوتھائی یعنی ۳ حصے شوہر کو اور دو تہائی یعنی ۸ حصے چھ بیٹیوں کو دیئے جائیں گے۔ ان سہام کا مجموعہ ۱۱ ہو گیا جب کہ اصل مسئلہ ۱۲ سے بنا ہے۔ ایک حصہ بچ گیا لہٰذا یہ مسئلہ ردیہ ہے۔ رد والے مسئلہ کی صورت اس طرح ہو گی۔

| میّت: 4 x 2 = 8 باقی 3 | |
|---|---|
| شوہر | 6بیٹیاں |
| چوتھائی | دو تہائی |
| 2=1x 2 | 6= 2x3 |

شوہر کے اقل حصہ چوتھائی کو مخرج بنا کر اس سے شوہر کا حصہ ایک دیا تو باقی ۳ بچا۔ باقی ۳ اور من یرد علیہ کی تعداد ۶ میں تداخل ہے۔ من یرد علیہ کی تعداد ۶ کے دخل ۲ کو اصل مسئلہ ۴ میں ضرب دیا۔ تصحیح ۸ سے ہو گئی۔ پھر اسی دخل ۲ کو شوہر کے حصہ ایک میں ضرب دیا تو اس کے حصے دو ہو گئے اور دخل کو باقی ۳ میں ضرب دیا تو ۶ حاصل ہوا یہی ۶ من یرد علیہ فریق کا حصہ ہے۔

---

1 الاختیار لتعلیل المختار، ۵:۱۰۰

### باقی اور من یرد علیہ کی تعداد میں تباین کی مثال:

شوہر اور پانچ بیٹیاں ورثا ہیں۔ مسئلہ ۱۲ سے بنا۔ شوہر کو چوتھائی حصہ یعنی ۳ حصے دیئے اور پانچ بیٹیوں کو دو تہائی یعنی ۸ حصے دیئے۔ ان حصوں کا مجموعہ ۱۱ ہے جب کہ مخرج ۱۲ ہے ایک حصہ بچ گیا لہذا مسئلہ ردیّہ ہے۔ مسئلہ ردیّہ کی صورت یہ ہو گی۔

| میّت 4 x 5 = 20 | باقی 3 |
|---|---|
| شوہر | 5 بیٹیاں |
| چوتھائی (1) | دو تہائی |
| 5= 5x1 | 15= 5 x 3 |

من لا یرد علیہ کے کم حصہ ۴ سے مخرج بنا کر اس کا حصہ دیا۔ باقی ۳ بچا اس باقی اور من یرد علیہ بیٹیوں کی تعداد میں تباین ہے۔ لہذا من یرد علیہ کے کل عددِ رؤوس کو اصل مسئلہ ۴ میں ضرب دیا تو تصحیح ۲۰ سے ہو گئی۔ پھر اسی پانچ عددِ مضروب کو شوہر کے ایک حصہ میں ضرب دیا تو اسے پانچ حصے ملے اور اسے باقی تین میں ضرب دیا تو حاصلِ ضرب ۱۵ آیا جو کہ من یرد علیہ فریق کا حصہ ہے۔

**دفعہ 63: من یرد علیہ کی دو یا تین جنسوں کے ساتھ من لا یرد علیہ بھی ہو تو دونوں کے مسئلے الگ الگ بنا کر باقی اور من یرد علیہ کے مسئلہ ردیّہ میں اگر تماثل کی نسبت ہو تو باقی من یرد علیہ کو دیا جائے گا اور اگر باقی اور من یرد علیہ کے مسئلہ ردیّہ میں تماثل نہ ہو تو من یرد علیہ کے مسئلے کو من لا یرد علیہ کے مسئلے میں ضرب دینا ہو گا یہی حاصلِ ضرب ہر فریق کے لیے مخرج ہو گا۔**[1]

**وضاحت:**

من یرد علیہ کی دو یا تین جنسوں کے ساتھ اگر من لا یرد علیہ ورثا جمع ہو جائے تو ایک ہی میّت کھینچ کر اسی میں من لا یرد علیہ کا مسئلہ الگ بنا کر شوہر یا بیوی کو ان کے کم حصے سے ان کا حصہ دے دیں گے اور باقی لکھ لیں گے پھر من یرد علیہ کا مسئلہ بھی مخارج الفروض کے سادہ قاعدہ سے بنا لیں گے باقی اور من یرد علیہ کے مسئلہ ردیّہ (مخرج) میں نسبت دیکھ لیں گے اگر تماثل کی نسبت ہو تو باقی من یرد علیہ کو دیا جائے گا اور اگر باقی اور من یرد علیہ کے مخرج مسئلہ ردیّہ میں تماثل نہ ہو تو من یرد علیہ کے مخرج کو من لا یرد علیہ کے مخرج میں ضرب دے دیں گے۔ یہی حاصلِ ضرب ہر فریق کے لیے مخرج ہو گا۔

تباین کی صورت میں تصحیح سے ہر فریق کا حصہ معلوم کرنے کے لیے من لا یرد علیہ کے حصوں کو من یرد علیہ کے مسئلہ ردیّہ میں اور من یرد علیہ کے حصوں کو من لا یرد علیہ کے حصے کے مخرج کے باقی میں ضرب دیں گے۔

### باقی اور من یرد علیہ کے مخرج میں تماثل کی مثال:

1 الفتاوی الھندیۃ، ۶:۴۷۰

ایک شخص نے وفات کے وقت بیوی، ۴ جدّات اور ۶ اخیافی بہنیں چھوڑیں۔ مخارج الفروض کے قواعد سے معلوم ہوا کہ مسئلہ ردیّہ ہے۔ مسئلہ ردیّہ یوں ہو گا۔

| میّت: 4 48=12 x 4 باقی 3 | مسئلہ 6 رد 3 | |
|---|---|---|
| من لا یرد علیہ | من یرد علیہ | |
| بیوی | 4جدات | 6اخیافی بہن |
| چوتھائی (1) | چھٹا (1) | تہائی (2) |
| 12= 12 x 1 | 12 = 12 x 1 | 24 = 12 x 2 |
| | اعدادِ محفوظہ 4 | 6 |

من یرد علیہ اور من لا یرد علیہ دونوں کے الگ الگ مسئلے بنائیں۔ من لا یرد علیہ کا مسئلہ بیوی کے اقل حصے چوتھائی کو مخرج بنا کر اس میں سے بیوی کو چوتھائی حصہ یعنی ایک دیا۔ باقی تین بچا من یرد علیہ کا مسئلہ ۶ سے بنا۔ ۴ جدّات کو چھٹا یعنی ایک حصہ دیا۔ ۶ اخیافی بہنوں کو تہائی یعنی دو حصے دیئے۔ باقی ۳ اور من یرد علیہ کے مخرج یعنی مسئلہ ردیّہ میں تماثل کی نسبت ہے۔ دونوں ۳،۳ ہیں لہٰذا یہی باقی من یرد علیہ کو دیا جائے گا چونکہ سہام رؤس پر پورے تقسیم نہیں ہو رہے ہیں اس لیے اصولِ میراث کے مطابق اعدادِ محفوظہ نکال کر ان میں تباین نسبت کی وجہ سے ان کے حاصلِ ضرب کو اصل مسئلہ اور تمام ورثا کے سہام میں ضرب دے کر تصحیح کی جائے گی۔ اصل مسئلہ ۴۸ ہو گیا۔ بیوی اور جدّات کو ۱۲، ۱۲ اور اخیافی بہنوں کو ۲۴ حصے مل جائیں گے جو ان کے رؤس پر پورے پورے تقسیم ہو رہے ہیں۔

## باقی اور من یرد علیہ کے مخرج میں تباین کی مثال:

۴ زوجات، ۹ بیٹیاں اور ۶ جدّات ورثا ہوں تو مسئلہ پہلے مخارج الفروض کے قواعد کے مطابق بنایا جائے گا۔ مسئلہ ۲۴ سے بنتا ہے۔ ۳ حصے زوجات کو، ۱۶ بیٹیوں اور ۴ حصے جدّات کو دیں گے۔ مجموعہ سہام ۲۳ بنے گا۔ ایک حصہ بچے گا لہٰذا مسئلہ ردیّہ ہے۔ اب مسئلہ ردیّہ اس طرح حل ہو گا۔

| میّت: 8 x 5 = 40 x 36 = 1440 باقی 7 | 6 رد 5 | |
|---|---|---|
| من لا یرد علیہ | من یرد علیہ | |
| 4بیویاں | 9 بیٹیاں | 6جدّات |
| آٹھواں حصہ (1) | دو تہائی (4) | چھٹا حصہ (1) |
| 180= 36 x5=5x1 | 1008=36x28=7x4 | 252=36x7=7x1 |
| اعدادِ محفوظہ: 4 | 9 | 6 |

مسئلہ ردیّہ میں من لا یرد علیہ کا مسئلہ الگ بنا کر ان کے اقل حصے آٹھویں میں سے انہیں ایک حصہ دیا۔ باقی ۷ بچا اور من یرد علیہ کا مسئلہ الگ حل کر کے ۶ سے مسئلہ بنا۔ ۹ بیٹیوں کو دو تہائی یعنی چار حصے اور ۶ جدّات کو چھٹا حصہ یعنی ایک دیا۔ باقی ۷ اور من

یرد علیہ کے مسئلہ ردیّہ کے درمیان تماثل نہیں تباین ہے لہذا اصولِ مذکورہ کے مطابق من یرد علیہ کے مسئلہ ردیّہ ۵ کو من لا یرد علیہ کے مسئلہ ۸ میں ضرب دیا۔ حاصل ضرب ۴۰ آیا یہ اس مسئلے کی پہلی تصحیح ہے۔ پھر ہر فریق کا حصہ معلوم کرنے کے لیے من لا یرد علیہ بیوی کے ایک حصہ کو من یرد علیہ کے مسئلہ ردیّہ ۵ میں ضرب دیا تو بیوی کے حصے ۵ ہو گئے اور من یرد علیہ کے فریقین کے حصوں کو من لا یرد علیہ کے مسئلہ کے باقی ماندہ ۷ میں ضرب دیا۔ ۹ بیٹیوں کے حصے ۲۸ اور ۶ جدّات کے حصے ۷ ہو گئے۔ پھر چونکہ ہر فریق میں کسر آرہا ہے۔ سہام، رؤوس پر پورے تقسیم نہیں ہو رہے۔ اس لیے قواعدِ تصحیح کے مطابق اعدادِ محفوظہ نکال کر مسئلہ کی مزید تصحیح کی جائے گی۔ تمام فریقین کے سہام اور رؤوس کے درمیان تباین کی وجہ سے فریقین کے عددِ رؤوس کو عددِ محفوظ بنایا۔ اعدادِ محفوظہ ۴، ۹، ۶ ہیں۔ ان کے درمیان توافق کی نسبت ہے لہذا ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں ضرب دیا۔ حاصل ضرب ۳۶ آیا۔ اسے اصل مسئلہ اور تمام سہام میں ضرب دے کر دوبارہ تصحیح کی۔ مسئلہ ۱۴۴۰ ہو گیا۔ زوجات کے حصے ۱۸۰، بیٹیوں کے حصے ۱۰۰۸ اور جدّات کے حصے ۲۵۲ ہو گئے جو تمام ورثا پر پورے پورے تقسیم ہو رہے ہیں۔

## فصل دوم: کتاب الفرائض الباب الخامس عشر تا الباب الثامن عشر کی دفعہ بندی اور ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ

### کتاب الفرائض: باب ۱۵: مناسخہ کے بیان میں

**دفعہ 64: تقسیمِ ترکہ سے پہلے کسی وارث کے مر جانے کی صورت میں اس کا حصہ میراث اس کے ورثا کی طرف منتقل کرنا مناسخہ کہلاتا ہے۔**[1]

**وضاحت:**

دینِ اسلام ایک جامع، کامل اور عدل وانصاف کی اصولوں پر مبنی دین ہے۔ ہر صاحبِ حق کو اس کا حق دیتا ہے۔ اگر چہ صاحبِ حق کسی وجہ سے خود موجود نہ ہو یا اپنے حق سے لاعلم ہو۔ اس کا حق محفوظ رہتا ہے جسے وہ خود یا اس کے ورثا وصول کر لیتے ہیں۔ میراثِ مفقود، میراثِ حمل اور مناسخہ اس کی مثالیں ہیں۔

مناسخہ، نسخ سے نکلا ہے اور اس کا لغوی معنیٰ ہے نقل کرنا۔ عربی زبان میں کہا جاتا ہے۔نسخت الکتاب۔[2] میں نے کتاب کو ایک نسخہ سے دوسرے نسخہ کی طرف نقل کیا۔ میراث کے اصطلاح میں تقسیمِ ترکہ سے پہلے کسی وارث کے مر جانے کی وجہ سے اس کا حصہ میراث اس کے ورثا کی طرف منتقل کرنا، مناسخہ کہلاتا ہے۔[3]

تقسیمِ ترکہ سے پہلے اگر کسی وارث کا انتقال ہو جائے تو اس وارث کو ایک مورث یا چند مورثوں کی طرف سے جو حصہ میراث میں ملتا ہے وہ محفوظ طریقے سے اس کے ورثا کی طرف منتقل کیا جاتا ہے۔ اس عمل کو علمِ میراث کے اصطلاح میں "مناسخہ" کہا جاتا ہے۔

**مناسخہ کے اصول اور طریقہ:**

مناسخہ کے اصول اور طریقہ سمجھنے سے پہلے چند اصطلاحات کا سمجھنا ضروری ہے۔

**۱: مورثِ اعلیٰ:** مناسخہ میں سب سے پہلے مرنے والے شخص کو مورث اعلیٰ کہا جاتا ہے۔

**۲: مافی الید:** میّت وارث کے وہ حصے جو اسے اوپر والے ایک یا چند مورثوں سے ملے ہوں۔ مافی الید کہلاتے ہیں۔ اس کا مخفف لفظ مف (میم اور فاء ہے۔) جو میّت والے خانے میں بائیں طرف لکھا جاتا ہے۔

**۳: قبر کا نشان:** مورثِ اعلیٰ کا ترکہ تقسیم ہونے سے پہلے مرنے والے ورثا کو ان کے ملے ہوئے حصوں سمیّت ایک نشان " U " میں بند کیا جاتا ہے۔ مدرسین اسے علامتِ قبر کہتے ہیں۔

**۴: المبلغ:** مناسخہ کے دوران آخری تصحیح اور حاصلِ ضرب جس پر تقسیمِ ترکہ میں پورے ترکہ کو تقسیم کیا جائے گا۔ المبلغ کہلاتا ہے۔

---

1 الفتاوى الهندية، ٦: ٤٧٠

2 الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية، أبو نصر إسماعيل بن حماد الجوهري الفارابي (المتوفى: 393هـ)، ١: ٤٣٣، دار العلم للملايين، بيروت، طبعة رابعة 1407 هـ/1987ء

3 الموسوعة الفقهية الكويتية، ٣٩: ٢٣

**۵:الأحیاء:** اس لفظ سے تمام زندہ ورثا کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ تمام بطون کی تصحیح مکمل کرنے کے بعد آخر میں الاحیاء لفظ کے نیچے تمام زندہ ورثا کے نام اور ان کے نیچے ان کے حصے لکھے جاتے ہیں۔

عملِ مناسخہ کے دوران پہلے مورثِ اعلیٰ کے مسئلہ کی تصحیح مخارج الفروض والے قواعد کے مطابق کی جائے گی اور اس کے موت کے وقت زندہ ورثا کو سہام دیئے جائیں گے۔ پس اگر وارثانِ میّت ثانی وہی ہو جو میّتِ اول کے وارثان ہیں۔ میّت ثانی کا کوئی مزید وارث نہ ہو تو اسی ایک مورثِ اعلیٰ والی تصحیح اور تقسیم پر اکتفا کیا جائے گا۔ میّت ثانی کے تصحیح کی ضرورت نہیں کیونکہ مکرر تصحیح اور تقسیم میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور اگر میّت ثانی کے ورثا میں سے کوئی ایسا ہو جو میّت اول کا وارث نہ ہو تو اس صورت میں دوسرے بطن میں میّت ثانی کے مسئلہ کی تصحیح کی جائے گی اور میّت ثانی کو میّت اول سے جو حصہ ملا ہے وہ حصہ مافی الید (مف) کے نشان سے میّت ثانی والے خانے کے بائیں طرف لکھ دی جائے گی۔ پھر میّت ثانی کے تصحیح اور اس کے مافی الید میں نسبت دیکھی جائے گی۔ اگر ان میں تماثل ہو تو کسی قسم کے ضرب کی ضرورت نہیں۔ اگر توافق کی نسبت ہو تو میّت ثانی کی تصحیح کے وفق کو میّت اول کی تصحیح میں ضرب دیا جائے گا اور اگر تباین کی نسبت ہو تو میّت ثانی کے کل تصحیح کو میّت اول کے کل تصحیح میں ضرب دی جائے گا۔ حاصلِ ضرب دونوں میّتوں کے ورثا کے حصوں کے لیے مخرج ہو گا اور اس سے تمام ورثا کے سہام نکلیں گے۔ ورثا کے حصے نکالنے کے لیے میّت اول کے ورثا کو تصحیح اول سے ملے ہوئے حصوں کو مضروب (وفق کی صورت میں تصحیح ثانی کا وفق اور تباین کی صورت میں کل تصحیح ثانی) میں ضرب دیا جائے گا اور میّت ثانی کے ورثا کو تصحیح ثانی سے ملے ہوئے حصوں کو توافق کی صورت میں مافی الید کے وفق میں اور تباین کی صورت میں کل مافی الید میں ضرب دیا جائے گا۔

مذکورہ اصول دو بطون کے مناسخہ کے لیے ہیں۔ اگر دو سے زیادہ بطون کا مناسخہ کرنا ہو تو تیسرے بطن کو میّتِ ثانی کے قائم مقام بنایا جائے گا اور پہلے دونوں بطون کو میّت اول کے قائم مقام کر کے مذکورہ قواعد جاری کیے جائیں گے۔ اسی طرح چار بطون کے مناسخہ میں پہلے تینوں بطون کو میّت اول کے قائم مقام اور چوتھے بطن کو میّت ثانی کے قائم مقام کیا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ سب سے آخری بطن کو میّت ثانی جب کہ اس سے پہلے والے تمام بطون کو میّت اول کے قائم مقام کیا جائے گا اور مذکورہ قواعد جاری کیے جائیں گے۔

## تماثل، توافق اور تباین پر مشتمل عملِ مناسخہ کی مثال:

ایک عورت حسینہ کا انتقال ہوا۔ اس کے ورثا شوہر حسین دوسرے شوہر سے بیٹی حسنیٰ اور والدہ محسنہ ہے۔ پھر شوہر حسین کا انتقال ہوا۔ اس کے وفات کے وقت زندہ ورثا بیوی احسانہ، والد حسن اور والدہ زکیہ ہے۔ پھر بیٹی حسنیٰ کا انتقال ہوا۔ اس کے ورثا جدہ محسنہ، بیٹا حسان، دوسرا بیٹا حسنین اور بیٹی زاہدہ ہے۔ پھر نانی محسنہ کا انتقال ہوا۔ اس کے ورثا شوہر اسلم، بھائی احمد اور دوسرا بھائی عاصم ہے۔ حسینہ (مورثِ اعلیٰ) کا ترکہ اب تک تقسیم نہیں ہوا۔ اب اس کا ترکہ مذکورہ زندہ ورثا میں تقسیم کرنے کے لیے مناسخہ کا عمل کرنا ہو گا۔

مورثِ اعلیٰ کے مسئلے کی تصحیح کر کے معلوم ہوا کہ مسئلہ ردیّہ ہے کیونکہ بطنِ اول میں مسئلہ ۱۲ سے بنا۔ شوہر کا چوتھائی تین حصے، بیٹی حسنیٰ کو نصف چھ حصے اور والدہ محسنہ کو چھٹا حصہ دو دیئے۔ مجموعہ سہام گیارہ آتا ہے لہذا ایک حصہ بچ گیا جسے رد کیا جائے گا۔ مناسخہ کی صورت یوں ہو گی۔

| | |
|---|---|
| میّت (حسینہ) 4/16/32/128 باقی 3 | 6 رد 4 |

| من لایرد علیہ | من یرد علیہ | |
|---|---|---|
| شوہر حسین | بیٹی حسنیٰ | والدہ محسنہ |
| چوتھائی (1) | نصف (3) | چھٹا (1) |
| 4 | 9 | 3 |

| میّت (شوہر حسین) 4 | تماثل | مف 4 |
|---|---|---|
| بیوی احسانہ | والد حسن | والدہ زکیہ |
| چوتھائی (1) | عصبہ (2) | باقی کا تہائی (1) |
| 8=4x2=2x1 | 16=4x4=2x2 | 8=4x2=2x1 |

| میّت (بیٹی حسنیٰ) 6 | توافق | | مف 9 |
|---|---|---|---|
| جدہ محسنہ | بیٹا حسان | بیٹا حسنین | بیٹی زاہدہ |
| چھٹا (1) | عصبہ (5) | | |
| 3=3x1 | 24=4x6=3x2 | 24=4x6=3x2 | 12=4x3=3x1 |

| میّت (جدہ محسنہ) 4/2 | تباین | مف 9 |
|---|---|---|
| شوہر اسلم | بھائی احمد | بھائی عاصم |
| نصف (1) | عصبہ (1) 2x | |
| 18=9x2=2x1 | 9=9x1 | 9=9x1 |

المبلغ: 128

الاحیاء: احسانہ (8)، حسن (16)، زکیہ (8)، حسان (24)، حسنین (24)، زاہدہ (12)، اسلم (18)، احمد (9)، عاصم (9)

قواعد کی رو سے من لا یرد علیہ شوہر کا مسئلہ الگ اس کے حصے کے مخرج چار سے بنا کر اسے ایک حصہ دیا۔ باقی ۳ بچا اور من یرد علیہ بیٹی اور والدہ کا مسئلہ الگ ۶ سے بنا اور قواعد کی رو سے ۴ سے رد ہوا۔ چونکہ من لا یرد علیہ (شوہر) کے مخرج سے بچے ہوئے باقی ۳ اور من یرد علیہ کے مسئلہ ردیّہ ۴ میں تماثل نہیں ہے۔ اس لیے رد کے قاعدہ نمبر ۴ سے من یرد علیہ کے مسئلہ ردیّہ کو من لا یرد علیہ کے مسئلہ میں ضرب دیا۔ حاصل ضرب ۱۶ سے مسئلہ کی تصحیح کی۔ ۴ شوہر، ۹ بیٹی کو اور ۳ حصے والدہ کو دیئے۔

دوسرے بطن شوہر حسین کا مسئلہ ۴ سے بنا۔ اس مسئلے کا حسین شوہر کے مافی الید (جو حصہ حسین کو مورِث اعلی سے ملا ہے) میں تماثل کی نسبت ہے لہذا ضرب وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

تیسرے بطن کے حسنیٰ بیٹی کا مسئلہ چھ سے بنا۔ اس مسئلے کا حسنی کے مافی الید ۹ کے ساتھ توافق کی نسبت ہے اس لیے اس کے مسئلہ ۶ کے وفق ۲ کو تصحیح اول ۱۶ میں اور بطنِ اول و دوم کے زندہ ورثا کے سہام میں ضرب دیا اور اسی تیسرے بطن حسنی بیٹی کے ورثا کے سہام کو اس کے مافی الید ۹ کے وفق ۳ میں ضرب دیا۔

چوتھے بطن میں جدہ محسنہ کا مسئلہ ۲ سے بنا اور ایک فریق (بھائیوں والا) میں کسر واقع ہونے کی وجہ سے تصحیح کی جس کی وجہ سے مسئلہ ۴ ہو گیا۔ اس مسئلہ اور جدہ محسنہ کے مافی الید ۹ کے درمیان تباین کی وجہ سے کل تصحیح یعنی ۴ کو پہلے بطن کی تصحیح کے ساتھ اور سابقہ بطنوں کے تمام زندہ ورثا کے سہام کے ساتھ ضرب دیا اور آخری بطن کے ورثا کے سہام کو اس کے مافی الید ۹ میں ضرب دیا تو سب کا حصہ معلوم ہو گیا۔ المبلغ لکھ کر اس خانے میں آخری تصحیح لکھ دی جو ۱۲۸ ہے اور الاحیاء لکھ کر اس کے نیچے تمام زندہ ورثا اور انہیں ملے ہوئے سہام لکھ دیئے۔

## میّت ثانی کے تصحیح اور مافی الید میں نسبتِ تداخل کی مثال:

اگر تصحیح میّت ثانی اور اس کے مافی الید میں تداخل کی نسبت ہو تو تصحیحِ میّت ثانی کا عدد مافی الید سے زیادہ ہونے کی صورت میں تصحیح ثانی کے دخل کو تصحیح اول میں ضرب دے کر حاصلِ ضرب دونوں مسئلوں کی تصحیح ہو گی۔ اس صورت میں صرف مورثِ اعلیٰ کے ورثا کے سہام کو مضروب (تصحیح ثانی کے دخل) میں ضرب دیا جائے گا جب کہ میّت ثانی کے ورثا کو مزید کچھ نہیں ملے گا اور اگر تصحیحِ میّت ثانی کا عدد چھوٹا اور مافی الید کا عدد بڑا ہو تو میّت ثانی کے ورثا کے سہام کو مافی الید کے دخل میں ضرب دیا جائے گا۔

**دفعہ 65: تقسیمِ ترکہ کے دوران کسی وارث یا فریق کو تصحیح سے ملے ہوئے سہام کو ترکہ میں ضرب دے کر حاصلِ ضرب کو کل عددِ تصحیح پر تقسیم کیا جائے گا۔[1]**

**وضاحت:**

ترکہ میں سے ہر وارث یا ہر فریق کا حصہ معلوم کرنے کے دو طریقے ہیں:

۱: اکائی کا طریقہ: (Unit Method)

۲: نسبت کا طریقہ: (Ratio Method)

### ۱: اکائی کا طریقہ: (Unit Method)

اس طریقہ میں مسئلہ کی تصحیح کر کے ورثا پر سہام تقسیم کر لیں گے۔ میّت والے خانے کے بائیں جانب ترکہ لکھ لیں گے۔ پھر ہر فریق یا وارث کو تصحیح سے ملے ہوئے سہام کو کل ترکہ میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو کل عددِ تصحیح پر تقسیم کریں گے۔ کیلکولیٹر کے ذریعے تقسیمِ ترکہ ایسا ہی کیا جاتا ہے جیسے آنے والے مثال میں شوہر کے تین حصوں کو کل ترکہ ۱۶ میں ضرب دیا جائے تو حاصلِ ضرب ۴۸ آئے گا۔ پھر اسے مسئلہ عائلہ کے ۸ سے تقسیم کیا تو جواب ۶ آیا۔ یہی ۶ شوہر کا ترکہ میں سے حصہ ہے۔[2]

### ۲: نسبت کا طریقہ: (Ratio Method)

تقسیمِ ترکہ کے دوران ہر فریق یا وارث کا ترکہ میں سے حصہ معلوم کرنے کا دوسرا طریقہ نسبت کا طریقہ ہے۔ تصحیح اور ترکہ کے درمیان نسبت دیکھی جائے گی۔ تباین کی صورت میں ہر وارث کے سہام کو پورے ترکہ میں ضرب دیا جائے۔ پھر حاصل ضرب کو تصحیح پر تقسیم کیا جائے، جو جواب آئے وہ اس وارث کا ترکہ میں سے حصہ ہو گا۔

اگر تصحیح اور ترکہ کے درمیان توافق کی نسبت ہو تو ہر وارث یا فریق کے سہام کو ترکہ کے وفق میں ضرب دیا جائے گا اور پھر حاصلِ ضرب کو تصحیح کے وفق پر تقسیم کیا جائے گا۔ حاصل ہونے والا جواب اس وارث کا ترکہ میں سے حصہ ہو گا۔[3]

### تباین کی مثال:

۷ دینار ترکہ دو بیٹیوں اور والدین میں تقسیم کرنا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| 6 میّت | | 7 دینار | |
| بیٹی | بیٹی | والد | والدہ |
| دو تہائی (4) | | چھٹا (1) | چھٹا (1) |
| ترکہ $2\frac{2}{6}$ | $2\frac{2}{6}$ | $1\frac{1}{6}$ | $1\frac{1}{6}$ |

1 الفتاویٰ الهندیة، ۶: ۴۷۳

2 طرازی شرح سراجی، ص: ۱۷۰

3 الاختیار لتعلیل المختار، ۵: ۱۲۴

۷ دینار ترکہ میں سے بیٹی کا حصہ معلوم کرنے کے لیے اصولِ مذکورہ کے مطابق تصحیح ۶ اور ترکہ ۷ میں تباین کی وجہ سے ہر بیٹی کے سہام ۲ کو کل ترکہ میں ضرب دیا۔ حاصلِ ضرب ۱۴ کو تصحیح ۶ پر تقسیم کیا تو جواب $2\frac{2}{6}$ آیا۔ یہی ایک بیٹی کا ترکہ میں سے حصہ ہوا۔ دوسری بیٹی کا بھی اتناہی حصہ ہو گا۔ ماں کے سہم ایک کو کل ترکہ ۷ میں ضرب دے کر حاصل ضرب ۷ کو تصحیح ۶ پر تقسیم کیا تو جواب $1\frac{1}{6}$ آیا۔ یہ والدہ کا حصہ ہے اور والد کا حصہ بھی اتناہی ہو گا۔

تقسیمِ ترکہ کی درستگی معلوم کرنے کے لیے تمام ورثا کے سہام کو جمع کیا جائے تو ان کا مجموعہ کل ترکہ کے برابر آئے گا ورنہ تقسیمِ ترکہ درست نہ ہو گی۔

## تصحیح اور ترکہ میں توافق کی مثال:

۱۲ دینار ترکہ شوہر، جدہ اور دو بہنوں پر تقسیم کرنا ہے۔

| عول 8 میّت 12 دینار | | 6 | |
|---|---|---|---|
| بہن | بہن | جدہ | شوہر |
| دو تہائی (4) | | چھٹا (1) | نصف (3) |
| 3 | 3 | $1\frac{1}{2}$ | $4\frac{1}{2}$ |

تصحیح ۸ اور ترکہ ۱۲ میں توافق کی نسبت ہے۔ ترکہ ۱۲ کا وفق ۳ جب کہ تصحیح آٹھ کا وفق ۲ ہے۔ شوہر کے سہام ۳ کو ترکہ کے وفق ۳ میں ضرب دیا۔ پھر حاصل ضرب ۹ کو تصحیح کے وفق ۲ پر تقسیم کیا جواب $4\frac{1}{2}$ آیا جو کہ شوہر کا ترکہ میں سے حصہ ہے۔

دادی کے سہام ایک کو ترکہ کے وفق تین میں ضرب دیا۔ حاصلِ ضرب ۳ کو تصحیح کے وفق ۲ پر تقسیم کیا۔ جواب $1\frac{1}{2}$ آیا۔ یہی جدہ کا ترکہ میں حصہ ہے۔

بہن کے سہام ۲ کو ترکہ کے وفق ۳ میں ضرب دیا۔ حاصلِ ضرب ۶ کو تصحیح کے وفق ۲ پر تقسیم کیا۔ جواب ۳ آیا۔ یہی ایک بہن کا ترکہ میں سے حصہ ہے۔ دوسری بہن کو بھی اتناہی حصہ ملے گا۔

ترکہ اور تصحیح کے درمیان تماثل کی نسبت ہو تو ضرب و تقسیم کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ ترکہ تمام ورثا پر پوراپورا تقسیم ہو جائے گا۔

اگر تصحیح اور ترکہ کے درمیان تداخل کی نسبت ہو تو تداخل، توافق کے حکم میں ہے۔ وفق کی جگہ دخل لیا جائے گا۔ عددِ تصحیح زیادہ اور ترکہ کم ہونے کی صورت میں ہر فریق یا وارث کو مسئلہ سے ملے ہوئے سہام کو عددِ تصحیح کے دخل پر تقسیم کیا جائے گا اور ترکہ زیادہ عددِ تصحیح کم ہونے کی صورت میں سہام کو ترکہ کے دخل میں ضرب دیا جائے گا۔ حاصلِ ضرب ہر فریق یا وارث کا ترکہ میں سے ملا ہوا حصہ ہو گا۔

## دفعہ 66: قرضہ، ترکہ سے زیادہ ہونے کی صورت میں قرض خواہوں کے درمیان ترکہ قرضوں کے تناسب سے تقسیم کیا جائے گا۔[1]

**وضاحت:**

کسی مورث کے مرنے کے بعد اگر اس نے ترکہ چھوڑا ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس پر قرضے بھی ہو پس اگر ترکہ قرضہ سے زیادہ ہو تو سب سے پہلے ترکہ سے تجہیز و تکفین کے اخراجات نکالنے کے بعد یہ قرضے ادا کیے جائیں گے۔ اس کے بعد بقیہ ترکہ ورثا میں ان کے شرعی حصص کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ اگر ترکہ کم اور قرضہ کی مقدار زیادہ ہو تو ترکہ قرض خواہوں کے درمیان ان کے قرضوں کے تناسب سے تقسیم کیا جائے گا۔ ہر قرض خواہ کو وارث، ان کے قرضوں کو سہام اور سارے قرضوں کو جمع کر کے مجموعہ دیون کو تصحیح کی جگہ میں لکھا جائے گا۔ پھر ترکہ اور مجموعہ دیون میں نسبت دیکھی جائے گی۔

تباین کی صورت میں ہر قرض خوا کے قرضہ کو پورے ترکہ میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو پورے مجموعہ دیون پر تقسیم کیا جائے گا۔ حاصل ہونے والا جواب ہر قرض خوا کا ترکہ میں سے حصہ ہو گا۔

اگر ترکہ اور مجموعہ دیون کے درمیان توافق کی نسبت ہو تو ہر قرض خوا کے قرضہ کو ترکہ کے وفق میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو مجموعہ دیون کے وفق پر تقسیم کیا جائے گا۔ جواب ہر قرض خوا کا ترکہ میں سے حصہ ہو گا۔

تداخل نسبت ہونے کی صورت میں ہر قرض خوا کے قرضوں کو مجموعہ دیون کے دخل پر تقسیم کیا جائے گا۔ خارجِ قسمت (جواب) ہر قرض خوا کا ترکہ میں سے حصہ ہو گا۔

### ترکہ اور مجموع الدیون کے درمیان تباین کی مثال:

| مجموع الدیون (مسئلہ) 25 | تباین — ترکہ 17 روپے |
|---|---|
| اجمل (20) | احسن (5) |
| 13.6 | 3.4 |

تباین نسبت کی وجہ سے قرض خواہوں کے قرضوں کو کل ترکہ ۱۷ میں ضرب دے کر مجموع الدیون ۲۵ پر تقسیم کیا تو ہر قرض خواہ کا حصہ نکل آیا۔

### ترکہ اور مجموع الدیون کے درمیان توافق کی مثال:

| مجموع الدیون (مسئلہ) 18 | توافق — ترکہ 9 روپے |
|---|---|
| احمد (10) | مسلم (8) |
| 5 | 4 |

توافق نسبت کی وجہ سے قرض خواہوں کے قرضوں کو ترکہ ۹ کے وفق ۳ میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو مجموع الدیون ۱۸ کے وفق ۶ پر تقسیم کیا۔ ہر قرض خوا کا حصہ نکل آیا۔

1 الفتاوی الهندیة، ٦: ٤٧٣

**ترکہ اور مجموع الدیون کے درمیان تداخل کی مثال:**

| مجموع الدیون(مسئلہ)45 | تداخل | ترکہ 15 روپے |
| --- | --- | --- |
| اجمل (30) | | احسن (15) |
| 10 | | 5 |

تداخل نسبت کی وجہ سے قرض خواہوں کے قرضوں کو مجموع الدیون ۴۵ کے دخل ۳ پر تقسیم کیا تو ہر قرض خوا کا حصہ نکل آیا۔

**دفعہ 67: ترکہ میں کسر ہونے کی صورت میں کسر کے مخرج میں ضرب دے کر ترکہ اور تصحیح دونوں کو پھیلا کر کسر کو ختم کیا جائے گا۔[1]**

**وضاحت:**

تقسیمِ ترکہ کے وقت اگر ترکہ میں کسر ہو یعنی پورے عدد کے ساتھ مزید نصف(1/2)، چوتھائی(1/4) یا تہائی(1/3) وغیرہ بھی ہو تو ترکہ اور تصحیح دونوں کو پھیلایا جائے گا جس کا طریقہ یہ ہے کہ سالم ترکہ یعنی مکمل عدد کو کسر کے مخرج میں ضرب دے کر شمار کنندہ کو اس میں جمع کر دیں گے تو سارا ترکہ پھیل جائے گا۔[2] اسی طرح عددِ تصحیح کو بھی کسر کے مخرج میں ضرب دے کر اسے پھیلا دیا جائے گا۔ اس کے بعد دونوں مبلغوں (حاصلِ ضرب) میں نسبت دیکھ کر تباین توافق اور تداخل کے تقسیمِ ترکہ والے قاعدے جاری کیے جائیں گے۔[3]

مثلاً ترکہ ساڑھے آٹھ $(8\frac{1}{2})$ دینار ہیں۔ کسر ختم کرنے کے لیے آٹھ مکمل عدد کو کسر کے مخرج ۲ میں ضرب دیا اور حاصلِ ضرب ۱۶ کے ساتھ شمار کنندہ ایک کو جمع کیا۔ کل ترکہ پھیل کر ۱۷ ہو گیا۔ اس کے مد مقابل جو عددِ تصحیح ہو گی اسے بھی اسی مخرج ۲ میں ضرب دے کر پھیلایا جائے گا اور پھر ان مبلغوں کے درمیان نسبت دیکھ کر ترکہ تقسیم کیا جائے گا۔

## کتاب الفرائض: باب ۱۶: فصل: قرض خواہوں یا ورثا میں سے کسی کا ترکہ میں سے کسی چیز کے بدلے صلح کرنا

**دفعہ 68: ایک یا چند وارثوں کا ترکہ میں سے کسی معین چیز پر ورثا سے صلح کر کے باقی ترکہ سے دست بردار ہو جانا تخارج کہلاتا ہے۔[4]**

**وضاحت:**

1 الفتاویٰ الهندیة، ۶: ۴۷۴

2 کسر اور بٹہ میں لکیر کے اوپر والے عدد کو شمار کنندہ، نیچے والے عدد کو مخرج اور برابر والے بائیں طرف والے عدد کو سالم عدد یا مکمل عدد کہتے ہیں۔ (السراجی فی المیراث، ص: ۹۲)

3 الشریفیة شرح السراجیة، ص: ۴۷

4 الفتاویٰ الهندیة، ۶: ۴۷۵

بسا اوقات ترکہ میں سے کوئی چیز کسی وارث کو زیادہ مرغوب ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اگر وہ وارث ترکہ میں سے وہ پسندیدہ چیز لے کر باقی حصہ وراثت سے دست بردار ہونا چاہے اور دوسرے ورثا اس کے اس فعل پر راضی ہو تو ایسا کرنا جائز ہے اور میراث کے اصطلاح میں اس عمل کو مصالحت یا تخارج کہا جاتا ہے۔[1]

اگر کسی وارث نے ورثا کے ساتھ مصالحت کر دیا تو پہلے تمام ورثا کو لکھ کر مسئلہ کی تصحیح کی جائے گی اور پھر صلح کرنے والے کا حصہ تصحیح سے منفی کرکے باقی ترکہ باقی ورثا پر تقسیم کیا جائے گا۔ مثلاً ایک میّت کے ورثا شوہر، والدہ اور چچا ہیں۔ شوہر باقی ورثا کی رضامندی سے اپنے حصہ مہر کے بدلے میں بیوی کے حصے سے دست بردار ہو گیا۔ شوہر سمیّت تمام ورثا کو لکھ کر تصحیح کی جائے گی پھر عددِ تصحیح ۶ سے شوہر کے حصے ۳ کو گھٹا دیا جائے گا۔ باقی ماندہ ۳ میں سے ۲ حصے ماں کو اور ایک حصہ چچا کو مل جائے گا۔ صورتِ مسئلہ یوں بنے گی۔

| 6 میّت | 3=3-6 | |
|---|---|---|
| شوہر | والدہ | چچا |
| نصف (3) | تہائی (2) | عصبہ (1) |
| مصالح | 2 | 1 |

مصالحت والے شخص کو مسئلہ حل کرتے وقت تصحیح میں شامل کرنا ضروری ہے تاکہ اس کے موجودگی کی وجہ سے دیگر ورثا کے سہام پر جو اثر پڑتا ہو وہ پڑ جائے۔

ایک وارث اگر کسی دوسرے وارث سے کوئی چیز لے کر ترکہ نہ لینے پر مصالحت کر لے تو مصالحت کرنے والے کا حصہ ترکہ اس وارث کو دیا جائے گا جس سے اس کی مصالحت ہوئی ہے۔ ترکہ میں کسی بھی چیز کے بدلے میں مصالحت کی جاسکتی ہے۔ دکان، مکان، باغ، اراضی اور نقدی کسی چیز کی تخصیص نہیں ہے۔[2]

1 الاختیار لتعلیل المختار، ۵:۱۲۶

2 البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۸:۴۸۹

## کتاب الفرائض: باب ۱۷: فرائضِ متشابہہ کے بیان میں

کتاب الفرائض ذکر کرنے کے بعد اس باب میں علمِ میراث کے ماہرین کی ذہنی آزمائش کے لیے پہیلیوں کے طرز پر مسائل میراث کی کچھ صورتیں دی گئی ہیں۔ قارئین سے اس مسئلے کا حل اور اس کی صورت بیان کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ پھر خود ہی اس مسئلے کا حل اور صورت بیان کی گئی ہے۔ بطورِ مثال چند مسائل یہاں ذکر کیے جاتے ہیں:

### سوال 1:

سوال بنایا گیا ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا۔ اس نے ورثا میں سے ۳ بیٹیاں چھوڑی ہیں۔ ایک بیٹی کو پورے ترکہ کا تہائی حصہ دوسرے کو پورے ترکے کا دو تہائی حصہ ملتا ہے جب کہ تیسری بیٹی محروم ہو رہی ہے۔ اس مسئلے کی صورت کیا ہو گی؟ خود ہی جواب دے کر صورت ذکر کی گئی ہے کہ میّت کسی کا غلام تھا اور اس کی تین بیٹیاں تھیں۔ ایک بیٹی نے اپنے باپ کو خرید کر آزاد کیا۔ دوسری بیٹی نے کسی وجہ سے اپنے باپ کو قتل کیا پس قاتلہ بیٹی تو والد کے میراث سے بوجہ قتل محروم ہوئی اور جن دونوں نے قتل نہیں کیا تھا۔ ان کو پورے ترکے کا دو تہائی ملا جن میں سے ہر ایک کے حصے میں ایک تہائی آ گیا۔ ایک تہائی مال باقی رہ گیا تھا وہ خریدنے اور آزاد کرنے والی بیٹی کو بطورِ ولاء مل جائے گا۔ اس کا مجموعی حصہ دو تہائی ہو جائے گا۔

### سوال 2:

دوسرا سوال بنایا ہے کہ تین حقیقی بھائی ہیں۔ ایک بھائی کو پورے ترکے کا دو تہائی حصہ ملتا ہے اور باقی دونوں بھائیوں میں سے ہر ایک کو چھٹا چھٹا حصہ ملتا ہے۔ مسئلے کی صورت کیا ہو گی؟ مسئلے کا حل بتاتے ہوئے جواب دیا ہے کہ یہ ایک عورت کے تین چچازاد بھائی تھے جن میں سے ایک بھائی نے اس عورت سے نکاح کیا اور پھر اس عورت کا انتقال ہو جاتا ہے تو یہ چچازاد بھائی اس عورت کا شوہر بھی ہے۔ شوہر کی حیثیت سے بھی میراث لے گا اور چچازاد بھائی بھی ہے۔ اس حیثیت سے بھی میراث لے گا۔ لہٰذا اصل مسئلہ ۶ سے بنے گا۔ جس میں سے نصف یعنی ۳ حصے شوہر کو مل جائیں گے اور باقی ۳ سہام تینوں چچازاد بھائیوں پر برابر تقسیم ہو کر ایک ایک سہم ان کو مل جائے گا۔ یوں ایک بھائی کو تین حصے بطورِ شوہر اور ایک حصہ بطورِ چچازاد بھائی مل جائے گا یعنی مجموعی طور پر چار حصے اسے مل جائیں گے جو کل ترکہ کے دو تہائی بنتے ہیں اور باقی دو بھائیوں کو ایک ایک سہم مل جائے گا جو کل ترکے کا چھٹا حصہ بنتا ہے۔

### سوال 3:

سوال بنایا گیا ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا۔ اس نے ترکہ میں ۲۰ دینار چھوڑے جس میں سے اس کی بیوی کو ایک دینار ملا۔ اس مسئلے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ جواب دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ یہ ایک شخص وفات پا گیا ہے اور اس نے ترکہ میں ۲۰ دینار چھوڑے اور ورثا میں دو حقیقی بہن، دو اخیافی بہن اور چار بیویاں چھوڑیں۔ اصل مسئلہ ۱۲ سے بن جائے گا اور ۱۵ کی طرف عول ہو جائے گا جس میں ۴ بیویوں کو چوتھائی یعنی ۳ سہام ملے اور تین، ۱۵ کا پانچواں حصہ بنتا ہے لہٰذا کل ترکہ ۲۰ دینار میں سے اس کا پانچواں حصہ یعنی ۴ دینار، چار زوجات کے لیے ہو جائیں گے جو ان پر تقسیم ہو کر ہر زوجہ کو ایک، ایک دینار مل جائے گا۔

### سوال 4:

سوال بنایا گیا ہے کہ تقسیمِ ترکہ کے وقت ایک شخص اور اس کی بیٹی کو نصف، نصف مال مل رہا ہے یعنی پورا ترکہ ان دونوں پر نصفا نصف تقسیم ہو رہا ہے۔ مسئلہ کی صورت کیا ہو گی؟ سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ صورت بتائی گئی ہے کہ ایک عورت کے ساتھ اس

کے چچازاد بھائی نے نکاح کیا اور اس سے ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ پھر اس عورت کا انتقال ہو گیا۔ اب اس چچازاد بھائی کو اس عورت کا میراث دو جہتوں سے ملے گا۔ شوہر ہونے کی حیثیت سے چوتھائی اور چچازاد بھائی ہونے کی حیثیت سے بطورِ عصبہ باقی بچا ہوا ترکہ اسے ملے گا۔ اس عورت میّت کی ایک بیٹی ہے نصف ترکہ اسے مل جائے گا اور چوتھائی حصہ شوہر کو مل جائے گا۔ ترکے کا ایک چوتھائی حصہ باقی رہ گیا وہ بھی شوہر کو بطورِ چچازاد بھائی ہونے کی وجہ سے عصبیت کی وجہ سے مل جائے گا۔ شوہر کو دو چوتھائی حصے ملے جن کا مجموعہ نصف آتا ہے لہذا بیٹی کو بھی ترکے کا نصف ملا اور اس کے باپ یعنی شوہر کو بھی۔

## کتاب الفرائض: باب ۱۸: مسائلِ ملقبہ کے بیان میں

اس باب میں میراث کے وہ مسائل بیان کیے گئے ہیں جو علمِ میراث میں کسی خاص وجہ سے ایک مخصوص نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ ان کو مسائلِ ملقبہ کہا جاتا ہے۔

### ۱: مسئلہ مُشترکہ یا مسئلہ حماریہ:

اگر کسی میّت کے ورثا شوہر، ماں، دو اولاد الام اور حقیقی بہن بھائی ہو تو قواعدِ میراث کی رو سے ترکے کا نصف شوہر کو، چھٹا حصہ ماں کو اور تہائی حصہ دو اولاد الام کو ملے گا۔ پورا ترکہ ان کے درمیان تقسیم ہو جائے گا اور حقیقی بہن بھائی چونکہ عصبہ ہے اور عصبہ کو تب حصہ ملتا ہے جب ذوی الفروض سے بچ جائے۔ یہاں کچھ نہیں بچا اس لیے حقیقی بہن بھائی محروم ہو جائیں گے۔ سیدنا ابو بکرؓ و سیدنا عمرؓ[1] اور سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ کا یہی قول ہے۔ علمائے احناف کا مسلک بھی یہی ہے جب کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعودؓ اور سیدنا زید بن ثابتؓ بیان فرماتے ہیں کہ حقیقی بہن بھائی جو عصبہ ہوتے ہیں وہ اولاد الام کے ساتھ تہائی حصہ میں شریک ہوں گے۔ سیدنا عمرؓ کے پاس ایک دفعہ اس طرح مسئلہ پیش آیا تو انہی اصول کے مطابق ترکہ تقسیم کر کے حقیقی بہن بھائیوں کو محروم کر دیا۔ دوسرے سال پھر ایسا ہی ترکہ کا مقدمہ پیش ہوا تو سیدنا عمرؓ نے اس مقدمہ میں بھی پہلے سال کی طرح فیصلہ دینے کا ارادہ کیا۔ پس حقیقی بھائیوں میں سے ایک نے کہا کہ اے امیر المومنین خیال فرمایئے، کیا ہمارا باپ حمار یعنی گدھا تھا؟ کیا ہم سب ایک ماں کی اولاد نہیں ہیں؟ یعنی جب اولاد الام کو ملتا ہے تو ہمیں بھی ملنا چاہیے۔ ہم ایک ماں کی اولاد ہیں۔ سیدنا عمرؓ نے اجتہاد کی بنیاد پر ان حقیقی بہن بھائیوں کو ان اولاد الام کے ساتھ تہائی میں شریک کر دیا اور فرمایا کہ ہمارا پہلا فیصلہ اپنی حال پر رہے گا اور یہ فیصلہ اپنی حال پر رہے گا۔

حقیقی بہن بھائیوں کو اولاد الام کے ساتھ تہائی میں شریک کرنے کی وجہ سے یہ مسئلہ مشترکہ کہلاتا ہے اور دورانِ گفت گو اپنے والد کو حمار کہنے کی وجہ سے اس مسئلہ کو مسئلہ حماریہ بھی کہا جاتا ہے۔[2]

### ۲: مسئلہ خرقاء:

ایک میّت کے ورثا ماں، دادا اور بہن ہو تو تقسیم ترکہ کے بارے میں صحابہ کرامؓ کے تقریباً چھ اقوال ہیں۔ سیدنا ابو بکرؓ کے ہاں ماں کو چھٹا حصہ اور باقی دادا کو ملے گا۔ بہن محروم ہو گی۔ سیدنا زید بن ثابتؓ کے ہاں ماں کو تہائی ملے گا اور باقی دو تہائی دادا اور بہن کے درمیان تین حصے ہو کر تقسیم ہو گی۔ سیدنا علیؓ کے ہاں ماں کو تہائی، بہن کو نصف اور باقی چھٹا حصہ دادا کو ملے گا۔ زیادہ صحابہ کرام کے اقوال نے گویا کہ اس مسئلے کو پھاڑ کے رکھ دیا ہے۔ اس وجہ سے اسے مسئلہ خرقاء کہا جاتا ہے۔ سیدنا عثمانؓ[3] کا اس مسئلہ میں ایک

---

1 عمر بن الخطاب بن نفیل القرشی (۴۰ ق ھ - ۲۳ھ) خلفاء راشدین میں سے دوسرے نمبر پر تھے۔ پہلے خلیفہ ہیں جو امیر المؤمنین کے نام سے یاد کئے گئے۔ آپ نے بہت سارے فتوحات حاصل کیں۔ آپ ان دو عمروں میں سے ایک ہیں جن کے بارے میں آپ ﷺ نے اللہ سے دعا کی کہ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ اسلام کو عزت دے۔ ہجرت سے پانچ سال پہلے مسلمان ہوئے۔ (اسد الغابة فی معرفة الصحابة، ۴: ۱۳۷؛ الاعلام، ۵: ۴۵)

2 مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر، ۲: ۷۵۶

3 عثمان بن عفّان بن ابی العاص القرشی الاموی واقعہ فیل کے چھ سال بعد پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی دو بیٹیاں رقیہ اور ام کلثوم آپ کی نکاح میں آنے کی وجہ سے ذوالنورین کے لقب سے ملقب ہوئے۔ غزوہ بدر کے علاوہ باقی تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ خلفاء راشدین میں سے

منفرد قول ہے کہ ماں کو تہائی اور باقی دادا اور بہن کے درمیان آدھا آدھا تقسیم ہو گا اس وجہ سے اس مسئلہ کو مسئلہ عثمانیہ بھی کہا جاتا ہے۔[1]

**۳: مسئلہ مروانیہ یا مسئلہ غراء:**

کوئی میّت ۶ متفرق بہنوں (حقیقی، علاتی اور اخیافی) اور شوہر چھوڑ کر مر گیا۔ قواعدِ میراث کی رو سے شوہر کو ترکے کا نصف، دو حقیقی بہنوں کو دو تہائی اور اخیافی بہنوں کو تہائی ملے گا اور حقیقی بہنوں کی موجودگی کی وجہ سے علاتی بہنیں محروم ہوں گی۔ اصل مسئلہ ۶ سے بنے گا اور پھر عول ۹ تک ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ چونکہ مروان بن الحکم کے زمانے میں پیش آیا تھا۔ اس وجہ سے اسے مسئلہ مروانیہ کہا جاتا ہے اور اس زمانے میں زیادہ مشہور ہونے کی وجہ سے اسے مسئلہ غراء بھی کہا جاتا ہے۔[2]

**۴: مسئلہ حمزیہ:**

ایک شخص تین جدّات ، ایک جد اور تین متفرق بہنیں چھوڑ کر مر گیا تو سیدنا ابو بکر اور سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ کے ہاں جدّات کو چھٹا حصہ اور باقی مال جد کو ملے گا۔ اصل مسئلہ ۶ سے بنا کر تصحیح ۱۸ سے ہو گی۔ سیدنا علیؓ اور سیدنا عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ حقیقی بہن کو نصف اور دو تہائی پورا کرنے کے لیے علاتی بہن کو چھٹا حصہ ، جدّات کو بھی چھٹا اور جد کو بھی چھٹا حصہ ملے گا۔ اخیافی بہن، بہنوں کا حصہ (دو تہائی) مکمل ہونے کی وجہ سے محروم ہو جائیں گی۔

شیخ حمزہ الزیاد[3] سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تھا اور انہوں نے مذکورہ جوابات دیئے تھے اس وجہ سے یہ مسئلہ "مسئلہ حمزیہ" کہلاتا ہے۔[4]

**۵: مسئلہ دیناریہ:**

ایک میّت نے بیوی، دادی، دو بیٹیاں، بارہ حقیقی بھائی اور ایک بہن چھوڑیں اور چھ سو دینار ترکہ چھوڑا۔ دادی کو ترکے کا چھٹا حصہ یعنی سو دینار، دو بیٹیوں کو ترکہ کے دو تہائی یعنی چار سو دینار، بیوی کو ترکے کا آٹھواں حصہ یعنی پچھتر (۷۵) دینار ملیں گے۔ پچیس (۲۵) دینار باقی بچے وہ بارہ بھائیوں اور ایک بہن میں بطورِ عصبہ تقسیم کیے جائیں گے۔ ہر بھائی کو دو دو دینار اور بہن کو ایک دینار ملے گا۔ دیناروں کی وجہ سے اس مسئلہ کو مسئلہ دیناریہ کہا جاتا ہے۔

---

تیسرے نمبر پر تھے۔ ۸۰ سال کی عمر میں تلاوت کے دوران شہید کئے گئے۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ النمری القرطبی، دار الجیل، بیروت، طبعہ اولی ۱۴۱۲ھ)

1 الاختیار لتعلیل المختار، ۵: ۱۲۸

2 الموسوعۃ الفقھیۃ، ۳: ۷۸

3 حمزہ بن حبیب بن عمارہ بن اسماعیل التیمی الزیات (۸۰ھ ۱۵۶ھ بمطابق ۷۰۰ء۔ ۷۷۳ء) قراءِ سبعہ میں سے ہے۔ بنو تمیم کے ازاد کردہ غلاموں میں سے ہونے کی وجہ سے ان کی طرف منسوب ہے۔ کوفہ سے حلوان تیل لے جائے کرتے تھے۔ اسی وجہ سے الزیات کہلاتے ہے۔ حلوان میں وفات پائی۔ سفیان ثوریؒ نے آپ کے متعلق فرمایا کہ اس کے سارے قراءات روایات سے ثابت ہیں۔ (تہذیب التہذیب، ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن حجر العسقلانی، ۳: ۲۷، مطبعہ دائرۃ المعارف النظامیۃ، ہندوستان، طبع اول ۱۳۲۶ھ؛ الاعلام، ۲: ۲۷۷)

4 الاختیار لتعلیل المختار، ۵: ۱۲۸

یہ مسئلہ چونکہ امام ابو حنیفہؒ کے شاگر شیخ داؤد طائیؒ سے پوچھا گیا تھا۔ انہوں نے اس طریقے سے تقسیم کیا تھا اس وجہ سے اس مسئلہ کو مسئلہ داؤدیہ بھی کہا جاتا ہے۔[1]

**۶: مسئلہ مامونیہ:**

اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک میّت نے ماں، باپ اور دو بیٹیاں ورثا چھوڑے ہیں۔ بعد میں ایک بیٹی کا انتقال ہو گیا اور وہی ورثا چھوڑے جو میّت اول کے تھے۔ یہ مسئلہ مامون الرشید[2] نے یحیٰ بن اکثم[3] کو بصرہ کا قاضی مقرر کرنے کے لیے بطورِ ازمائش پیش کیا تھا۔ اس لیے یہ مسئلہ مامونیہ کہلاتا ہے۔ یحیٰ بن اکثمؒ نے بادشاہ سے کہا کہ مسئلے کا مدار میّت اول کے مذکر اور مؤنث ہونے پر ہے۔ اگر میّت اول مذکر ہو گا تو میّت ثانی یعنی بیٹی کے ورثا ایک بہن، جدِ صحیح (باپ کا باپ) اور جدہ صحیحہ (باپ کی ماں) ہو گی۔ شروع میں میّت اول کا مسئلہ ۶ سے بنے گا۔ دو بیٹیوں کو دو تہائی، ماں اور باپ کو چھٹا، چھٹا حصہ ملے گا۔ پھر جب ایک بیٹی مر گئی تو اس بیٹی کے ورثا میں سے جدہ صحیحہ (دادی) کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی بطورِ عصبہ اس کے جدِ صحیح دادا کو مل جائے گا جب کہ بہن دادا کی وجہ سے محروم ہو جائے گی۔

اگر میّت اول مؤنث یعنی عورت ہو تو میّتِ ثانی یعنی بیٹی کے ورثا ایک بہن، جدہ صحیحہ (ماں کی ماں) اور جدِ فاسد (ماں کا باپ) ہوں گے۔ بہن کو اس کے ترکے کا نصف اور جدہ صحیحہ (نانی) کو چھٹا حصہ ملے گا۔ باقی ترکہ بھی انہی پر رد کیا جائے گا اور جدِ فاسد ذوی الارحام میں سے ہے۔ رد ممکن ہونے کی صورت میں ذوی الارحام محروم ہوتے ہیں لہذا جد فاسد اس صورت میں محروم ہو گا۔

مامون الرشید، یحیی بن اکثم کی علمیّت اور ذہانت سے متاثر ہوا اور انہیں عہدہ دے کر بصرہ کا قاضی مقرر کیا۔[4]

ان مسائلِ مذکورہ کے علاوہ بھی علمِ میراث میں مسائل ملقبہ موجود ہیں جن کو فتاوی عالمگیری میں ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ مثلاً مسئلہ منبریہ اور مسئلہ اکدریہ وغیرہ۔[5]

---

1 الموسوعۃالفقھیۃ، ۳: ۷۹

2 عبد اللہ بن ہارون الرشید بن محمد المہدی (۱۷۰ھ۔۲۱۸ھ بمطابق ۷۸۶ء۔۸۳۳ء) آپ کی کنیت ابو العباس ہے۔ آپ نے ۴۸ سال عمر پائی۔ عراق میں بنو العباس کے ساتویں بڑے خلیفہ رہے۔ افریقہ سے خراسان اور ماوراء النہر تک آپ کی بادشاہت تھی۔ ۱۹۸ھ میں آپ خلیفہ بنے اور فلاسفہ کی بہت ساری کتابوں کو اردو میں ترجمہ کیا۔ (الاعلام، ۴: ۱۴۲)

3 یحیٰ بن اکثم (۱۵۹ھ۔ ۲۴۲ھ بمطابق ۷۷۵ء۔۸۵۷ء) مرو شہر میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے کے قاضی اور مشہور فقیہ تھے۔ مامون الرشید بادشاہ کے ساتھ رہے۔ انہوں نے آپ کو ۲۰۲ھ میں بصرہ کا قاضی بنایا۔ پھر بغداد کے قاضی القضاۃ رہے۔ مامون الرشید کی وفات کے بعد معتصم نے آپ کو عہدہ قضا سے معزول کر دیا۔ دار قطنی نے آپ کو اصحابِ شوافع میں سے شمار کیا ہے۔ آپ امام ترمذیؒ کے استاد ہے۔ (وفیات الاعیان، ۶: ۱۴۷؛ الاعلام، ۸: ۱۳۷)

4 الاختیار لتعلیل المختار، ۵: ۱۲۹

5 السراجی فی المیراث، ص ۷۵ اور ۱۰۸

## فصل سوم: میراث الحفید کا شرعی حکم اور ملکی قانون کے ساتھ تقابلی جائزہ

### میراث الحفید کا تعارف اور شرعی حکم:

میراث الحفید سے مراد یتیم پوتے، پوتیوں، نواسے اور نواسیوں کے میراث کا مسئلہ ہے۔ مسئلہ مذکورہ علم میراث کا معروف اور مشہور مختلف فیہ مسئلہ ہے۔

اس مسئلہ کی وضاحت اور شرعی حکم یہ ہے کہ اگر دادا یا نانا کے حیات میں کسی بیٹے یا بیٹی کا انتقال ہو جائے اور اس کے بعد دادا یا نانا کا انتقال ہو جائے اور دادا، نانا کے مرحوم بیٹا، بیٹی کے علاوہ دیگر بیٹے، بیٹیاں بھی ہوں تو ان دیگر بیٹے، بیٹیوں کی موجودگی میں مرحوم بیٹا، بیٹی کی اولاد (پوتے، پوتیاں، نواسے اور نواسیاں) اپنے دادا، نانا کے میراث سے محروم ہو گی کیونکہ بیٹے پوتے کا تعلق عصبات سے ہے اور عصبات میں دو وجوہات کی بنا پر آدمی میراث سے محروم ہو جاتا ہے اور وہ دونوں وجوہات مذکورہ مسئلے میں پوتے پوتیوں میں موجود ہیں۔

**۱:** ہر ایسا شخص جو میّت کی طرف کسی واسطہ سے منسوب ہو تو اس واسطہ کے موجود ہوتے ہوئے اس ذو الواسطہ شخص کو میراث نہیں ملے گا جیسے دادا اپنے مرحوم پوتے کی طرف اپنے بیٹے (میّت کے والد) کے واسطے سے منسوب ہوتا ہے لہذا میّت کے والد کی موجودگی میں دادا کو میراث نہیں ملے گی۔ اسی طرح پوتا میّت کی طرف اس کے بیٹے کے واسطے سے منسوب ہوتا ہے لہذا بیٹا واسطہ کے موجود ہوتے ہوئے پوتے، ذو الواسطہ کو میراث نہیں ملے گی۔[1]

**۲:** عصبات میں محرومیّت کی دوسری وجہ الاقرب فالاقرب کا اصول ہے۔ میّت کے قریبی رشتہ دار کے ہوتے ہوئے دور والے رشتہ دار میراث سے محروم ہوں گے جیسے چچازاد بھائی اپنے والد (چچا) کے موجودگی میں محروم ہوتے ہیں کیونکہ چچا میّت کے زیادہ قریب ہے بنسبت چچازاد بیٹوں کے۔ اسی طرح بیٹا، پوتے کے مقابلے میں میّت کے زیادہ قریب ہے کیونکہ بیٹا میّت کا بلاواسطہ رشتہ دار ہے اور پوتا بیٹے کے واسطے سے رشتہ دار ہے لہذا بیٹے کی موجودگی میں پوتا پوتی میراث سے محروم رہیں گے۔[2]

دادا، نانا کے بیٹا بیٹی کی اولاد اپنے دادا، نانا کے صلبی اولاد (بیٹا، بیٹی) کی موجودگی میں نہ تو براہِ راست اپنے دادا نانا سے میراث لے سکتی ہیں کیونکہ درمیان میں صلبی اولاد موجود ہے اور نہ اپنے مرحوم والد یا والدہ کی میراث لے سکتے ہیں کیونکہ میراث کے استحقاق کے لیے شرط یہ ہے کہ مورث کے انتقال کے وقت وارث حقیقتاً یا حکماً زندہ ہو۔[3]

مذکورہ مسئلہ میں دادا، نانا کے انتقال کے وقت مرحوم بیٹا، بیٹی زندہ حالت میں موجود نہیں ہیں لہذا وہ اپنے والد کے میراث کے مستحق نہیں ہوں گے اور جب مرحوم بیٹے بیٹی کو خود عدم استحقاق کی وجہ سے میراث نہیں ملی تو ان کے اولاد کی طرف کیا چیز منتقل ہو گی۔

---

1 السراجی فی المیراث، ص:۶۵

2 الشریفیۃ شرح السراجیۃ، ص:۴۸

3 المواریث، ص:۴۰

حضور ﷺ کے زمانے سے لے کر بیسویں صدی کے اول ربع تک اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ اہلِ سنت والجماعت کے مشہور فقہی مسالک (حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ)، شیعہ امامیہ وزیدیہ اور ظاہریہ سب اس بات پر متفق تھے کہ دادا یا نانا کے انتقال کے وقت اگر کوئی بیٹا موجود ہو تو اس کے دوسرے مرحوم بیٹے بیٹی کی اولاد کو میراث میں کوئی حصہ نہیں ملے گا۔[1]

البتہ اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک اگر میّت دادا کے بیٹے کی بجائے بیٹی زندہ ہو اور ساتھ مرحوم بیٹے کی مذکر اور مؤنث اولاد ہوں تو بیٹی کو نصف دے کر باقی ترکہ ان پوتے پوتیوں کے درمیان للذکر مثل حظ الانثیین کے حساب سے تقسیم کیا جائے گا یا اگر میّت دادا کی صرف ایک بیٹی ہو اور ساتھ ایک پوتی ہو تو بیٹی کو نصف اور پوتی کو چھٹا حصہ دیا جائے گا تاکہ دو تہائی مکمل ہو جائے اور باقی ترکہ عصبات میں تقسیم کیا جائے گا۔[2]

صلبی بیٹا یا بیٹی کی موجودگی میں پوتا اور پوتی، نواسہ اور نواسی کے میراث سے محروم ہونے پر قرآن مجید، احادیث، اقوالِ صحابہ و تابعین اور فقہائے امت کے اقوال بطورِ دلیل موجود ہیں۔

## قرآن کریم سے استدلال:

اولاد کے میراث کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ"[3]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ مذکر کے لیے دو مونثوں کے برابر حصہ ہے۔

اولاد، ولد کی جمع ہے اور ولد بمعنیٰ مولود (جنے ہوئے) کے ہے اور لفظِ ولد مذکر اور مؤنث دونوں قسم کے اولاد کو شامل ہے کیونکہ دونوں جنے ہوئے ہیں۔ پھر لفظِ ولد کا ایک حقیقی معنیٰ ہے اور دوسرا مجازی، بیٹا اور بیٹی لفظ ولد کے حقیقی معنی ہیں کیونکہ یہ بلاواسطہ جنے ہوئے ہوتے ہیں اور پوتا پوتی لفظِ ولد کے مجازی معنی ہیں کیونکہ یہ بیٹے کے واسطے سے جنے ہوئے ہوتے ہیں۔

بیٹیوں کی اولاد نواسے، نواسی پر ولد کا اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ نسب مذکر (باپ) سے چلتا ہے۔ بیٹیوں کی اولاد ان کے اپنے باپ دادا کی طرف منسوب ہوں گے۔

علمِ بلاغت اور علمِ اصولِ فقہ کا قاعدہ ہے کہ لفظ سے ایک وقت اور ایک حالت میں حقیقی اور مجازی دونوں معنیٰ مراد نہیں لیے جاسکتے بلکہ سب سے پہلے لفظ حقیقی معنی میں استعمال ہو گا اور اگر حقیقی معنی کا وجود ہی نہ ہو یا کوئی قرینہ ایسا موجود ہو جس کی وجہ سے حقیقی معنیٰ مراد نہ لیا جاسکے اور مجازی معنی مراد لیا جاسکے تو اس صورت میں لفظ کے حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی مراد لیا جاسکتا ہے۔[4] لفظِ ولد سے بھی بیک وقت حقیقی معنیٰ بیٹا، بیٹی اور مجازی معنی پوتا پوتا مراد نہیں لیا جاسکتا بلکہ جب تک حقیقی معنی بیٹا بیٹی موجود ہو تو مجازی معنی پوتا پوتی مراد نہیں لیا جائے گا لہٰذا آیتِ میراث کا مطلب یہ ہے کہ بیٹا، بیٹی ہوتے ہوئے پوتا پوتی کا کوئی حق نہ ہو گا چاہے وہ پوتا پوتی زندہ بیٹے کے ہو یا مرحوم بیٹے کے۔

---

1 مجموعہ قوانینِ اسلام، جسٹس تنزیل الرحمٰن، ۵: ۴۳۰، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ اسلام آباد، پاکستان، طبع ششم ۲۰۰۵ء۔

2 السراجی فی المیراث، ص: ۳۳

3 النساء، ۴: ۱۱

4 أصول السرخسي، محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (المتوفى: 483هـ)، ۱: ۷۷، دار المعرفة، بيروت

احکام القرآن میں امام ابو بکر جصاص ؒ[1] نے لکھا ہے:

" وَلَمْ يَخْتَلِفْ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي أَنَّ الْمُرَادَ بِقَوْلِهِ تَعَالَى يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلادِكُمْ أَوْلَادِ الصُّلْبِ وَأَنَّ وَلَدَ الْوَلَدِ غَيْرُ دَاخِلٍ مَعَ وَلَدِ الصُّلْبِ وَأَنَّهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ وَلَدُ الصُّلْبِ فَالْمُرَادُ أَوْلَادُ الْبَنِينَ دُونَ أَوْلَادِ الْبَنَاتِ فَقَدْ انْتَظَمَ اللَّفْظُ أَوْلَادَ الصُّلْبِ وَأَوْلَادَ الِابْنِ إِذَا لَمْ يَكُنْ وَلَدَ الصُّلْبِ"[2]

ترجمہ: "اہلِ علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد یُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلادِكُمْ سے مراد صلبی اولاد ہیں اور جب صلبی اولاد نہ ہوں تب بیٹوں کی اولاد پوتے پوتیاں مراد ہوں گی نہ کہ بیٹیوں کی اولاد (نواسے نواسیاں) تو لفظِ ولد صرف صلبی اولاد بیٹے، بیٹیوں کو شامل ہے اور بیٹوں کو اولاد پوتے پوتیوں کو اس وقت شامل ہے جب صلبی اولاد نہ ہو۔"

پوری امت کے اہلِ علم کے نزدیک مذکورہ بالا آیت میں اولاد سے مراد فقط بیٹا، بیٹی ہے۔ بیٹا نہ ہوں تو پوتا پوتی مراد ہوں گے۔ بیٹے کی موجودگی میں پوتا اس لفظِ ولد میں داخل نہیں ہو سکتا لہٰذا اس آیت کے مطابق بیٹا بیٹی کی موجودگی میں پوتا پوتی نواسہ اور نواسہ میراث سے محروم رہے گی۔

بیٹے کی موجودگی میں پوتے پوتیاں بالکل محروم ہو جائے گی کیونکہ بیٹا عصبہ ہونے کی وجہ سے کل ترکہ کو وصول کر لیتا ہے۔ اس کا کوئی حصہ مقرر نہیں ہے۔ اس ترکہ لینے والی عصبہ حالت میں اگر اس کے ساتھ پوتے پوتیوں کو بھی شریک کیا جائے تو ایک ہی حالت میں ولد کے معنیٰ حقیقی اور مجازی کو جمع کرنا لازم آئے گا جو اصولِ فقہ اور لغت کے خلاف ہے البتہ مؤنث اولاد کا حصہ مقرر ہے جو ایک کے لیے نصف اور دو کے لیے تہائی ہے لہٰذا صرف ایک بیٹی کی موجودگی کی صورت میں وہ اپنا نصف حصہ بطورِ مانعِ حقیقی وصول کرے گی اور پھر مزید مانعِ حقیقی صلبی اولاد کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے دو تہائی حصہ پورا کرنے کے لیے مانعِ مجازی پوتا پوتیوں کو چھٹا حصہ مل جائے گا۔ اس صورت میں ولد کے حقیقی اور مجازی معنیٰ دو الگ الگ حالتوں میں مراد لیے گئے لہٰذا ایک حالت میں حقیقی اور مجازی معنیٰ کا جمع کرنا لازم نہیں آرہا۔

## احادیثِ نبویہ اور آثارِ صحابہ سے استدلال:

احادیث کی مشہور اور مستند کتابوں بخاری اور مسلم میں مذکور ہے سیدنا عبد اللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

" أَلْحِقُوا الفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ"[3]

ترجمہ: وراثت کے مقررہ حصے ان کے حقداروں کو دو پھر جو بچ جائے وہ میّت کے سب سے قریبی مرد مذکر کے لیے ہے۔

---

1 احمد بن علی الرازی ابو بکر الجصاص (۳۰۵ھ۔۳۷۰ھ بمطابق ۹۱۷ء۔۹۸۰ء) اہل رے کے ایک بڑے عالم اور مفسر تھے۔ بغداد میں رہ کر وہی وفات پائی۔ آپ کی تصانیف میں سے احکام القرآن اور اصولِ فقہ مشہور کتابیں ہیں۔ (الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیۃ، عبد القادر بن محمد الحنفی، ۱:۸۴، میر محمد کتب خانہ کراچی، س۔ن، الاعلام، ۱:۱۷۱)

2 احکام القرآن، أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي (المتوفى: 370هـ)، ۳: ۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت، 1405 هـ

3 صحیح البخاری، ۸:۱۵۰، حدیث: ۶۷۳۲

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس مرد کا رشتہ میّت سے خود یا بواسطہ مرد کے ہو وہ عصبہ ہیں اور ان کا حصہ قرآن کریم میں مقرر اور معین نہیں ہے بلکہ ذوی الفروض سے جو بچ جائے وہ ان کو ملے گا اور ان میں سے جو میّت سے قریب تر ہو گا وہ وارث ہو گا چنانچہ بیٹا، پوتے سے اور بھائی، بھتیجے سے میّت کے قریب ہے اس لیے پوتے اور بھتیجے کے مقابلے میں بیٹے اور بھائی کو ترجیح حاصل ہو گی۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ[1] شارحِ بخاری نے اس حدیث کے تشریح میں فرمایا ہے:

"أَجْمَعُوا عَلَى أَنَّ الَّذِي يَبْقَى بَعْدَ الْفُرُوضِ لِلْعَصَبَةِ يُقَدَّمُ الْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ فَلَا يَرِثُ عَاصِبٌ بَعِيدٌ مَعَ عَاصِبٍ قَرِيبٍ"[2]

ترجمہ: امت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ ذوی الفروض سے جو بچ جائے وہ عصبہ کے لیے ہو گا اور جو سب سے قریب عصبہ ہو اسے مقدم کیا جائے گا۔ پھر اس کے بعد جو سب سے قریب ہو، قریب والے عصبہ کی موجودگی میں دور والا عصبہ وارث نہ ہو گا۔

شارحِ مسلم امام نوویؒ[3] نے اس حدیث کے شرح میں لکھا ہے:

" قَدْ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى أَنَّ مَا بَقِيَ بَعْدَ الْفُرُوضِ فَهُوَ لِلْعَصَبَاتِ يُقَدَّمُ الْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ فَلَا يَرِثُ عَاصِبٌ بَعِيدٌ مَعَ وُجُودِ قَرِيبٍ"[4]

ترجمہ: تمام مسلمانوں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ ذوی الفروض کے بعد جو بچے وہ عصبہ کا ہے اور جو سب سے قریب ہو وہ مقدم کیا جائے اور پھر جو اس کے بعد قریب ہو، دور کا عصبہ، قریب کی موجودگی میں وارث نہ ہو گا۔

صحیح البخاری میں ہے:

---

1 ابن حجر، احمد بن علی بن محمد بن حجر العسقلانی (۷۷۳ھ۔۸۵۲ھ بمطابق ۱۳۷۲ء۔۱۴۴۹ء)، کنیت ابو الفضل اور ابن حجر ہے۔ اپنے زمانے کے بڑے محدث اور مؤرخ تھے۔ پیدائش اور وفات قاصرہ (مصر) میں ہوئی۔ آپ کے آباؤ واجداد کا تعلق عسقلان (فلسطین سے ہونے کی وجہ سے آپ کو عسقلانی کہا جاتا ہے۔ کئی مرتبہ مصر کے قاضی رہے۔ آپ کے مشہور تصانیف لسان المیزان، تقریب التہذیب، تہذیب التہذیب، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، بلوغ المرام اور فتح الباری فی شرح صحیح البخاری ہیں۔۔ (الاعلام، ۱:۱۷۸)

2 فتح الباري شرح صحيح البخاري، أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي، ۱۲: ۱۳، دار المعرفة، بيروت، 1379ھ

3 یحییٰ بن شرف النووی الشافعی (۶۳۱ھ۔۶۷۶ھ بمطابق ۱۲۳۳ء۔۱۲۷۷ء) کنیت ابو زکریا اور محی الدین لقب ہے۔ فقہ اور حدیث کے بڑے عالم تھے۔ شام کے علاقے نوا میں پیدا ہونے اور وہی وفات پانے کی وجہ سے نووی کہلاتے ہیں۔ آپ کی مشہور تصنیفات میں سے الایضاح، شرح النووی علی المسلم ریاض الصالحین، روضۃ الطالبین، رسالۃ فی التوحید، مختصر التبیان اور النہایۃ فی اختصار الغایۃ ہے۔ (طبقات الشافعية الكبرى، تاج الدين عبد الوهاب بن تقي الدين السبكي (المتوفى: 771ھ)، ۸: ۳۹۵، هجر للطباعة والنشر والتوزيع، طبع دوم، 1413ھ، الاعلام، ۸:۱۴۸)

4 المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (المتوفى: 676ھ)، ۱۱: ۵۶، حديث: ۱۶۱۵، دار إحياء التراث العربي، بيروت، طبع دوم 1392ھ

" وَقَالَ زَيْدٌ: «وَلَدُ الأَبْنَاءِ بِمَنْزِلَةِ الوَلَدِ، إِذَا لَمْ يَكُنْ دُونَهُمْ وَلَدٌ ذَكَرُهُمْ كَذَكَرِهِمْ، وَأُنْثَاهُمْ كَأُنْثَاهُمْ، يَرِثُونَ كَمَا يَرِثُونَ، وَيَحْجُبُونَ كَمَا يَحْجُبُونَ، وَلاَ يَرِثُ وَلَدُ الِابْنِ مَعَ الِابْنِ»"[1]

ترجمہ: سیدنا زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ پوتے بمنزلہ بیٹوں کے ہیں جب ان کے علاوہ کوئی مذکر اولاد نہ ہو۔ پوتوں کے مذکر کے احکام بیٹوں کے مذکر کے احکام کی طرح ہوں گے اور پوتیوں کے احکام بیٹیوں کی طرح ہوں گے۔ بیٹوں کی طرح وارث بنیں گے اور محجوب ہوں گے اور پوتا بیٹے کی موجودگی میں وارث نہیں ہوگا۔

علامہ بدر الدین عینی[2] شارحِ بخاری نے کہا ہے:

" وَهَذَا الَّذِي قَالَه زيد إِجْمَاع"[3]

ترجمہ: کہ سیدنا زیدؓ نے جو کچھ کہا ہے اس پر اجماع ہے۔

سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ اپنے اصحاب سے سیدنا عبد اللہ بن مسعودؓ، سیدنا زید بن ثابتؓ اور سیدنا علیؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ میّت کے پوتے، میّت کے بیٹے کی عدمِ موجودگی میں بمنزلہ بیٹے شمار ہوں گے چنانچہ اگر کسی نے اپنے انتقال کے وقت بیٹا اور پوتا چھوڑا تو پوتے کو کچھ بھی نہیں ملے گا اور اسی طرح اگر میّت کا پوتا اور پڑپوتا نیچے کے سلسلے تک جمع ہوں تو اعلیٰ کے مقابلے میں اسفل محروم ہوگا جس طرح بیٹے کی موجودگی میں پوتا محروم ہوتا ہے۔[4]

یہ احادیثِ مبارکہ اور صحابہ کرام کے اقوال اس بات کی دلیل ہے کہ تمام صحابہ کرام اس بات پر متفق تھے کہ بیٹے کی موجودگی میں پوتا وارث نہ ہوگا کیونکہ کسی ایک صحابی سے بھی اس کے خلاف کوئی قول ثابت نہیں ہے۔

## فقہائے کرام کی رائے:

صحابہ کرام کی طرح فقہائے کرام سے بھی باوجود تلاش کے کوئی قول ایسا نہ مل سکا جس کے مطابق بیٹے کے موجود ہوتے ہوئے دادا کے ترکہ میں پوتے کو وارث قرار دیا گیا ہو۔

فقہ حنفی کے مشہور امام شمس الائمہ علامہ سرخسیؒ المبسوط میں فرماتے ہیں:

1 صحیح البخاری، ۸: ۱۵۱

2 محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد (۷۶۲ھ۔۸۵۵ھ بمطابق ۱۳۶۱ء۔۱۴۵۱ء) کنیت ابو محمد اور لقب بدر الدین ہے۔ عینتاب میں پیدا ہونے کی وجہ سے عینی اور حنفی المسلک ہونے کی وجہ سے الحنفی کہلاتے ہیں۔ حلب، مصر، دمشق اور قدس میں رہے۔ اپنے زمانے کے بڑے محدث، علامہ اور مؤرخ تھے۔ مشہور تصنیفات عمدۃ القاری فی شرح البخاری، مغانی الاخبار فی رجال معانی الاثار، نخب الافکار فی تنقیح مبانین الاخبار اور طبقات الشعراء ہیں۔ (الاعلام، ۷: ۱۶۳)

3 عمدة القاري شرح صحيح البخاري، أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى (المتوفى: 855ھ)، ۲۳: ۲۳۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت

4 السنن الكبرى، أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي (المتوفى: 458ھ)، ۶: ۳۹۱، حديث: ۱۲۳۷۲، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، طبع سوم 1424 ھ - 2003 ء

5 رضی الدین سرخسیؒ: محمد بن محمدؒ (م ۵۷۱ھ) چھٹی صدی کے مشہور حنفی فقیہ ہے۔ آپ کی محیط، المحیط الرضوی، اور المحیط السرخسی کہلاتی ہے۔ کشف الظنون میں ہے کہ آپ تین محیطیں لکھی ہیں۔ کبیر (دس جلدوں میں متوسط چار جلدوں میں اور صغیر دو جلدوں میں) تینوں ہنوز مخطوط

" فَإِنْ اجْتَمَعَ أَوْلَادُ الصُّلْبِ وَأَوْلَادُ الِابْنِ فَإِنْ كَانَ فِي أَوْلَادِ الصُّلْبِ ذَكَرٌ فَلَا شَيْءَ لِأَوْلَادِ الِابْنِ ذُكُورًا كَانُوا، أَوْ إنَاثًا أَوْ مُخْتَلِطِينَ لِأَنَّ الذَّكَرَ مِنْ أَوْلَادِ الصُّلْبِ مُسْتَحِقٌّ لِجَمِيعِ الْمَالِ بِاعْتِبَارِ حَقِيقَةِ الِاسْمِ، وَعِنْدَ الْعَمَلِ بِالْحَقِيقَةِ يَسْقُطُ اعْتِبَارُ الْمَجَازِ فَإِنَّ الْجَمْعَ بَيْنَ الْحَقِيقَةِ وَالْمَجَازِ فِي لَفْظٍ وَاحِدٍ فِي حَالَةٍ وَاحِدَةٍ مُتَعَذِّرٌ "[1]

ترجمہ: کسی میّت کے بیٹے اور بیٹوں کی اولاد کسی صورت میں جمع ہو جائے تو بیٹے کی موجودگی میں پوتے پوتیوں کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ صلبی بیٹا اولاد کے حقیقی معنی کے لحاظ سے پورے مال کا مستحق ہو گیا اور جب کسی لفظ کے حقیقی معنیٰ پر عمل کرنا ممکن ہوتا ہے تو مجازی معنی ساقط ہو جاتا ہے۔ ایک وقت میں ایک لفظ سے حقیقی اور مجازی دونوں معنی مراد لینا محال ہے۔

ابن نجیمؒ[2] اپنی کتاب البحر الرائق میں فرماتے ہیں کہ پوتا بیٹے کی موجودگی میں محروم ہو جاتا ہے کیونکہ بیٹا پوتے کے مقابلے میں میّت کا اقرب ہے۔[3]

فقہ مالکی کے مشہور امام، امام مالکؒ[4] نے اپنی کتاب مؤطا میں لکھا ہے: " اگر صلبی بیٹا اور پوتا جمع ہو جائے تو صلبی بیٹے کی موجودگی میں پوتے کے لیے میراث نہیں ہو گی۔ "[5]

---

ہیں۔ محیط، مسائل اصول، نوادر اور نوازل کا احاطہ کرتی ہے۔ اس لئے محیط نام رکھا۔ (الجواھر المضیة فی طبقات الحنفیة، ۲:۲۸؛ الاعلام، ۷:۲۴)

1 المبسوط، ۲۹: ۱۴۱

2 زین الدین بن ابراہیم بن محمد، (متوفی ۹۷۰ھ بمطابق ۱۵۶۳ء) کنیت ابن نجیم ہے۔ آپ مصری علما میں سے مشہور حنفی فقیہ تھے۔ آپ کے مشہور تصنیفات میں سے الاشباہ والنظائر فی اصول الفقہ، البحر الرائق فی شرح کنز الدقائق، رسائل الزینیہ فی مسائل الفقہیہ اور الفتاوی الزینیہ ہے۔ (شذرات الذهب في أخبار من ذهب، عبد الحي العَكري الحنبلي، ١٠: ٥٢٣، دار ابن كثير، دمشق، بيروت، طبعہ اول، 1406 ھ– 1986ء ، الاعلام، ۳:۶۴)

3 البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۸: ۴۹۴

4 امام مالکؒ: امام مالکؒ کا پورا نام مالک بن انس بن مالک الاصبحی الحمیری ہے۔ ۹۳ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ امام دار الہجرۃ کے نام سے مشہور ہیں۔ منصور کے کہنے پر احادیث میں مؤطا امام مالک نامی کتاب لکھی۔ اس کے علاوہ الرد علی القدریہ، النجوم اور تفسیر غریب القران اپ کے مشہور تصانیف میں سے ہیں۔ ۱۷۹ھ کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ ( الاعلام، ۵:۵۷)

5 شرح الزرقاني على موطأ الإمام مالك، محمد بن عبد الباقي بن يوسف الزرقاني المصري الأزهري، ٣: ١٥٣، مكتبة الثقافة الدينية، القاهرة، طبع اول: 1424ھ – 2003ء

علامہ ابن رشد[1] نے اپنی کتاب بدایۃ المجتہد میں لکھا ہے: "اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ پوتے اس وقت وارث ہوں گے جب کہ میّت کے اپنے بیٹے موجود نہ ہو۔"[2]

فقہ شافعی کی مشہور کتاب کتاب المہذب فی الفقہ الشافعی میں لکھا ہے: "عصبات میں سب سے اقرب بیٹا اور باپ ہے کیونکہ وہ اپنے ذات کے اعتبار سے میّت سے نسبت رکھتے ہیں جب کہ دوسرے عصبات کی رشتہ داری ان دونوں کی نسبت سے ہوتی ہے۔ اگر باپ اور بیٹا جمع ہو جائے تو میراث میں بیٹے کو مقدم کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آیت میراث کو بیٹوں کے ذکر سے شروع کیا ہے اور اہل عرب اہم شے سے شروع کرتے ہیں۔"[3]

فقہ حنبلی کے مشہور امام ابن قدامہ مقدسی حنبلی[4] نے اپنی کتاب "المغنی" میں فرمایا ہے: "میراث کے زیادہ مستحق میّت کے اقرب رشتہ دار ہیں جو ان کے بعد دور والے ہوں وہ محروم ہو جاتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ذوی الفروض کو ان کے حصے دو جو بچ جائے وہ اقرب مرد کے لیے ہو گا اور اقرب بیٹے ہیں پھر ان کے بیٹے ہیں اور اقرب ابعد کو محروم کر دیتا ہے۔"[5]

شیعہ حضرات نے بھی اس مسئلے میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ اختلاف نہیں کیا ہے چنانچہ اس کے مسلک کے مشہور محقق ابو جعفر الحلی[6] نے اپنی کتاب شرائع الاسلام میں لکھا ہے۔ "پہلا ضابطہ یہ ہے کہ قرب کی رعایت کی جائے گی۔ میّت کی اولاد موجود ہوتے ہوئے اولاد کی اولاد کے لیے میراث نہ ہو گی چاہے وہ اولاد مذکر ہو یا مؤنث ہو۔ یہاں تک کہ میّت کے بیٹی کی موجودگی میں بھی پوتے کو میراث نہیں ملے گا۔ جب اولاد اور اولاد کی اولاد کا اجتماع ہو جائے تو جو ان میں میّت کے قریب ہو گا وہ وارث ہو گا اور ابعد کو میراث لینے سے روکا جائے گا۔"

---

1 ابو الولید محمد بن احمد بن احمد بن رشد القرطبی المالکی (۴۵۰ھ۔ ۵۲۰ھ بمطابق ۱۰۵۸ء۔ ۱۱۲۶ء) مسلکِ مالکی کے بہت بڑے عالم، فقیہ اور شیخ تھے۔ قرطبہ میں قاضی رہے۔ اقوالِ مالکیہ، علم الفرائض و اصول کے جاننے والے اور فتویٰ دینے والے تھے۔ مشہور تصنیفات المقدمات، البیان والتحصیل لما فی المستخرجۃ من التوجیح والتعلیل اور اختصار مشکل الاثار لطحاوی ہیں۔ ستر سال عمر پائی۔ (سیر اعلام النبلاء، ۱۴:۳۵۹؛ الاعلام، ۵:۳۱۶)

2 بداية المجتهد ونهاية المقتصد، أبو الوليد محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد بن رشد القرطبي الشهير بابن رشد الحفيد (المتوفى: 595هـ)، ۴: ۱۲۶، دار الحديث – القاهرة، 1425هـ - 2004ء

3 المهذب في فقة الإمام الشافعي، أبو اسحاق إبراهيم بن علي بن يوسف الشيرازي (المتوفى: 476هـ)، ۲: ۴۱۵، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

4 سلمان بن حمزہ بن احمد بن عمر (۶۲۸ھ۔ ۷۱۵ھ بمطابق ۱۲۳۱ء۔ ۱۳۱۶ء) لقب تقی الدین اور کنیت ابن قدامہ ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد مقدس کے رہنے والے تھے اس لیے آپ کو مقدسی کہا جاتا ہے اور فقہ حنبلی کے مشہور امام ہونے کی وجہ سے حنبلی کہلاتے ہیں۔ آپ کی جائے پیدائش ووفات دمشق ہے۔ فقہ، علم الفرائض وحساب میں ماہر تھے۔ بیس سال قضا کے عہدے پر رہے۔ (الوفیات، ۱: ۱۷۱؛ الاعلام، ۳:۱۲۴)

5 المغني لابن قدامة، أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة الجماعيلي المقدسي ثم الدمشقي الحنبلي، الشهير بابن قدامة المقدسي (المتوفى: 620هـ)، ۶: ۲۷۸، مكتبة القاهرة، 1388هـ - 1968ء

6 محمد بن ادریس بن احمد بن ادریس العجلی الحلی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ شیعہ اور روافض کے بہت بڑے عالم تھے۔ بہت ساری تصنیفات کیے ہیں جن میں سے چند مشہور شرائع الاسلام، کتاب الحاوی لتحریر الفتاویٰ، کتاب السرائر، کتاب خلاصۃ الاستدلال اور مناسک واشیاء فی الاصول والفروع ہیں۔ حلہ شہر میں آپ کو بہت شہرت ملی۔ اس وجہ سے حلی کہلاتے ہیں۔ ۵۹۷ھ میں وفات پائی۔ (سیر اعلام النبلاء، ۱۵:۴۳۹)

فقہ ظاہری کے امام ابو محمد ابن حزم[1] نے اپنی کتاب المحلی میں لکھا ہے۔"میّت کے بیٹے کی موجودگی میں پوتے وارث نہیں ہوں گے۔"[2]

درج بالا دلائل کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ میّت کے صلبی اولاد (بیٹوں) کی موجودگی میں اولاد کی اولاد (پوتے پوتیاں) وارث اور میراث کے مستحق نہیں ہوں گے۔

**تقابل:**

پاکستان کے عائلی قانون ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۴ کے تحت صلبی اولاد کے موجود ہوتے ہوئے پوتے پوتی، نواسے نواسی کو اپنی مرحوم باپ یاماں کے قائم مقام کی حیثیت سے وارث قرار دیا گیا ہے۔

Section 4: In the event of the death of any son or daughter of the prospectus before the opening of the succession of the children of such son or daughter, if any, living at the time the succession opens, shall per stripes receive a share equivalent to the share which such son or daughter, as the case may be, would have received, if alive.[3]

ترجمہ: اگر کوئی شخص مر جائے اور اپنے پیچھے ایسے لڑکے یا لڑکی کی اولاد چھوڑے جو اس کی زندگی میں فوت ہو چکا ہو تو مرحوم کی اولاد اس حصے کو پانے کے مستحق ہوگی جو ان کے مرحوم باپ یاماں کو ملتا، اگر وہ اس شخص کے وفات کے وقت موجود ہوتے۔

دیگر اسلامی ممالک کے رائج الوقت قوانین میں یتیم پوتے پوتی کو وصیتِ واجبہ کے نام سے ترکہ میں حصہ دیا جاتا ہے یعنی دادا پر اپنے مرحوم بیٹا بیٹی کی اولاد کے لیے وصیت کرنا واجب ہوتی ہے۔[4]

پاکستان میں پوتا پوتی، نواسہ نواسی کو اپنے باپ یاماں کے قائم مقام کی حیثیت سے وارث قرار دیا گیا ہے۔

پاکستان کے عائلی قانون ۱۹۶۱ء کا یہ دفعہ (۴) احکامِ قرآنی، احادیثِ نبوی، آثارِ صحابہ اور امتِ مسلمہ کے اجماعی نقطۂ نظر کے خلاف ہے۔ وفاقی شرعی عدالت نے بھی مقدمہ اللہ رکھا بنام فیڈریشن آف پاکستان (پی ایل جے ۲۰۰۰۔۳۶) میں مذکورہ قانون کی دفعہ (۴) کو اسلامی احکامات کے منافی قرار دیا ہے اور ملکی اور معاشرتی حالات کے پیشِ نظر ایسے یتیموں کے معاشی مسائل کے حل

---

1 علی بن احمد بن سعید بن حزم الظاہری (۳۸۴ھ۔۴۵۶ھ بمطابق ۹۹۴ء۔۱۰۶۴ء) قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے میں اندلس کے ایک بڑے عالم اور امام تھے۔ اندلس میں بہت سارے لوگ آپ کے مذہب کی طرف منسوب ہیں۔ آپ کے مشہور تصنیفات میں سے جوامع السیرۃ، الاعراب، مراتب العلوم، ملخص ابطال القیاس، المحلی اور جمہرۃ الانساب ہیں۔ (الاعلام، ۴:۲۵۴)

2 المحلی بالآثار، أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي القرطبي الظاهري (المتوفى: 456هـ)، ٨: ٢٨٩، دار الفكر، بيروت، س ن

3 Muslim Family Laws Ordinance 1961, Section 4

4 مصر کے قانون الوصیۃ ۱۹۴۶ میں اس امر کا فیصلہ کیا گیا ہے کہ دادا پر اپنے مرحوم بیٹے کی اولاد کے لیے ان کے والد کے حصہ ترکہ کے بقدر یا کل مال کے تہائی کے بقدر وصیت کرنا واجب ہو گا۔ اگر دادا نے یہ وصیت نہیں کی تو مرحوم بیٹے کی اولاد ترکہ میں سے اپنے مرحوم والد کے حصہ کے بقدر لینے کے مستحق ہوں گے۔ اس وصیّتِ واجبہ کا پورا کرنا دیگر وصایا پر مقدم ہو گا۔ (قانون الوصیۃ المصریۃ ۱۹۴۶م، الفصل السادس: الوصیۃ الواجبۃ لفرع الولد المادۃ: من ۷۶ الی ۷۸)

کے لیے لازمی وصیت (الوصیۃ الواجبۃ) کا حکم دیا ہے جو ترکہ کے ایک تہائی سے زیادہ اور متعلقہ یتیموں کے ممکنہ حصے سے زیادہ نہیں ہو گی چونکہ وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ سپریم کورٹ میں زیرِ اپیل ہے اس لیے مذکورہ فیصلے کو ختمی حیثیت حاصل نہیں ہے اور فیملی لاز آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی دفعہ چار اب تک رائج الوقت قانون کی حیثیت سے نافذ العمل ہے۔[1]

1 قانون فہمی، قانون وانصاف کمیشن، حکومتِ پاکستان، ۱:۸۲، سپریم کورٹ بلڈنگ، اسلام آباد

**خلاصہ باب**

باب پنجم میں فتاوی عالمگیری کے کتاب الفرائض دسویں باب سے لے کر اٹھارویں باب تک کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ یہ باب تین فصول پر مشتمل ہے۔

فصل اول میں دسویں باب سے لے کر چودھویں باب تک کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ دسویں باب میں ذوی الارحام اور ان کے اقسام کا بیان ہے۔ اس باب میں کل دفعات ۱۰ ہیں۔ گیارہویں باب میں حساب الفرائض کا بیان ہے۔ اس باب میں کل دفعات ۱۰ ہیں۔ بارہویں باب میں تماثل، تداخل، توافق اور تباین کی پہچان اور ان کے قواعد کا بیان ہے۔ اس باب میں کل دفعات تین ہیں۔ تیرہویں باب میں عول کا بیان ہے۔ یہ باب صرف ایک دفعہ پر مشتمل ہے۔ چودھویں باب میں رد کا بیان ہے جس میں کل ۵ دفعات ہیں۔

فصلِ دوم میں فتاویٰ عالمگیری کے کتاب الفرائض کے پندرہویں باب سے لے کر اٹھارویں باب تک کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ پندرہویں باب میں مناسخہ کا بیان ہے۔ اس باب میں صرف ایک دفعہ ہے۔ سولویں باب میں تقسیمِ ترکات اور تخارج کا بیان ہے جس میں کل چار دفعات ہیں۔ سترہویں باب میں میراث کے مسائل متشابہہ کو ذکر کیا گیا ہے جب کہ اٹھارویں باب میں علمِ میراث کے مسائل ملقبہ کو بیان کیا گیا ہے۔

فصلِ سوم میں یتیم پوتے کی میراث کا قرآن وحدیث اور فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں شرعی حکم اور ملکی قوانین کے ساتھ اس کا تقابل پیش کیا گیا ہے۔

مقالہ ہذا کا بابِ پنجم کل ۳۴ دفعات پر مشتمل ہے اور ملکی قوانین کے ساتھ کل تین مقامات پر تقابل پیش کیا گیا ہے۔ دو مقامات پر ملکی قانون شرعی قانون کے عین مطابق ہے تاہم میراث الحفید یعنی پوتے کے میراث کا ملکی قانون، شرعی قانون میں جمہور کا مسلک نہیں ہے۔

# خلاصۂ بحث، نتائجِ بحث اور سفارشات و تجاویز

## خلاصہ بحث

یہ مقالہ کل پانچ ابواب اور ذیلی فصلوں پر مشتمل ہے جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

**بابِ اول** تین فصول پر مشتمل ہے۔ فصلِ اوّل مقالہ کے موضوع، دفعہ بندی کے تعارف اور موجودہ زمانے میں اس موضوع کی اہمیت پر مشتمل ہے۔ موضوع کے اہداف اور سابقہ تحقیقات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

فصلِ دوم میں قضیۂ تحقیق کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ قضیہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کر کے زیرِ بحث موضوع کے قضیۂ تحقیق کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

فصلِ سوم میں منہج کی لغوی اور اصطلاحی تعریف، منہج کے اقسام اور مقالۂ ہٰذا کے مناہج کا علمی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

**باب دوم** تین فصول پر مشتمل ہے۔ فصلِ اول میں فتاویٰ عالمگیری کے کتاب الوصایا باب اول اور باب دوم کی دفعہ کی گئی ہے۔ باب اول میں وصیّت کی شرعی تفسیر، شرائط اور حکم بیان کیا گیا ہے۔ یہ باب کل ۳۰ دفعات پر مشتمل ہے۔ باب دوم میں ان الفاظ کو بیان کیا گیا ہے جو وصیّت ہوتے ہیں اور جو وصیّت نہیں ہوتے۔ یہ باب کل ۱۹ دفعات پر مشتمل ہے۔

فصلِ دوم میں فتاویٰ عالم گیری کے کتاب الوصایا باب سوم اور باب چہارم کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ باب سوم تہائی مال کی وصیّت کے بیان میں ہے۔ یہ باب کل ۲۲ دفعات پر مشتمل ہے جب کہ بابِ چہارم بیٹے کا اپنے مرض الوفات میں اپنے باپ کی وصیّت کے اجازت دینے اور اپنے آپ پر یا اپنے باپ پر قرض کے اقرار کرنے اور جس کی تقدیم کی جائے گی اس کے بیان میں ہے۔ یہ باب کل ۲ دفعات پر مشتمل ہے۔

فصلِ سوم میں فتاویٰ عالمگیری کے کتاب الوصایا باب پنجم کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ یہ باب مرض الموت میں عتق و محابات اور ہبہ کے بیان میں ہے۔ اس باب میں کل پانچ دفعات ہیں اور اس میں کل تین مقامات میں ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

مقالہ ہذا کا باب دوم کل ۷۸ دفعات پر مشتمل ہے اور اس میں کل گیارہ مقامات میں ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

**باب سوم** میں فتاویٰ عالمگیری کے کتاب الوصایا باب ششم تا بابِ دہم کی دفعہ کی گئی ہے۔ یہ باب تین فصول پر مشتمل ہے۔

فصلِ اول میں باب ششم کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ اس باب میں اقارب، اہلِ بیت، پڑوسیوں، بنو فلاں، یتیموں، شیعہ و اہلِ علم و حدیث وغیرہ کے حق میں وصیّت کرنے کا بیان ہے۔ اس باب میں کل ۴ دفعات ہیں۔

فصلِ دوم میں فتاویٰ عالمگیری کے کتاب الوصایا ساتویں اور آٹھویں باب کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ ساتویں باب میں رہائش، خدمت و کرایہ، پیداوارِ باغ و زمین اور جانورانِ سواری کی سواری وغیرہ کی وصیّت کا بیان ہے۔ اس باب میں کل ۱۱ دفعات ہیں۔ آٹھواں باب ذمی اور حربی کافر کی وصیّت کے بیان میں ہے۔ اس باب میں کل آٹھ دفعات ہیں۔

فصلِ سوم میں فتاویٰ عالمگیری کے کتاب الوصایا کے نویں اور دسویں باب کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ نویں باب میں وصی اور اس کے اختیارات کا بیان ہے۔ یہ باب کل ۱۰ دفعات پر مشتمل ہے۔ دسویں باب میں وصیّت پر گواہی کا بیان ہے۔ اس باب میں کل پانچ دفعات ہیں۔

مقالہ ہٰذا کا بابِ سوم کل ۵۰ دفعات پر مشتمل ہے اور ایک مقام پر وضعی قانون کے ساتھ تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

**باب چہارم** میں فتاوٰی عالمگیری کے کتاب الفرائض بابِ اول تا بابِ نہم کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ یہ باب تین فصول پر مشتمل ہے۔

فصل اول میں باب اول تا بابِ سوم کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ بابِ اول میں علم الفرائض کی تعریف اور ترکہ کے متعلقات کا بیان ہے۔ اس باب میں کل دفعات ۴ ہیں۔ بابِ دوم میں اصحاب الفروض اور ان کے احوال کا بیان ہے۔ اس باب میں کل دفعات ۱۲ ہیں۔ بابِ سوم میں عصبات کی تعریف اور ان کے اقسام کا بیان ہے۔ اس باب میں کل دفعات چار ہیں اور باب کے احوال میں ملکی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

فصلِ دوم میں فتاویٰ عالمگیری کے کتاب الفرائض کے بابِ چہارم تا باب ششم کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ بابِ چہارم میں حجب اور اس کے اقسام کا بیان ہے۔ اس باب میں کل دفعات دو ہیں۔ بابِ پنجم میں موانع ارث کا بیان ہے اور یہ باب صرف ایک دفعہ پر مشتمل ہے۔ بابِ ششم میں میراثِ اہلِ کفر وغیرہ کا بیان ہے۔ اس باب میں کل دفعات چار ہیں۔

فصلِ سوم میں فتاویٰ عالمگیری کے بابِ ہفتم تا بابِ نہم کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ بابِ ہفتم میں حمل کے میراث کا بیان ہے۔ اس باب میں کل تین دفعات ہیں۔ بابِ ہشتم میں گم شدہ شخص، قیدی، ڈوب کر، جل کر اور دب کر ایک ساتھ مرنے والوں کے میراث کا بیان ہے۔ اس باب میں دفعات دو ہیں۔ بابِ نہم میں خنثٰی کے میراث کا بیان ہے۔ یہ باب کل دو دفعات پر مشتمل ہے۔

مقالہ ہٰذا کا بابِ چہارم کل ۳۴ دفعات پر مشتمل ہے اور پندرہ (۱۵) مقامات پر وضعی قوانین کے ساتھ تقابل پیش کیا گیا ہے جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ میراث کے باب میں ملکی قانون، شرعی قانون کے عین مطابق ہے۔

**باب پنجم** میں فتاوٰی عالمگیری کے کتاب الفرائض دسویں باب سے لے کر اٹھارویں باب تک کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ یہ باب تین فصول پر مشتمل ہے۔

فصل اول میں دسویں باب سے لے کر چودھویں باب تک کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔ دسویں باب میں ذوی الارحام اور ان کے اقسام کا بیان ہے۔ اس باب میں کل دفعات ۱۰ ہیں۔ گیارہویں باب میں حساب الفرائض کا بیان ہے۔ اس باب میں کل دفعات ۱۰ ہیں۔ بارہویں باب میں تماثل، تداخل، توافق اور تباین کی پہچان اور ان کے قواعد کا بیان ہے۔ اس باب میں کل دفعات تین ہیں۔ تیرہویں باب میں عول کا بیان ہے۔ یہ باب صرف ایک دفعہ پر مشتمل ہے۔ چودھویں باب میں رد کا بیان ہے جس میں کل ۵ دفعات ہیں۔

فصلِ دوم میں فتاویٰ عالمگیری کے کتاب الفرائض کے پندرہویں باب سے لے کر اٹھارویں باب تک کی دفعہ بندی کی گئی ہے۔پندرہویں باب میں مناسخہ کا بیان ہے۔اس باب میں صرف ایک دفعہ ہے۔سولویں باب میں تقسیمِ ترکات اور تخارج کا بیان ہے جس میں کل چار دفعات ہیں۔سترہویں باب میں میراث کے مسائل تشابہہ کو ذکر کیا گیا ہے جب کہ اٹھارویں باب میں علمِ میراث کے مسائل ملقبہ کو بیان کیا گیا ہے۔

فصلِ سوم میں یتیم پوتے کی میراث کا قرآن وحدیث اور فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں شرعی حکم اور ملکی قوانین کے ساتھ اس کا تقابل پیش کیا گیا ہے۔

مقالہ ہذا کا بابِ پنجم کل ۳۴ دفعات پر مشتمل ہے اور ملکی قوانین کے ساتھ کل تین مقامات پر تقابل پیش کیا گیا ہے۔دو مقامات پر ملکی قانون شرعی قانون کے عین مطابق ہے تاہم میراث الحفید یعنی پوتے کے میراث کا ملکی قانون،شرعی قانون میں جمہور کا مسلک نہیں ہے۔

اس طرح یہ مقالہ فتاویٰ عالمگیری کے "کتاب الوصایا اور کتاب الفرائض" کی دفعہ بندی پر مشتمل ہے جس میں کل دفعات ایک سوچھیانوے ہیں۔تیس(۳۰) مقامات پر ملکی قانون کے ساتھ تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ملکی قوانین میں وصیت اور میراث سے متعلق کوئی مستقل قانون موجود نہیں ہے تاہم عدالتی فیصلوں کے ساتھ تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کے عدالتوں میں وصیت اور میراث کے فیصلے، ۱۹۳۵ء اور ۱۹۶۲ء مسلم پرسنل لاء شریعت ایکٹ کی رو سے اسلامی فقہی مسائل کے مطابق حل کیے جاتے ہیں تاہم صرف میراث الحفید یعنی پوتے کے میراث کے مسئلے میں ملکی قانون شرعی قانون سے متصادم ہے۔

# نتائج بحث

راقم نے زیرِ نظر تحقیق سے درج ذیل نتائج اخذ کیے ہیں:

فتاویٰ عالمگیری حسن ترتیب اور فقہی جزئیات کی کثرت اور جامعیت کی وجہ سے دیگر فتاویٰ سے جدا اور ممتاز ہے۔ اس بات کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اس فتاوی میں جو جزئیات اور کثیر مقدار میں تفریعات موجود ہیں وہ کہیں دوسرے فتاوی میں بہت کم ملتے ہیں۔ اس فتاوی کی عبارات، ابواب بندی اور ترتیب سے بھی مصنفین کے ذوق کا علم حاصل ہوتا ہے تاہم فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب میں بعض مقامات پر ابواب میں تقدیم وتاخیر کی وجہ سے مسائل کا سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے۔

اس مقالے کے بنیادی مقاصد میں یہ بات سر فہرست تھی کہ دیکھا جائے کہ کیا فقہ اسلامی کا قدیم ذخیرہ موجودہ دور میں قابل عمل ہے ؟ تو فتاویٰ عالمگیری کے وصیت اور میراث سے متعلقہ قوانین کی دفعہ بندی اور وضعی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ملکی قوانین میں وصیت اور میراث سے متعلق اپنا کوئی مستقل قانون موجود ہی نہیں ہے بلکہ ملکی عدالتوں میں تمام فیصلے اسلامی شریعت کے مطابق، فقہی کتابوں سے ہی حل کیے جاتے ہیں سوائے میراث الحفید یعنی پوتے کے میراث کا مسئلہ جو کہ شریعتِ مطہرہ کے ساتھ متصادم ہے، لہذا قدیم فقہی ذخیرے کی ابواب بندی اور دفعہ بندی کر کے جدید عصری ضروریات کے لیے استعمال کے قابل بنایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ فقہ اسلامی کے قدیم ذخیرہ کو معاصر قوانین کی ترتیب پر لاکر جدید علوم سے وابستہ افراد کے استفادہ کے قابل بنایا جاسکتا ہے۔

زیرِ نظر تحقیق سے یہ نتیجہ واضح طور پر سامنے آتا ہے کہ فتاوی عالمگیری کی دفعہ بندی اور جدید اصطلاحات کے استعمال سے اسے ملکی سطح پر بطور قانون رائج کیا جانا ممکن ہے اور اس سے عام لوگوں کے مسائل کو سمجھنے اور اسے حل کرنے میں آسانی رہے گی۔

# تجاویز وسفارشات

دورانِ تحقیق جن امور کو مزید تحقیق کے لیے مناسب سمجھا گیا وہ درج ذیل ہیں:

1. فتاوی عالمگیری کی طرح دیگر مستند فتاویٰ اور فقہی کتابوں کی بھی دفعہ بندی کی جائے اور اسے باقاعدہ منظور کر کے عدالتوں میں نافذ کیا جائے۔
2. تمام فقہی کتابوں اور فتاوی سے ایک مجموعہ تیار کیا جائے اور اس میں ساری فقہ کو ابواب کے لحاظ سے بالترتیب دفعہ بند کیا جائے۔
3. ایک نوع اور موضوع سے تعلق رکھنے والے دفعات کو اکٹھا کیا جائے تا کہ تلاش میں آسانی ہو۔
4. تمام فقہی ذخیرہ کا موجود ملکی قوانین کے ساتھ تقابل کیا جائے اور اختلاف کی صورت میں ملکی قوانین کو اسلامیانے کے لیے مناسب حل تجویز کیا جائے۔
5. فتاوی عالمگیری اور دیگر فقہی کتابوں میں موجود پرانی عربی عبارات، اقوال اور اصطلاحات کو موجودہ عرف کے مطابق علاقائی زبان میں بیان کیا جائے۔
6. وصیت اور میراث سے متعلقہ دفعات میں موجودہ عرف کے مطابق جدید دفعات کا اضافہ کیا جائے۔
7. فتاوی عالمگیری کے دفعات اور ابواب میں قارئین کے سمجھنے کے لیے مناسب تقدیم و تاخیر کی جائے۔
8. فقہی قوانین کو عوام الناس کے لیے آسان طرز اور آسان الفاظ میں پیش کیا جائے۔
9. یتیم پوتے پوتی کی میراث کے مسئلے کے لیے وصیتِ واجبہ کی صورت کوئی حل تجویز کی جائے۔
10. میراث کے مسائل کو پرانے اصطلاحات کی بجائے موجودہ جدید علمی ریاضی اصطلاحات میں پیش کیا جائے۔

## فہارس فنیہ

# فہرس آیات

| صفحہ | سورۃ و آیت نمبر | آیات | نمبر شمار |
|---|---|---|---|
| 21 | البقرۃ،۲:۲۳ | وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ | .1 |
| 48 | البقرۃ،۲:۴۱ | وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا | .2 |
| 79 | البقرۃ،۲:۴۳ | اقیمواالصلوۃواتوالزکوۃ | .3 |
| 25, 26 | البقرۃ،۲:۱۸۰ | كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ | .4 |
| 76 | البقرۃ،۲:۱۸۰ | الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ | .5 |
| 111 | البقرۃ،۲:۲۳۷ | فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ | .6 |
| 20 | آل عمران،۳:۱۵۹ | وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ | .7 |
| 26, 62, 81, 112, 118, 123, 124, 129,134, 203 | النساء،۴:۱۱ | يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا | .8 |
| 25, 120, 121 | النساء،۴:۱۲ | وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ | .9 |
| 101 | النساء،۴:۱۴۱ | وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا | .10 |
| 123,125, 126, | النساء،۴:۱۷۶ | يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ | .11 |

| | | | |
|---|---|---|---|
| .12 | فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ | مائده،۴۸:۵ | 18 |
| .13 | كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ | الاعراف،۲۷:۷ | 119 |
| .14 | يَا بَنِي آدَمَ | الاعراف،۲۶:۷ | 121 |
| .15 | إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ | التوبة،۱۸:۹ | 48 |
| .16 | أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ | ھود،۱۸:۱۱ | 21 |
| .17 | فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا | طه،۱۰:۲۰ | 78 |
| .18 | سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا | النور،۱:۲۴ | 111 |
| .19 | وَسَارَ بِأَهْلِهِ | القصص،۲۹:۲۸ | 78 |
| .20 | مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ | الاحزاب،۴۰:۳۳ | 140 |
| .21 | سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ | حم السجدة،۵۳:۴۱ | 19 |
| .22 | لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ | الممتحنة،۸:۶۰ | 37, 50 |
| .23 | إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ | الممتحنة،۹:۶۰ | 37 |
| .24 | فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ | عبس،۲۴:۸۰ | 20 |
| .25 | فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ | الطارق،۵:۸۶ | 20 |

# فہرس احادیث نبویہ

| | | |
|---|---|---|
| 26 | عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: مَرِضْتُ، فَعَادَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ادْعُ اللَّهَ أَنْ لاَ يَرُدَّنِي عَلَى عَقِبِي، قَالَ: «لَعَلَّ اللَّهَ يَرْفَعُكَ وَيَنْفَعُ بِكَ نَاسًا» ، قُلْتُ: أُرِيدُ أَنْ أُوصِيَ، وَإِنَّمَا لِي ابْنَةٌ، قُلْتُ: أُوصِي بِالنِّصْفِ؟ قَالَ: «النِّصْفُ كَثِيرٌ» ، قُلْتُ: فَالثُّلُثِ؟ قَالَ: «الثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ أَوْ كَبِيرٌ» ، قَالَ: فَأَوْصَى النَّاسُ بِالثُّلُثِ، وَجَازَ ذَلِكَ لَهُمْ | .16 |
| 27 | عَنْ مَكْحُولٍ، أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قَالَ: «إِنَّ اللَّهَ تَصَدَّقَ عَلَيْكُمْ بِثُلُثِ أَمْوَالِكُمْ زِيَادَةً فِي حَيَاتِكُمْ» يَعْنِي الْوَصِيَّةَ | .17 |
| 112 | فَإِنَّكُمْ عَلَى إِرْثٍ مِنْ إِرْثِ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ | .18 |
| 118 | فَمَا تَرَكَتِ الفَرَائِضُ فَلِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ | .19 |
| 138 | القاتل لا يرث | .20 |
| 18 | قال ابن عباس: شرعة ومنهاجا: سبيلا وسنة | .21 |
| 106 | لَا شَهَادَةَ لِخَصْمٍ وَلَا ظَنِينٍ قَالَ أَبُو دَاوُدَ: الظَّنِينُ: الْمُتَّهَمُ | .22 |
| 139 | لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم | .23 |
| 120 | وَالكَلاَلَةُ: مَنْ لَمْ يَرِثْهُ أَبٌ أَوِ ابْنٌ، | .24 |
| 206 | وَقَالَ زَيْدٌ: «وَلَدُ الأَبْنَاءِ بِمَنْزِلَةِ الوَلَدِ، إِذَا لَمْ يَكُنْ دُونَهُمْ وَلَدٌ ذَكَرُهُمْ كَذَكَرِهِمْ، وَأُنْثَاهُمْ كَأُنْثَاهُمْ، يَرِثُونَ كَمَا يَرِثُونَ، وَيَحْجُبُونَ كَمَا يَحْجُبُونَ، وَلاَ يَرِثُ وَلَدُ الِابْنِ مَعَ الِابْنِ» | .25 |
| 112 | يَا أَبَا هُرَيْرَةَ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوهَا، فَإِنَّهُ نِصْفُ الْعِلْمِ وَهُوَ يُنْسَى، وَهُوَ أَوَّلُ شَيْءٍ يُنْزَعُ مِنْ أُمَّتِي | .26 |
| 152 | يُوَرَّثُ مِنْ حَيْثُ يَبُولُ | .27 |

# فہرس اعلام

# فہرست مصادر و مراجع

| نمبر شمار | نام کتب، نام مصنف، نام مکتبہ و سن اشاعت |
|---|---|
| .1 | القرآن الکریم |
| .2 | صحیح البخاری، محمدبن اسماعیل البخاری، دارطوق النجاۃ، بیروت، ۱۴۲۲ھ |
| .3 | صحيح لمسلم، مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري (المتوفى: 261هـ)، دار إحياء التراث العربي، بيروت |
| .4 | الإحكام في أصول الأحكام، أبو الحسن سيد الدين علي بن أبي علي بن محمد بن سالم الثعلبي الآمدي (المتوفى: المكتب الإسلامي، بيروت، دمشق، لبنان 631هـ)، |
| .5 | الاختيار لتعليل المختار، عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (المتوفى: 683هـ)، ،1356هـ - 1937ء) مطبعة الحلبي، القاهرة (وصورتها دار الكتب العلمية، بيروت |
| .6 | ادارہ دائرۃ المعارف، دانش گاہ، پنجاب، لاہور |
| .7 | إرواء الغليل في تخريج أحاديث منار السبيل، محمد ناصر الدين الألباني (المتوفى: 1420هـ)، المكتب الإسلامي، بيروت، 1985ء/الطبعة الثانية 1405ھ |
| .8 | الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ النمری القرطبی، دار الجیل، بیروت، طبعہ اولی ۱۴۱۲ھ |
| .9 | الاسلام وتقنين الاحكام، الدکتور عبد الرحمٰن عبد العزیز القاسم، مطبعہ المدنی، مصر، طبعہ الاولی، ۱۹۹۶ء |
| .10 | الاسلام وتقنين الاحكام، ڈاکٹر عبد الرحمٰن عبد العزیز القاسم، مطبعہ مدنی، مصر، طبعہ اولی، ۱۹۹۶ء |
| .11 | الاسلام وتقنين الاحكام، ڈاکٹر عبد الرحمٰن عبد العزیز القاسم، مطبعہ مدنی، مصر، طبعہ اولی، ۱۹۹۶ء |
| .12 | الاصابة فی تمییز الصحابة، ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی (المتوفی: ۸۵۲ھ)، دار الکتب علمیہ، بیروت، طبعہ اولی ۱۴۱۵ھ |
| .13 | أصول السرخسي، محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (المتوفى: 483هـ)، دار المعرفة، بيروت |
| .14 | أصول السرخسي، محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (المتوفى: 483هـ)، دار المعرفة، بيروت |
| .15 | اصول بحث و تحقیقِ علوم شرعیہ، ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف، اشاعتِ چہارم ۲۰۱۷ء |
| .16 | اصولِ تحقیق کوڈ ۱۱ے، ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد |
| .17 | اصولِ تحقیق، ڈاکٹر عبد الحمید خان عباسی، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، طبع دوم ۲۰۱۲ء |
| .18 | الأعلام، خير الدين بن محمود بن محمد بن علي بن فارس، الزركلي الدمشقي (المتوفى: 1396هـ)، دار العلم للملايين، بیروت، پندرھویں طباعت: 2002 |
| .19 | انسانی حقوق (ایک خصوصی مطالعہ)، محمد آصف ملک، محمد حسن احمد و دیگر، پبلشرز ایمپوریم اردو بازار لاہور، ۲۰۱۰ء |

| | |
|---|---|
| .20 | الإيضاح في علوم البلاغة، محمد بن عبد الرحمن بن عمر، أبو المعالي، جلال الدين القزويني الشافعي، المعروف بخطيب دمشق (المتوفى: 739هـ)، دار الجيل، بيروت، س ن |
| .21 | البحر الرائق شرح كنز الدقائق، زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (المتوفى: 970هـ)، دار الكتاب الإسلامي، بيروت، الطبعة الثانية، بدون تاريخ |
| .22 | بداية المجتهد ونهاية المقتصد، أبو الوليد محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد بن رشد القرطبي الشهير بابن رشد الحفيد (المتوفى: 595هـ)، دار الحديث – القاهرة، 1425هـ - 2004ء |
| .23 | بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (المتوفى: 587هـ)، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية، 1406ھ/1986ء |
| .24 | البناية شرح الهداية، أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى (المتوفى: 855هـ)، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة: الأولى، 1420ھ/2000ء |
| .25 | تاج التراجم، ابن قطلوبغا، زین الدین قاسم بن قطلوبغا السودونی، دار القلم، بیروت، ۱۴۱۳ھ=۱۹۹۴ء |
| .26 | تاج العروس من جواهر القاموس، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني، أبو الفيض، الملقّب بمرتضى، الزَّبيدي (المتوفى: 1205هـ)، دار الهداية، س ن |
| .27 | تاریخ الفقہ الاسلامی، ڈاکٹر عمر سلیمان الاشقر، مکتبۃ الفلاح، کویت، س-ن |
| .28 | تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (المتوفى: 743هـ)، المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة، الطبعة الأولى، 1313ھ |
| .29 | تحفة الفقهاء، محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (المتوفى: نحو 540هـ)، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، طبعہ دوم، 1414ھ/1994ء |
| .30 | تفسير غريب ما في الصحيحين البخاری والمسلم، محمد بن فتوح بن عبد الله الازدی (المتوفى ۴۸۸ھ)، مكتبة السنة، قاہرہ طبعہ اولی ۱۴۱۵ھ |
| .31 | الجامع الصغير وشرحه النافع الكبير، أبو عبد الله محمد بن الحسن الشيباني (المتوفى: 189ھ)، عالم الكتب، بيروت، طبعة أولى، 1406ھ |
| .32 | جماعت ششم ٹیکسٹ بک، خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ، پشاور، ۲۰۱۹ء |
| .33 | الجوهرة النيرة، أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبِيدِيّ اليمني الحنفي (المتوفى: 800هـ)، المطبعة الخيرية، الطبعة الأولى، 1322ھ |
| .34 | حكم تقنين الشريعة الاسلامية، عبد الرحمٰن بن سعد الشثری، دار الصميعی للنشر والتوزيع، الرياض، ۲۰۰۷ء |
| .35 | حكم تقنين الشريعة الاسلامية، عبد الرحمٰن بن سعد الشثری، دار الصميعی للنشر والتوزيع، الرياض، ۲۰۰۷ء |
| .36 | حكم تقنين الشريعة الاسلامية، عبد الرحمٰن بن سعد الشثری، دار الصميعی للنشر والتوزيع، الرياض، ۲۰۰۷ء |

| | |
|---|---|
| .37 | درر الحكام شرح غرر الأحكام، محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا - أو منلا أو المولى - خسرو (المتوفى: 885هـ)، دار إحياء الكتب العربية، بيروت، بدون طبعة وتاريخ |
| .38 | السراجی فی المیراث، شیخ سراج الدین محمد بن محمد بن عبد الرشید السجاوندی، مکتبۃ البشریٰ، کراچی، ۱۴۳۹ھ |
| .39 | سنن ابن ماجه، ابن ماجة أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني (المتوفى: 273هـ)، دار الرسالة العالمية، بيروت، الطبعة: الأولى، 1430/2009ء |
| .40 | سنن ابن ماجه، ابن ماجة أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني، وماجة اسم أبيه يزيد (المتوفى: 273هـ)، دار إحياء الكتب العربية، بيروت |
| .41 | سنن الدارقطني، أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود بن النعمان بن دينار البغدادي الدارقطني (المتوفى: 385هـ)، مؤسسة الرسالة، بيروت – لبنان، الطبعة: الأولى، 1424هـ - 2004ء |
| .42 | السنن الصغرى للنسائي، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (المتوفى: 303هـ)، مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب، طبعة ثانية، 1406/ 1986 |
| .43 | السنن الكبرى، أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي (المتوفى: 458هـ)، دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان، الطبعة: الثالثة، 1424 هـ - 2003ء |
| .44 | السنن الكبرى، أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي (المتوفى: 458هـ)، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، طبع سوم 1424 هـ - 2003 ء |
| .45 | سير أعلام النبلاء، شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي (المتوفى: 748هـ)، دار الحديث، القاهرة، الطبعة: 1427هـ |
| .46 | شذرات الذهب في أخبار من ذهب، عبد الحي العَكري الحنبلي، دار ابن كثير، دمشق، بيروت، طبع اول، 1406 هـ- 1986ء |
| .47 | شرح الزرقاني على موطأ الإمام مالك، محمد بن عبد الباقي بن يوسف الزرقاني المصري الأزهري، مكتبة الثقافة الدينية، القاهرة، طبع اول: 1424هـ - 2003ء |
| .48 | شرح السير الكبير، محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (المتوفى: 483هـ)، الشركة الشرقية للإعلانات، بدون طبعة، 1971ء |
| .49 | الشريفية شرح السراجية، السيد الشريف العالم الربانی علی الجرجانی، مکتبہ حقانیہ، پشاور، س-ن |
| .50 | صحيح الأدب المفرد للإمام البخاري، محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة البخاري، أبو عبد الله (المتوفى: 256هـ)، دار الصديق للنشر والتوزيع، طبعة رابعة، 1418 هـ/ 1997ء |
| .51 | طبقات الشافعية الكبرى، تاج الدين عبد الوهاب بن تقي الدين السبكي (المتوفى: 771هـ)، هجر للطباعة والنشر والتوزيع، طبع دوم، 1413هـ |
| .52 | الطبقات الكبرى، ابو عبد اللہ محمد بن سعد، دار الکتب علمیہ، بیروت، طبعہ اولی ۱۴۱۰ھ |

| | |
|---|---|
| طرازی شرح سراجی، مولانا اشتیاق احمد صاحب درنگوی، مکتبہ نعیمیہ، مردان | .53 |
| العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية، ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (المتوفى: 1252هـ)، دار المعرفة، بيروت، س ن | .54 |
| العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية، ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (المتوفى: 1252هـ)، دار المعرفة، بيروت، س- ن | .55 |
| عمدة القاري شرح صحيح البخاري، أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى (المتوفى: 855هـ)، دار إحياء التراث العربي، بيروت | .56 |
| العناية شرح الهداية، محمد بن محمد بن محمود، أكمل الدين أبو عبد الله ابن الشيخ شمس الدين ابن الشيخ جمال الدين الرومي البابرتي (المتوفى: 786هـ)، دار الفكر، بيروت، لبنان، بدون طبعة وبدون تاريخ | .57 |
| الفتاوى الهندية، لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي، دار الفكر، بيروت، لبنان، الطبعة الثانية، 1310هـ | .58 |
| فتح الباري شرح صحيح البخاري، أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي، دار المعرفة، بيروت، 1379هـ | .59 |
| فتح القدير، كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (المتوفى: 861هـ)، دار الفكر، بيروت، س-ن | .60 |
| فیروز اللغات اردو، الحاج مولوی فیروز الدین کیرانوی، فیروز سنز لاہور، ۲۰۰۵ء | .61 |
| قاموس الفقه، خالد سیف اللہ رحمانی، زمزم پبلشر، کراچی، ۲۰۰۷ء | .62 |
| قاموس الفقه، خالد سیف اللہ رحمانی، زمزم پبلشر، کراچی، ۲۰۰۷ء | .63 |
| قاموس الفقه، رحمانی، خالد سیف اللہ، زمزم پبلشر، کراچی، ۲۰۰۷ء | .64 |
| قانون فقہی، قانون وانصاف کمیشن، حکومتِ پاکستان، سپریم کورٹ بلڈنگ، اسلام آباد | .65 |
| قرة عين الأخيار لتكملة رد المحتار علي «الدر المختار شرح تنوير الأبصار»، علاء الدين محمد بن (محمد أمين المعروف بابن عابدين) بن عمر بن عبد العزيز عابدين الحسيني الدمشقي (المتوفى: 1306هـ)، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان | .66 |
| القطبی، امام قطب الدین محمد بن محمد الرازی، مکتبہ حقانیہ نوشہرہ، س ن | .67 |
| كتاب التعريفات، علي بن محمد بن علي الزين الشريف الجرجاني (المتوفى: 816هـ)، دار الكتب العلمية بيروت، لبنان، الطبعة الأولى: 1403هـ | .68 |
| كتاب التعريفات، علي بن محمد بن علي الزين الشريف الجرجاني (المتوفى: 816هـ)، دار الكتب العلمية بيروت، لبنان، الطبعة: الأولى 1403هـ-1983م | .69 |
| الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار، أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (المتوفى: 235هـ)، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة: الأولى، 1409 | .70 |

| | |
|---|---|
| .71 | الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار، أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (المتوفى: 235هـ)، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة الأولى، 1409ء |
| .72 | اللباب في شرح الكتاب، عبد الغني بن طالب بن حمادة بن إبراهيم الغنيمي الدمشقي الميداني الحنفي (المتوفى: 1298هـ)، المكتبة العلمية، بيروت، لبنان |
| .73 | /المبسوط، محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (المتوفى: 483هـ)، دار المعرفة، بيروت، 1414ھ 1993ء |
| .74 | متن بداية المبتدي، علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (المتوفى: 593هـ)، مكتبة ومطبعة محمد علي صبح، القاهرة |
| .75 | مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (المتوفى: 1078هـ)، دار إحياء التراث العربي، بيروت، بدون طبعة وتاريخ |
| .76 | مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (المتوفى: 1078هـ)، دار إحياء التراث العربي، بدون طبعة وبدون تاريخ |
| .77 | مجمع الضمانات، أبو محمد غانم بن محمد البغدادي الحنفي (المتوفى: 1030هـ)، دار الكتاب الإسلامي، بيروت، س ن |
| .78 | مجموعہ قوانینِ اسلام، جسٹس تنزیل الرحمٰن، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ اسلام آباد، پاکستان، طبع ششم ۲۰۰۵ء |
| .79 | المحلى بالآثار، أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي القرطبي الظاهري (المتوفى: 456هـ)، دار الفكر، بيروت، س ن |
| .80 | المحيط البرهاني في الفقه النعماني فقه الإمام أبي حنيفة رضي الله عنه، أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (المتوفى: 616هـ)، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، طبعة أولى 1424ه/2004ء |
| .81 | مدخل لدراسة الشريعة الاسلامية، الدكتور محمد يوسف القرضاوى، مؤسسة الرسالة، بيروت، ۱۹۹۳ء |
| .82 | مدخل لدراسة الشريعة الاسلامية، الدكتور محمد يوسف القرضاوى، مؤسسة الرسالة، بيروت، ۱۹۹۳ء |
| .83 | المراسيل، أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي السِّجِسْتاني (المتوفى: 275هـ)، مؤسسة الرسالة، بيروت، طبع اول، 1408ھ |
| .84 | المستدرك على الصحيحين، أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله بن محمد بن حمدويه بن نُعيم بن الحكم الضبي الطهماني النيسابوري المعروف بابن البيع (المتوفى: 405هـ)، دار الكتب العلمية، بيروت، طبعة أولى، 1411ه/1990ء |
| .85 | المستصفى، الغزالى، محمد بن محمد، دار الكتب العلمية، بيروت، ۱۴۱۳ھ |
| .86 | المستصفى، الغزالى، محمد بن محمد، دار الكتب العلمية، بيروت، ۱۴۱۳ھ |
| .87 | مسند البزار المنشور باسم البحر الزخار، أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق بن خلاد بن عبيد الله العتكي المعروف بالبزار (المتوفى: 292هـ)، مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة، الطبعة الأولى، 2009ء |

| | |
|---|---|
| 88. | مصباح اللغات (مکمل عربی اردو ڈکشنری) مولانا ابو الفضل عبد الحفیظ، عبد اللہ اکیڈمی، سن طباعت ۲۰۱۲ء |
| 89. | المصباح المنير في غريب الشرح الكبير، أحمد بن محمد بن علي الفيومي ثم الحموي، أبو العباس (المتوفى: نحو 770هـ)، المكتبة العلمية، بيروت |
| 90. | المصنف عبد الرزاق، أبو بكر عبد الرزاق بن همام بن نافع الحميري اليماني الصنعاني (المتوفى: 211هـ)، المكتب الإسلامي، بيروت، س- ن |
| 91. | المعجم الوسيط،ابراهيم أمين واخرون،دار الدعوة، مصر،۱۹۸۰ء |
| 92. | المعجم الوسيط،ابراهيم أمين واخرون،دار الدعوة، مصر،۱۹۸۰ء |
| 93. | المغني لابن قدامة، أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة الجماعيلي المقدسي ثم الدمشقي الحنبلي، الشهير بابن قدامة المقدسي (المتوفى: 620هـ)،مكتبة القاهرة، 1388هـ - 1968ء |
| 94. | ، دار القلم، الدار )المفردات في غريب القرآن، أبو القاسم الحسين بن محمد المعروف بالراغب الأصفهانى (المتوفى: 502هـ الشامية، دمشق بيروت، الطبعة الأولى: 1412 هـ |
| 95. | المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (المتوفى: 676هـ)، دار إحياء التراث العربي، بيروت، طبع دوم 1392هـ |
| 96. | المهذب في فقة الإمام الشافعي، أبو اسحاق إبراهيم بن علي بن يوسف الشيرازي (المتوفى: 476هـ)، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان |
| 97. | المواریث فی الشریعۃ الاسلامیۃ فی ضوء الکتاب والسنۃ، محمد علی الصابونی، دار الحدیث، خلف جامع ازہر، مصر، س-ن |
| 98. | الكويت، 1427هـ الموسوعة الفقهية الكويتية، وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية، |
| 99. | موسوعة كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، محمد بن علي ابن القاضي محمد حامد بن محمّد صابر الفاروقي الحنفي التهانوي (المتوفى: بعد 1158هـ)،مكتبة لبنان ناشرون، بيروت، الطبعة الأولى: 1996ء |
| 100. | النتف في الفتاوى، أبو الحسن علي بن الحسين بن محمد السُّغْدي، حنفي (المتوفى: 461هـ)، دار الفرقان، عمان الأردن، طبعة ثانية 1404هـ–1984ء |
| 101. | الهداية في شرح بداية المبتدي، علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (المتوفى: 593هـ)، دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان |
| 102. | الهداية في شرح بداية المبتدي، علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (المتوفى: 593هـ)، دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان |
| 103. | الوسيط في تفسير القرآن المجيد، أبو الحسن علي بن أحمد بن محمد بن علي الواحدي، النيسابوري، الشافعي (المتوفى: 468هـ)/1994ء، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، طبعة أولى، 1415ھ |

**English Books:**

Jinnah, Pakistan and Islamic Identity, Akbar S. Ahmed, the Taylor & Francis e-Library, 2005